زیر ہدایت حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
مفتی صالح محمد صاحب رفیق دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ
کمپیوٹر ایڈیشن
فتاویٰ رحیمیہ
افادات
حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت
دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹر ایڈیشن

جلد سوم

کتاب الانبیاء والاولیاء، کتاب العلم والعلماء
حقوق و معاشرت

افادات

حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : 255 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم

مایتعلق بالقرآن و التفسیر

مضمون	صفحہ

ما يتعلق بالقرآن والتفسير

احد اور صمد کے معنی اور مطلب

(سوال ۱) سورۂ اخلاص میں لفظ ''احد'' اور ''صمد'' کا کیا مطلب ہے؟ تحریر فرمائیں؟

(الجواب) ''احد'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات اور صفات میں یکتا ہے، اکیلا اور تنہا ہے (جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مثل)۔ اس میں ان کی تردید ہے جو ایک سے زیادہ کو معبود اور قابل پرستش سمجھتے ہیں (۱)۔ ''صمد'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور سب سے بے پرواہ ہے اور کسی کا محتاج نہیں، اور سب اس کے محتاج ہیں

توبۃ نصوحا سے کیا مراد ہے؟:

(سوال ۲) قرآن میں ''توبۃ نصوحا'' ہے اس سے کیا مراد ہے۔

(الجواب) ''توبة نصوحاً'' یعنی صمیم قلب کی خالص اور سچی توبہ یعنی یہ پختہ اور پکا ارادہ کر لینا کہ اب یہ گناہ نہیں کرے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت معاذ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ''توبۃ نصوحا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ طے کرلے کہ اس کا دوبارہ گناہ کرنا ایسا ہی محال ہے جیسے دودھ کا دوبارہ تھنوں میں لوٹنا محال ہے۔ خالص حقیقی سچی۔ (۲)

قرآن پاک کی ترتیب کے خلاف بچوں کو سورتیں پڑھانا:

(سوال ۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مکتب میں بچوں کو پارۂ عم خلاف ترتیب پڑھایا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ مکروہ نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک وقت میں پورے پارے کی تلاوت نہیں ہوتی اور مقصد بھی تلاوت نہیں ہے، پڑھنا اور سیکھنا مقصد ہے

---

(۱) جیسے فارس اور ایران کے پرانے لوگ دو خدا مانتے تھے ایک خیر کا پیدا کرنے والا جس کو یزداں کہتے تھے دوسرا شر کو پیدا کرنے والا جس کو اہرمن کہتے تھے (الملل والنحل وغیرہ)

(۲) توبہ کی چار شرطیں ہیں اگر ایک کی بھی کمی رہے تو وہ خالص توبہ نہ ہوئی مجالس الابرار میں ہے۔

فلابد للمؤمن من التوبة لكن لها اربعة شروط ان اختل شرط منها لا يتحقق التوبة. الاول الندم بالقلب على مافعل من الذنوب فى الماضى ومعنى الندم تحزن وتوجع على ما فعل وتمنى كونه لم يفعل، والثانى ترك المعصية فى الحال، والثالث العزم على ان لا يعود الىٰ مثلها فى الاستقبال. والرابع ان يكون ذلك خوفاً من الله تعالىٰ لا لامر آخر:

ترجمہ:۔ مومن کو توبہ ضرور کرنی چاہئے، لیکن توبہ کے لئے چار شرطیں ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو توبہ ٹھیک نہیں ہوگی۔ اول زمانہ گذشتہ کے گناہوں پر دل سے نادم ہونا اور ندامت سے مراد یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر رنج اور قلق ہو دل میں درد اور بے چینی ہو اور پچھتاوا ہو کہ ایسے کاش یہ گناہ نہ کئے ہوتے۔ اور دوسری شرط معصیت کا فی الفور ترک کردینا اور تیسری شرط اس کا پختہ قصد کرنا کہ پھر آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ سب اللہ کے خوف سے ہو کسی اور وجہ سے نہ ہو۔ (مجالس الابرار م ۲۶ ص ۳۸۳)

دل میں گناہ کا عزم اور زبان سے توبہ توبہ۔ یہ توبہ نہیں بلکہ خدا کے ساتھ ایک قسم کا مذاق ہے۔

سبحہ درکف توبہ برلب دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

یعنی ہاتھ میں تسبیح زبان پر توبہ اور دل گناہ کے خیال سے پر، ایسی توبہ پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اور اس طرح پڑھانے میں بچوں کے لئے سہولت ہے اس لئے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے، اس میں کراہت نہیں لان ترتیب السور فی القرائة من واجبات التلاوة وانما جوز واللصغار تسهیلا لضرورة التعلیم (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۷۳) (شامی ج ۱ ص ۵۱۰ فصل فی القرأة مطلب ستماع للقرآن فرض کفایه) وقال العلماء الاختیار ان یقرء علی الترتیب فی المصحف واما تعلیم الصبیان فی آخر المصحف الی اوله فلیس من هذا الباب فان قراءته متفاصلة فی ایام متعددة مع ما فیه من تسهیل الحفظ. (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۲۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب.)
(الجواب)

عربی عبارت ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھنا:

(سوال ۴) ایک اردو رسالہ میں لکھا ہے کہ بعض مدارس میں دیکھا اور سنا گیا ہے کہ کلمہ " لا الـٰه الا الله " ٹکڑے ٹکڑے کر کے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے یعنی ایک بچہ "لا الہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے اور دوسرے بچے بیک آواز بولتے ہیں، پھر وہ بچہ الا اللہ بولتا ہے اس وقت دوسرے بچے الا اللہ کہتے ہیں، ایسی پڑھائی کفر ہے، اس کے متعلق جواب دے کر ممنون کریں۔

(الجواب) اس طرح بچوں کو پڑھانا کفر نہیں ہے، ضرورۃً جائز ہے۔ یہ تلاوت نہیں ہے، سیکھنا سکھانا مقصود ہے۔ استاذ بچوں کو پڑھاتے وقت " قل اعوذ " بول کر رک جاتا ہے پھر " برب الناس " بولتا ہے، اسی طرح وما محمد کہہ کر رک جاتا ہے، پھر "الا رسول " پڑھاتا ہے۔ یہ ضرورۃً جائز ہے، ممنوع نہیں ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ استانی حالت حیض میں ایک ایک کلمہ پر رک کر اور سانس توڑ کر پڑھا سکتی ہے، اگر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھانا کفر ہوتا تو فقہا ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے۔ "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے واذا حاضت المعلمة فینبغی لها ان تعلم الصبیان کلمة کلمة وتقطع بین الکلمتین (یعنی) اگر معلمہ (استانی) کو حیض آ جائے تو اسے چاہئے کہ بچوں کو ایک ایک کلمہ سکھائے (یعنی ٹکڑے ٹکڑے پڑھائے) اور دو کلموں کے درمیان رک جائے (یعنی سانس توڑ دے) (ج ۱ ص ۱۳۸ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضة) جوز للحائض المعلمة تعلیمه کلمة کلمة کما قدمنا (شامی ج ۱ ص ۲۷۰ باب الحیض) مگر جب بچے " لا الـٰه الا الله " پورا پڑھنے پر قادر ہو جائیں۔ اس وقت ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ پڑھائے بلکہ پورا پڑھائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی جلائے تو اس کا کیا حکم:

(سوال ۵) قرآن مجید کے پرانے، بوسیدہ اور پھٹے ہوئے اور کرم خوردہ کاغذوں کا کیا کیا جائے اگر کوئی شخص ایسے کاغذات کو دفن کرنے سے پہلے جلا ڈالے تو ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن کریم (کے اوراق) کو جو بوسیدہ یا دیمک خوردہ، ناقابل انتفاع ہو چکے ہوں ایسے پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت بالکل نہ ہو یا کم ہو دفن کر دیا جائے جیسا کہ مسلمان میت کو دفنایا جاتا ہے۔(۱) وفی الذخیرة المصحف اذا صار خلقا وتعذرت القرأة منه لا یحرق بالنار الیه اشار محمد

وبہ نأخذ ولا یکرہ دفنہ وینبغی ان یلف بخرقۃ طاہرۃ ویلحد لہ لا نہ لوشق ودفن یحتاج الیٰ اہالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقہ سقف وان شاء غسلہ بالماء او وضعہ فی موضع طاہر لا تصل الیہ ید محدث ولا غبار ولا قذر تعظیماً لکلام اللہ عزوجل (شامی ج ۵ ص ۳۷۳ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع)

اگر قرآن مجید قلمی ہو تو بہتر یہ ہے کہ اولاً پانی میں دھو ڈالے اور کاغذات دفنا دے اور جس پانی میں دھویا گیا ہے وہ پانی پی لیا جائے اس میں ہر مرض اور دلی بیماری کی شفا ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ہے بل ینبغی ان یشرب ماءہ فانہ دواء من کل داء وشفاء لما فی الصدور (ج ۲ ص ۶۳۱)

دوسری صورت یہ ہے کہ بوسیدہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی وزنی شے باندھ دی جائے اور اس طرح اس کو بہتے ہوئے گہرے پانی میں یا کنویں کی تہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دیا جائے ولا بأس بان تلقی فی ماء جار۔
(شامی ج ۱ ص ۱۶۴ یطلق الدعاء علی ما یشتمل الثناء)

جہاں مذکورہ بالا صورتوں پر عمل ممکن ہو اور یہ صورتیں اطمینان بخش بھی ہوں تو جلانے کی اجازت نہ ہوگی خصوصاً جب کہ جلانے کو بے حرمتی سمجھا جاتا ہو تو جلانے کی اجازت ہرگز نہیں ہے "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے المصحف اذا صار خلقا وتعذرت القرأۃ عنہ لا یحرق بالنار اشار الشیبانی الی ہذا فی السیر الکبیر وبہ نأخذ کذافی الذخیرہ (ج ۵ ص ۳۲۳ کتاب الکرہ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف وما کتب فیما شیٔ من القران الخ الاتقان ج ۲ ص ۳۰۳) یعنی مصحف اگر بوسیدہ ہو گیا کہ اس میں پڑھا نہیں جاسکتا تو اسے آگ میں جلایا نہ جائے اس حکم کی طرف امام محمدؒ نے سیر کبیر میں اشارہ فرمایا ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں"

ہاں جہاں پر مذکورۃ الصدر دونوں صورتیں دشوار ہوں یا اطمینان بخش نہ ہوں اور مقصد حاصل نہ ہوتا ہو یعنی دفنانے اور پانی میں ڈبونے کے بعد بھی بے حرمتی کا احتمال ہو اور جلائے بغیر چارہ نہ ہو تو جلا کر راکھ دفن کر دی جائے یا پانی میں بہا دی جائے جیسے امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے اختلاف کو دفع کرنے کے لئے اور شورش عوام کی وجہ سے غیر قریشی زبان میں لکھے ہوئے قرآن کو جلانے کا حکم دیا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید خالص قریشی فصیح بلیغ لغت میں

---

(۱) یعنی بوسیدہ اوراق دفن کرنے کے لئے لحد (بغلی قبر) بنائی جائے تاکہ قرآن پر مٹی نہ پڑے اگر شق (صندوقی) بنائی گئی تو قرآن پر مٹی پڑے گی اور اس میں ایک گونہ قرآن کی تحقیر ہے، ہاں اگر اس پر تختوں سے چھت بنالی جائے اور اس پر مٹی ڈالی جائے تو پھر مضائقہ نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ المصحف اذا صار خلقا لا یقرء منہ ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاہرۃ ویدفن ودفنہ اولیٰ من وضعہ موضعا یخاف ان یقع علیہ النجاسۃ او نحو ذلک ویلحد لہ لانہ لو شق ودفن یحتاج الی اہالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقۃ سقف بحیث لا یصل التراب الیہ فھو حسن ایضاً کذا فی الغرائب ج ۵ ص ۳۲۳. اذا المصحف اذا صار بحال لا یقرء فیہ یدفن کالسلم (درمختار) (قولہ یدفن) ای یجعل فی خرقۃ طاہرۃ ویدفن فی محل غیر ممتہن لا یؤطا وفی الذخیرۃ وینبغی ان یلحد لہ ولا یشق لہ لا نہ یحتاج الی اہالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقۃ سقفا بحیث لا یصل التراب الیہ فھو حسن ایضاً اہ واما غیرہ من الکتب فسیأتی فی الحظر والاباحۃ انہ یمحی عنھا اسم اللہ تعالیٰ وملٰئکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بان تلقی فی ماء جار کما ھی او تدفن وھو احسن اہ (قولہ کالمسلم) فانہ مکرم واذا مات وعدم نفعہ یدفن وکذلک للمصحف فلیس فی دفنہ اہانۃ لہ بل ذلک اکرام خوفاً من الامتہان. (درمختار شامی ج ۱ ص ۱۶۴)

نازل ہوا ہے۔ قریش کے علاوہ عربی قبائل میں بعض ایسے تھے کہ ان کی زبان عربی ہونے کے باوجود ایسی صاف نہیں تھی جیسی قریشی زبان صاف تھی ان کے محاورے اور لغت میں ایسا فرق تھا جیسا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہر ملک میں زبان ایک ہونے کے باوجود ہوتا ہے اور یہ فطری چیز ہے (جیسے راندیر کی زبان اور دیہات کی زبان میں فرق ہے نیز سورت ضلع اور بھروچ ضلع وغیرہ کی زبان میں بعض الفاظ متفاوت ہیں حالانکہ زبان (گجراتی) ایک ہی ہے) ایسے ہی عربی قبائل کی زبان کا فرق تھا، جیسے قاف کی جگہ پر ''گاف'' اور ''ش'' کی جگہ ''ت'' حتی کی جگہ '' عتی '' ''ان'' کی جگہ ''عن '' ''ماء غیر اسن '' کی جگہ '' ماء غیر یسن'' تعریف کے ''الف لام'' کی جگہ ''الف میم'' وغیرہ وغیرہ فرق تھا (موجودہ زمانے میں بھی بعض عرب '' قاف '' کو '' گاف '' پڑھتے ہیں) یہ قبائل اسلام میں داخل ہوتے ہی قرآن کی تلاوت ضروری سمجھتے اور نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے مگر ان پڑھ، بڑی عمر کے مرد، عورتوں اور بچوں کو قریشی فصیح بلیغ الفاظ پڑھنا ناممکن تھا اس مجبوری کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے بموجب الہام ربانی اجازت دی تھی کہ یہ مجبور لوگ اپنی فطری زبان میں قرآن پاک کے الفاظ ادا کریں۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ اس عارضی اجازت کو کچھ لوگ مستقل اجازت سمجھنے لگے اور اسی کو قرآن سمجھ کر اس پر اصرار کرنے لگے جس سے بحث اور نزاع کی نوبت آ گئی۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ جنگ آرمینیہ اور جنگ بائذرجان کے موقع پر شام اور عراق گئے تو وہاں کے لوگوں کی قرأت کے اختلافات اور ایک دوسرے پر فوقیت کے واقعات اور نزاعات دیکھ کر آپ کو بڑی تشویش ہوئی، لہذا آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر عرض کیا۔ یا امیر المومنین !اس امت کی خبر لو قبل اس کے کہ قرآن میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات رونما ہوں، حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن کا وہ نسخہ منگوایا جو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مبارک زمانے میں پورے اہتمام سے مرتب کیا گیا تھا اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر قریشیؓ اور حضرت سعید بن عاص قریشیؓ اور حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام قریشیؓ کو بلا کر خالص قریشی زبان اور محاورہ کے مطابق قرآن کے چند نسخے لکھوا کر اور صوبوں میں بھیج کر فرمان جاری کیا کہ اس کے سوا دوسرے قرآن کے نسخے جن میں غیر قریشی زبان کے الفاظ ہوں انہیں جلا دیا جائے (آپ کا یہی کارنامہ ہے جس کی بنا پر آپؓ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے) بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ (وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق (ترجمہ) اور حکم دیا حضرت عثمانؓ نے کہ اس قرآن کے (جو قریش ہی کی زبان کے موافق لکھا گیا تھا) اس کے سوا اور جو صحیفے ملیں سب جلا دیئے جائیں۔ (صحیح بخاری شریف ج ا ص ۷۴۶ پ ۲۰ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن)

خلیفہ مروان سے بھی جلانا منقول ہے قال السخاوی فلما فرغ عثمان من امر المصاحف حرق ما سواھا وردتلک الصحف الأولیٰ الی حفصۃ فکانت عندھا فلما ولی مروان المدینۃ طلبھا لیحرقھا فلم تجبہ حفصۃ الی ذلک ولم تبعث بھا الیہ فلما ماتت حضر مروان فی جنازتھا وطلب الصحف من اخیھا عبد اللہ بن عمر و عزم علیہ فی امرھا فسیرھا الیہ عند انصرافہ فخرقھا خشیۃ ان تظھر فیعود الناس علی الاختلاف (مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۶۳۰۔ ۶۳۱ جلد ثانی)

حضرت عثمانؓ نے جلانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اگر پانی میں ڈالتے تو لوگ نکالتے یا مٹی میں دفناتے تو بھی نکالتے اور تاقیامت تورات وانجیل کی طرح اختلاف رہتا یہ مصلحت تھی، اہانت کی راہ سے نہیں جلایا تھا کہ طعن کیا جائے ''مظاہر حق'' میں ہے ''حضرت عثمانؓ'' نے جلایا بنا بر مصلحت کے کہ اختلاف نہ باقی رہے اور طعن حضرت عثمانؓ پر وارد ہو کہ کہیں شرع میں آیا ہو کہ جلانا بے ادبی ہے، جب کہ شرع میں یہ آیا نہ ہوا اور انہوں نے (اپنے اجتہاد سے) بنا بر مصلحت کے یہ فعل کیا ہو تو کیوں ان پر طعن کریں بحسب عادت اپنی کے'' (ج ۲ ص ۴۴۵)

''فیض الباری علی صحیح البخاری'' میں ہے والا حراق ھا ھنا لدفع الا ختلاف وھو جائز (ج ۴ ص ۲۶۴) (ترجمہ) مذکورہ صورت میں جلانا اختلاف مٹانے کے لئے ہے اور یہ جائز ہے۔

اور ''امداد الفتاویٰ'' میں ہے ''اس احراق (جلانے) میں اختلاف ہے اس لئے فعل میں بھی گنجائش ہے اور ترک احوط ہے ج ۴ ص ۵۵ قرآن مجید قبلہ و دیگر قابل تعظیم اشیاء کے احکام غرض کہ جہاں پر محفوظ مقام پر دفن کرنا اور پانی میں ڈبونا دشوار ہو یا بعد میں بھی بے حرمتی کا احتمال ہو تو بے حرمتی سے بچانے کی غرض سے جلانے کی گنجائش ہے (ضرورۃً جائز ہے فتاویٰ سراجیہ میں ہے اذا صار المصحف الی قولہ یغسل (ترجمہ) جب قرآن کہنہ اور بوسیدہ ناقابل انتفاع ہو جائے تو مناسب ہے کہ پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ میں دفن کر دیا جائے یا جلا دیا جائے (اور اس کی خاک کو پانی میں میں بہا دیا جائے یا دفن کر دیا جائے) یا پانی سے دھو دیا جائے'' (ص ۷۵)

پس صورت مسئولہ میں اگر کسی نے اوراق کو بے حرمتی سے بچانے کی نیت سے ایسا کیا ہے تو اسے تنبیہ کے بعد درگذر کرنا چاہئے کہ اس کی نیت تحقیر کی اور توہین کی نہیں ہو سکتی، ایک مسلمان قصداً بے حرمتی کیسے کرے گا؟ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہئے۔ (بخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ ۔ج ۔ا ص ۲) انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) ظنوا المومنین خیراً ابن کثیر سورۃ حجرات ص ۲۱۲ (مومنین سے حسن ظن رکھو) یآ یھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم (حجرات) حدیث شریف ہے۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث تفسیر ابن کثیر سورۃ حجرات ج ۔۷ ص ۲۱۲ ۔ (گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تلاوت قرآن پاک کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟:

(سوال ۶) قرآن مجید کی تلاوت معنی کے ساتھ پڑھے تو زیادہ اجر ملے گا یا محض تلاوت سے؟ معنی پڑھے تو کتنے درجہ بڑھ کر ثواب ملے؟ معنی کے ساتھ پڑھے تو تفسیر بھی پڑھنے کی ضرورت ہے؟ اگر تفسیر نہ پڑھے تو ثواب میں کمی ہوگی؟

(الجواب) بلاشبہ سمجھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے، سمجھنے میں جتنی محنت سے کام لے گا اتنا زیادہ اجر ملے گا۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وعن عبیدۃ الملیکی و کانت لہ اصحبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن لا تتوسدو القرآن و ایلوہ حق تلاوتہ من آناء اللیل والنہار وافشوہ وتغبوہ و تدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا رواہ البیھقی فی شعب الایمان ۔ زجاجۃ المصابیح کتاب فضائل القرآن ج ۲ ص ۲۰ ۔

تلاوت قرآن مجید کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟:

(سوال ۷) کوئی آدمی رمضان میں پانچ ختم قرآن کرتا ہو اگر وہ معانی کے ساتھ پڑھے تو فقط ایک ختم ہوسکتا ہے، تو کون سے طریقہ سے پڑھنا اولیٰ ہے؟ اور کس طریقے سے پڑھنے میں زیادہ ثواب ملے گا؟

(الجواب) رمضان المبارک میں اکثر لوگوں کو تلاوت کی رغبت اور ختم کا شوق ہوتا ہے، اس لئے اس میں زیادہ دلجمعی ہوتی ہے، زیادہ پڑھا جاتا ہے اور زیادہ وقت اسی میں صرف ہوتا ہے، لہذا جس کو جس میں زیادہ دلچسپی ہو اس کے لئے وہ اختیار کرنا اولی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

گجراتی میں قران شریف لکھنا:

(سوال ۸) گجراتی حروف میں پورا قرآن اس طرح لکھا جائے کہ زبان اور تلفظ عربی ہی رہے تو اس میں کوئی حرج ہے ان پڑھ آدمی جو عربی میں قرآن شریف پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ کلام پاک کی تلاوت کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، ان کی سہولت اور خیر خواہی کے لئے مذکورہ طریقہ پر پورا قرآن گجراتی حروف میں لکھنا اور اس میں تلاوت کرنا ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اس کو مع دلائل تفصیل سے سمجھائیں؟

(الجواب) قران شریف گجراتی حروف میں لکھنے سے قرآنی رسم خط جو قرآن کا ایک رکن ہے، چھوٹ جاتا ہے اور تحریف رسمی لازم آتی ہے، جس سے احتراز ضروری ہے۔ مثلاً بسم اللہ کو گجراتی حروف میں لکھا جائے تو لفظ اللہ اور لفظ الرحمٰن اور لفظ الرحیم کی ابتدا کے دو حروف (الف لام) تحریر میں نہیں آئیں گے بسم للہ رحمٰن رحیم لکھا جائے گا اس طرح لکھنے میں صرف بسم اللہ شریف میں چھ حروف کی کمی آجاتی ہے تو غور فرمائیے پورا قرآن شریف گجراتی میں لکھا جائے تو کتنے حروف کم ہو جائیں گے حالانکہ معانی کی طرح حروف بھی قرآن ہونے میں شامل ہیں۔ دوسری جانب صورت یہ ہے کہ بعض آیتوں میں حروف زائد ہو جائیں گے مثلاً الٓمٓ میں قرآنی رسم خط کے بموجب صرف تین حروف ہیں لیکن گجراتی میں لکھا جائے تو نو حروف ہو جائیں گے۔ اب حساب لگائیے پورے قرآن شریف میں کتنی کمی بیشی ہو جائے گی اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی رسم الخط قیاسی نہیں ہے، بلکہ توفیقی اور سماعی ہے لوح محفوظ میں تحریر شدہ قرآن کے رسم الخط کے مطابق ہے، منزل من اللہ ہے، تواتر اور اجماع سے ثابت ہے، اعجازی ہے، اس میں قرأت سبعہ وغیرہ شامل ہیں اور ساری قرأتیں جاری کی جاسکتی ہیں، یہ کمال اور خوبی گجراتی رسم الخط میں نہیں ہوسکتی لہذا اس کی اتباع واجب اور تبدیلی ناجائز اور حرام ہے۔ طریقہ یہ تھا کہ جب کلام پاک کی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی، تو آنحضرت ﷺ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلا کر لکھواتے اور ہر لفظ کا رسم الخط کاتب وحی کو تعلیم فرماتے، جسے آنحضرت ﷺ وحی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت سے سیکھتے تھے۔ جب خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں یہ طے ہوا کہ جو آیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی مختلف حضرات کے پاس ہیں ان سب کو کتابی صورت میں ایک جگہ کر دیا جائے تو کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ نے بڑی احتیاط اور پوری توجہ سے اسی اصلی رسم الخط کے مطابق جو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے بموجب آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں لکھا گیا تھا پورا قرآن شریف لکھا، اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن لکھوایا تو انہی کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت کو وہ عظیم الشان خدمت سپرد ہوئی، جب کہ پچاس ہزار

صحابہؓ موجود تھے، لہذا اس مصحف عثمانی کے رسم الخط کا خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ چاروں ائمہؒ اس رسم الخط کو ضروری مانتے ہیں۔ خدا پاک کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا له ' لحافظون (ترجمہ) ہم ہی نے قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (سورۂ حجر)

مذکورہ ارشاد میں صرف قرآنی الفاظ کی حفاظت کا وعدہ نہیں ہے بلکہ الفاظ معانی اور رسم الخط سب ہی کی حفاظت کا وعدہ اور پیشینگوئی ہے۔ لہذا اس کا خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ معانی اور علوم قرآن کی حفاظت میں علمائے دین مشغول ہیں تو الفاظ، عبارت اور طرز ادا کی حفاظت میں قراء منہمک ہیں اور رسم الخط کی حفاظت کاتبین قرآن کر رہے ہیں جن کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ:۔

(۱) عربی میں "ح" اور "ہ" میں فرق ہے گجراتی میں نہیں۔ (۲) عربی میں "ق" اور "ک" میں فرق ہے گجراتی میں نہیں (۳) عربی میں "ء" (ہمزہ) اور "ع" الگ الگ ہیں گجراتی میں نہیں (۴) عربی میں "ت" اور "ط" جدا جدا ہیں گجراتی میں نہیں (۵) عربی میں "س" اور "ص" اور "ث" میں فرق ہوتا ہے گجراتی میں نہیں (۶) عربی میں "ذ" "ض" "ز" اور "ظ" میں فرق ہوتا ہے گجراتی میں نہیں۔ مطلب یہ کہ عربی میں جس طرح ہ اور ح، ق اور ک، ع اور ء، اور ت ط اور س، ص، ث اور ذ، ض، ز، ظ کے رسم الخط اور ادائیگی میں نمایاں فرق ہے، یہ فرق اور امتیاز گجراتی میں نہیں ہے، اگر علامتیں مقرر کی جائیں پھر بھی ناقص ہیں، جس میں تحریر اور رسم الخط کی تحریف کے ساتھ ساتھ ادائیگی میں نمایاں فرق ظاہر ہوگا، جس سے بیسیوں غلطیاں اور غلط تلفظ سے حروف میں تبدیلی آنے کی وجہ سے مطلب بھی بدل جائے گا۔ اور ثواب کی جگہ عقاب اور رحمت کی جگہ لعنت کا حق دار ہوگا، جیسا کہ مشہور فرمان ہے رب تال یلعنه القران (یعنی) بہت سے قرآن کے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ جن پر قران لعنت کرتا ہے۔

حضرت امام ابن جوزیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بے شک جس طرح امت کے لئے مطلب قرانی کا سمجھنا اور اس کے حدود کو قائم رکھنا عبادت ہے، اسی طرح صحیح پڑھنا اور حروف کو طریقہ کے مطابق ٹھیک ٹھیک ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ قرآن شریف قابل استاد کے پاس صحیح تلفظ سے پڑھے بغیر عربی رسم الخط میں بھی صحیح پڑھنا دشوار ہے تو ان پڑھ آدمی گجراتی رسم الخط میں کس طرح صحیح پڑھ سکتا ہے؟ صحیح پڑھنا دشوار ہے، اس سے بہتر تو یہ ہے کہ جو سورتیں زبانی صحیح یاد ہیں وہی پڑھا کرے مگر گجراتی میں نہ پڑھے کیونکہ غلط پڑھنا حرام ہے۔

(اتقان، درمختار۔ شامی۔ فتاویٰ ابن تیمیہ شرح جزری ملاعلی قاری وغیرہ)

گجراتی میں قرآن لکھنے کے متعلق کچھ زائد:

(سوال ۹) آپ نے گجراتی رسم الخط میں لکھے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت سے سخت ممانعت کا فتویٰ دیا ہے مگر گاؤں میں تو اکثر لوگ عربی سے بالکل ناواقف ہیں اور گجراتی ہی میں تلاوت کر کے مستحق ثواب بنتے ہیں، گجراتی رسم الخط میں لکھے ہوئے قرآن میں تلاوت کا حرام ہونا کون سی حدیث میں ہے؟ ایسی کوئی حدیث دیکھنے میں تو نہیں آئی۔

جو محض گجراتی ہی سے واقف ہیں، جو پیدائشی گجراتی ہیں اور عربی رسم الخط میں تعلیم پاوے ایسے نہیں ہیں اور پائی بھی نہیں ہے، ایسے لوگ روزانہ صبح میں تلاوت کرنے کے خاص شوقین اور عادی ہیں، وہ لوگ اب کیا کریں؟

(الجواب) اس فتویٰ میں آپ کے تمام اشکالات کا جواب موجود ہے۔کاش آپ نے غور سے فتویٰ پڑھا ہوتا! عبادات اور مامور بہ اعمال کے صحیح اور مقبول ہونے کے لئے جو ارکان وشروط مقرر ہوتی ہیں ان کو عمل میں نہ لانے اور اس کے خلاف کرنے سے وہ عمل باطل اور فاسد ہوجاتا ہے بلکہ کبھی عذاب وعقاب کا باعث بھی ہوتا ہے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں **فویل للمصلين الذين هم عن صلوتهم ساهون.** (ترجمہ) ان نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔(سورۂ ماعون)

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بعض لوگ ساٹھ سال تک نماز پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کی ایک بھی نماز قبول نہیں ہوتی،اس لئے کہ اگر رکوع صحیح ادا کرتے ہیں تو سجدہ صحیح نہیں کرتے اور سجدہ صحیح کرتے ہیں تو رکوع ٹھیک نہیں کرتے۔

ایک حدیث میں ہے،آنحضرت ﷺ نے ایک نمازی کو رکوع وسجود ٹھیک سے ادا نہ کرتا ہوا دیکھ کر فرمایا لو **مات هذا على حالته هذا مات على غير ملة محمد** (ﷺ) (ترجمہ) اگر یہ شخص اپنی اسی حالت میں مرجائے تو محمد ﷺ کے دین پر اس کی موت نہ ہوگی۔(مجالس الابرار ص ۳۴)

ایک روایت میں ایسے نمازیوں کے متعلق جو شرعی عذر بغیر مسجد چھوڑ کر اپنے گھر ہی میں نماز کے عادی ہیں **لضللتم** (یقیناً تم گمراہ ہوجاؤ گے) فرمایا گیا ہے۔(مشکوٰۃ شریف)

دیکھئے! مذکورہ بالا مثالوں میں نماز کے اصول وقواعد اور اس کی اقامت (تکمیل) کی شرط کے خلاف نماز پڑھنے والوں کے متعلق کتنی سخت وعیدیں آئی ہیں،تلاوت قرآن بھی ایک عظیم الشان عبادت اور بڑے اجر کا کام ہے، ایسے کام میں بے احتیاطی اور غفلت برت کر اسے خلاف اصول غلط طریقہ سے پڑھنے والا بھی گنہگار اور قابل وعید ہے۔''فتاویٰ بزازیہ'' میں ہے۔ **قرأة القران بالالحان معصية والتالى والسامع اثمان.** قرآن کا غلط اور بے قاعدہ پڑھنا معصیت ہے۔تالی (تلاوت کرنے والا) اور مستمع (سننے والا) دونوں گنہگار ہیں (ج ۳ ص ۳۷۹)

قرآن مجید خالص عربی اور نہایت فصیح وبلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے،لہٰذا اس زبان کے اصول اس کے امتیازات اور اس کی ادائیگی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے،فرمان خداوندی **ورتل القران ترتيلاً** (ترجمہ) قرآن کو ترتیل سے پڑھو''ترتیل کی تفسیر حضرت علیؓ نے یہ بیان فرمائی ہے،حروف کو تجوید یعنی ان کے مخارج اور صفات سے ادا کرنا نیز وقف اور اس کے اصول جان کر ان پر عمل کرنا۔'' (شرح جزری)

اس کے متعلق علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تجوید سیکھنا یعنی قرآن صحیح پڑھنے کے قوانین کا سمجھنا اور انہیں اختیار کرنا،ان پر عمل کرنا ضروری اور لازمی ہے جو آدمی قرآن مجید کو صحیح طریقہ سے اس کے اصول کے مطابق نہ پڑھے وہ گنہگار ہے۔

والاخذ بالتجويد حتم لازم
من لم يجود القران اثم

(شرح ملا علی قاری)

ظاہری بات ہے کہ قرآن شریف جو عربی میں ہے جب تک کسی ماہر قرآن سے اس کو صحیح طور سے نہ پڑھ

لے گجراتی میں اس کو صحیح پڑھ لینا ناممکن ہے، پڑھنے والا بیسیوں غلطیوں کا مرتکب ہو کر فرمان نبوی رب تال للقران والقران یلعنه (بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے)(العقد الفرید) کے مطابق قرآنی لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہوگا (اعاذنا الله منها) (ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی
ببری رونق مسلمانی

(اگر تو اسی طرح غلط سلط قرآن پڑھتا ہے تو یقیناً مسلمانی کی رونق ختم کرتا ہے)

جو لوگ گجرات میں پیدا ہوئے ہیں اور گجراتی ہی سے واقف ہیں، ان کے لئے عربی پڑھنا دشوار ہے، یہ بات کتنی سادہ ہے، کیا اور زبانوں کے لئے بھی یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے یا صرف عربی زبان کے لئے ہی پیش کی جاتی ہے؟ ذرا غور تو کرو، مثلاً انگریزی زبان کو لو کیا اس کے لئے بھی یہ دلیل ٹھیک رہے گی؟ یقیناً نہیں، یہاں تو حالت برعکس ہے، کہاں ایک طرف عربی سیکھنا دشوار اور دوسری جانب زبان سیکھنا تو درکنار اس زبان والوں (انگریزوں) کے رنگ میں رنگ جانا بھی مشکل نہیں رہتا بلکہ آسان ہو جاتا ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تابہ کجا

لہذا ایسے بہانے مت کرو؟ جب حضور ﷺ بارگاہ خداوندی میں فریاد پیش کریں گے کہ یارب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجوراً تو سوچو اس وقت کیا جواب ہوگا۔ قرآن شریف عربی میں ہی پڑھنے کی کوشش کرو، ہمارے نبی عربی، قرآن عربی اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہے لہذا عربی سے محبت رکھنا ضروری ہے، مسجد کے امام کے پاس روزانہ تھوڑا تھوڑا سیکھنے کی کوشش کرو، حدیث شریف میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا جس کو قرآن کی تلاوت میں مشغولیت کی وجہ سے میرے ذکر اور دعا کا موقعہ نہ ملتا ہو اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا (مشکوٰۃ شریف)

جس کو کبر سنی کی وجہ سے عربی سیکھنا دشوار ہو، وہ جو سورتیں اس کو یاد ہیں انہیں کی بار بار تلاوت کرتا رہے، مگر گجراتی رسم الخط والے قرآن میں تلاوت نہ کرے، اس لئے کہ گجراتی میں صحیح پڑھنا دشوار ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید کا ترجمہ انگلش میں کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۱۰) قرآن مجید کا ترجمہ انگلش وغیرہ زبانوں میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) ہاں! تبلیغ کے مقصد سے کر سکتے ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''قرآن مجید کا ترجمہ بلا وضو چھو سکتے ہیں؟''

(سوال ۱۱) مذکورہ ترجمہ کو بلا وضو چھو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور غیر مسلم کے ہاتھوں میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) ترجمہ مسلمانوں کے حق میں قرآن کا حکم رکھتا ہے، لہذا بلا وضو کے نہ چھوئے۔[۱] غیر مسلم کو تبلیغ کی غرض سے دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو كان القرآن مكتوباً بالفارسية يكره لهم مسه عند أبي حنيفة وكذا عندهما علىٰ الصحيح هكذا في الخلاصة فتاویٰ عالمگیری ج۔ ۱ ص ۳۹۔

''قرآن مجید میں سے بالوں کا نکلنا''

(سوال ۱۲) کئی دنوں سے مسلمانوں میں قران مجید میں سے بال نکلنے کی خوب بحث چلتی ہے بعضوں کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بال مبارک ہیں، اس لئے وہ لوگ اس کو عطر میں رکھتے ہیں، اس پر درود خوانی ہوتی ہے، اس کی زیارت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی کرامت ہے، لہذا اس کی تعظیم ضروری ہے، مذکورہ امر میں تشریح کریں۔ ان بالوں کا کیا کیا جائے وہ بھی بتلائیں؟

(الجواب) کوئی جگہ بالوں سے خالی نہیں ہے، سر کے بھنوؤں کے، مونچھ کے داڑھی اور بدن کے ہزاروں لاکھوں بالوں میں سے نہ معلوم روز اور کتنے بال گرتے ٹوٹتے مُڈوائے اور کتروائے جاتے ہیں وہ ہوا میں اڑ کر ادھر ادھر گھس جاتے ہیں؟ قرآن شریف میں برسوں سے پڑھے جاتے ہیں اور گھنٹوں کھلے رہتے ہیں ان میں گھر میں گرے ہوئے بال ہوا سے اڑ کر اور پڑھنے والے کے سر کے بال کھجلانے سے ٹوٹ کر گرتے ہیں اور برسوں اوراق کی تہہ میں دبے رہتے ہیں پس اگر تلاش کرنے کے بعد کوئی بال مل جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے بلکہ استعمال شدہ قرآنوں میں بال نہ نکلنا حیرت ناک ہے۔

قرآن مجید میں سے نکلے ہوئے بالوں کو پیغمبر ﷺ کے مبارک بال سمجھ لینا، ان پر درود خوانی کرنا، ان کی زیارت کرنا، کروانا ایمان کھونے جیسی حرکت ہے اور اسے کرامت سمجھنا بھی جہالت ہے۔

ہر حیرت کی بات کرامت نہیں ہوتی بلکہ استدراج اور شیطانی حرکت بھی ہو سکتی ہے، حضرت پیران پیرؒ فرماتے ہیں کہ ''ایک دن سیر و سیاحت کرتے ہوئے میرا ایک ایسے جنگل میں گزر ہوا جہاں پانی نہیں تھا، چند دنوں تک وہیں ٹھیرنا پڑا، پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت پیاس لگی، حق سبحانہ تعالیٰ نے بادل کا سایہ میری اوپر کر دیا اور اس بادل سے چند قطرے ٹپکے جس سے مجھ کو کچھ تھوڑی بہت تسکین ہوئی، اس کے بعد ان بادلوں سے ایک روشنی نکلی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو گھیر لیا، اور اس روشنی میں سے ایک عجیب و غریب صورت نمودار ہوئی جو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے عبدالقادر میں تیرا پروردگار ہوں تجھ پر تمام حرام چیزوں کو حلال کرتا ہوں (اس لئے) جو چاہو کرو (کوئی باز پرس نہ ہوگی) میں نے کہا اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ اے شیطان ملعون! راندہ درگاہ دور ہو جا اور بھاگ۔ یہاں سے یہ کیا بات ہے؟ اس کے بعد ہی فوراً وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور اندھیرا چھا گیا، وہ صورت غائب ہو گئی اور آواز آئی اے عبدالقادر تم نے اپنے علم و فہم کی وجہ سے (جو احکام الٰہی سے حاصل کئے ہیں) اور اپنے مرتبہ کے ذریعہ مجھ سے نجات پائی ہے (ورنہ) میں اس جگہ ستر ۷۰ بزرگوں اور صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں ایک بھی سیدھے راستے پر قائم نہ رہ سکا۔ (البلاغ المبین ص ۳۴ تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک تعجب خیز چیز کو کرامت سمجھ لینا یہ گمراہی کی علامت ہے، دجال کے کرشمے بڑے تعجب انگیز ہوں گے، مردوں کو زندہ کرنے کا کرشمہ دکھائے گا، اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی، جو اس کو مانے گا اس کو وہ جنت میں اور نہ ماننے والے کو دوزخ میں ڈالے گا سخت قحط سالی کے زمانے میں کسی کے پاس غلہ نہ ہوگا اس وقت جو اس کو مانے گا اسے وہ دے گا بارش برسائے گا، غلہ پیدا کرے گا، زمین میں مدفون خزانے اس کے

تابع ہو جائیں گے، ایسے حالات میں آج کل کے بال پرست اور ضعیف العقیدہ لوگ اپنا ایمان کیونکر محفوظ رکھ سکیں گے۔

ایمان اور عقیدہ کی سلامتی کے لئے حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مقدس تاریخی درخت جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے محض اس لئے کٹوادیا کہ لوگ اس کی زیارت کے لئے بڑے اہتمام سے آتے تھے، اسی طرح مکہ ومدینہ کے راستہ میں وہ جگہ جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، وہاں لوگوں کو بڑے اہتمام سے جاتے ہوئے دیکھ کر ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا فانما هلک من کان قبلکم بمثل ذلک کانوا یتبعون اثار الا نبیاء (تم سے پہلی قومیں اسی لئے ہلاک و برباد ہوئیں کہ تمہارے اس فعل کی طرح وہ اپنے نبیوں کے نشانات کے پیچھے لگا کرتی تھیں۔(البلاغ المبین ص ۷)

یہ دونوں مثالیں مسلمانوں کے لئے سبق آموز ہیں۔آدمی کے بدن سے علیحدہ شدہ بالوں کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ان کو زمین میں دفن کر دیا جائے ان کو پھینک دینا بھی جائز ہے مگر پاخانے یا غسل خانے میں نہ ڈالے اس لئے کہ اس سے مرض پیدا ہوتا ہے۔ فاذا قلم اظفاره' او جز شعره ینبغی ان یدفن ذلک الظفر و الشعر المجزوز فان رمی به فلا بأس وان القاه فی الکنیف اوفی المغتسل یکره ذلک لان ذلک یورث داء کذا فی فتاویٰ قاضی خان (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۵۸ کتاب کراهیة الباب التاسع عشر فی الختان والحضاء وقلم الا ظفار الخ.فقط و الله اعلم بالصواب.)

نوٹ:۔ بھائیو! قرآن شریف اللہ کا قانون ہے یہ ایک کامل اور بہترین دستور العمل ہے اس میں بھلائی اور ہدایت کا راستہ تلاش کرنا چاہئے جسے اختیار کر کے دین اور دنیا کی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں۔مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم نیکی اور ہدایت کے راستہ کی تلاش چھوڑ کر قرآن شریف میں بال تلاش کرنے لگے ہیں اور اگر اتفاق سے کوئی بال نکل آتا ہے تو اس کی پرستش میں لگ جاتے ہیں (معاذ اللہ) کتنے افسوس کا مقام ہے۔اللہ ہم سب کو نیک توفیق عنایت کرے۔آمین۔فقط واللہ اعلم۔

لما تصف صحیح ہے یا لم تصف:

(سوال ۱۳) استفتاء۔یہاں ایک مولانا جو حافظ، قاری، مولوی بھی ہیں وہ تراویح پڑھاتے ہیں۔جب پڑھتے پڑھتے۔ولاتقولوا لما تصف (پ۱۴) پر پہنچے تو لما کا الف نہ پڑا کہ جس کا تلفظ لم ہوتا ہے۔ہم نے لقمہ دیا تو لقمہ نہیں لیا۔ تراویح کے بعد پوچھا تو کہنے لگے کہ الف نہ پڑھا جائے گا۔آپ تفصیل فرمائیے۔

(الجواب) ولاتقولوا لما تصف میں لما کا الف پڑھا جائے۔مولوی صاحب جو کہہ رہے ہیں۔کہ الف نہ پڑھا جائے گا۔ صحیح نہیں! فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر بالرائے کا شرعی حکم:

(سوال ۱۴) حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ...... سلام مسنون!

یہاں پورے یوروپ، امریکہ اور کنیڈا میں ایک فتنہ عرصہ سے چل رہا ہے وہ ہے ''تفسیر بالرائے'' کا

یونیورسٹی کے طلباء وطالبات مخلوط طور پر درس قرآن کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ایک شخص قرآن پاک کی ایک آیت پڑھتا ہے پھر تفہیم القرآن یا کسی اور تفسیر سے ترجمہ کرتا ہے پھر کہتا ہے پروفیسر صاحب! آپ کا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ڈاکٹر صاحب آپ کے خیال میں اس آیت سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ فلاں صاحبہ! آپ کے نزدیک آیت سے کیا مراد ہے؟ غرض اس طرح تفسیر چل پڑی ہے اور اس کو وہ لوگ درس قرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تفسیر بالرائے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اپنی سمجھ اور عقل سے اس طرح تفسیر کرنا جو سوال میں درج کی گئی ہے درست ہے؟ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں۔ بڑی پیانہ پر طبع کروا کر پورے یورپ وامریکہ میں پہنچانے کا ارادہ ہے۔فقط والسلام مع الاحترام بینوا توجروا۔(مولانا) محمد عیسیٰ کاوی۔یو۔کے۔

بواسطہ محترم جناب منشی عیسیٰ بھائی کاوی ضلع بھروچ۔

(الجواب) **حامداً ومصلیاً ومسلماً**: درس قرآن کا یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے کہ ''یونیورسٹی کے طلباء طالبات مخلوط طور پر درس قرآن کے لئے جمع ہوتے ہیں'' الخ یہ درس قرآن نہیں ہے بلکہ تحریف قرآن کا ناروا مشغلہ ہے۔جس کی پیشین گوئی حضرت معاذ بن جبلؓ نے کی ہے۔ابوداؤد (بذل شرح ابوداؤد ص ۱۹۱ ج ۵) میں حضرت معاذؓ کا ارشاد ہے کہ ''تمہارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے، مال کی کثرت ہوجائیگی اور قرآن عام ہوجائے گا۔حتیٰ کہ اس کو مؤمن اور منافق، مرد اور عورت، بڑا اور چھوٹا غلام اور آزاد سب پڑھنے لگیں گے (اور خود کو ماہر قرآن سمجھنے لگیں گے) ایک کہنے ولا کہے گا کہ لوگ میری اتباع کیوں نہیں کرتے حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے جب تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑوں (یعنی تفسیر بالرائے نہ کروں) اس کے بعد حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ اپنے کو نئی نئی بدعتوں سے بچاتے رہیو کیونکہ جو بدعت نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی۔(ابوداؤد) لہذا جو شخص اپنے ذہن اور دماغ کی قوت سے قرآن کے مطالب کی اختراع کرتا ہے اور من پسند تفسیر کرتا ہے وہ قرآن کی تحریف کے درپے ہے اور بدترین قسم کا گمراہ ہے اور فرمان نبوی ﷺ '' ضلوا فاضلوا'' کا صحیح مصداق ہے اور اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

رسول کریم ﷺ کی شان تو یہ تھی۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی ۔ یعنی کوئی فعل تو کیا ایک حرف بھی آپ کے زبان مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو نفسانی خواہشات پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ دین کے بارے میں قرآن کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔اس میں وحی متلو کو ''قرآن'' اور غیر متلو کو ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔(سورۂ والنجم پ ۲۷)

قرآن کریم ایک جامع ومکمل کتاب ہے۔قرآن کریم کی جامعیت کا یہ مفہوم تو شاید کسی کے نزدیک نہ ہوگا کہ وہ تعلیم اور توضیح کا محتاج نہیں اور لوگ اپنی اپنی سمجھ اور عقل سے بلا کسی رسول کی تعلیم کے اس کے مطالب ومراد سمجھ لیں۔اگر ایسا ہی ہوتا تو رسول کی بعثت بے فائدہ ہوتی قرآن کریم براہ راست اتار دیا جاتا اور دنیا خود اس سے استفادہ کر لیتی لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کے لئے قرآن کی تعلیم وتفہیم کے لئے رسول کی بعثت عمل میں آئی ہے رسول کے واسطہ کے بغیر کتاب اللہ کا سمجھنا ممکن نہیں خدا کا فرشتہ کتاب اللہ کی پہلے رسول کو تعلیم دیتا ہے۔

پھر رسول اس پر مامور ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔ **علمه ' شديد القوىٰ** ۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کی بعثت کا مقصد جہاں **یتلون علیہم آیاتہ** (تلاوت کتاب) اور **ویزکیھم** (تزکیہ وتطہیر مؤمنین) قرار دیا گیا ہے وہاں آپ کی بعثت کا اہم مقصد **ویعلمهم الكتاب والحكمة** (تعلیم کتاب اللہ اور بیان آیات) بھی ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے **وانزلنا اليک الذكر لتبين للناس**۔ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کر کے بیان کر دیں۔اس بناء پر آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے معانیٔ آیات کے بیان کا فریضہ انجام دیا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص کر خلفائے راشدین، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے ماہرین تفسیر کے ذریعہ منتقل ہو کر ہم تک پہنچا۔ فہم قرآن میں اس واسطہ کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "باب العلم" کہا گیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی (اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی بیان ہے) اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے **ان ربی وهب لى قلباً عقولاً ولساناً سؤلاً** ۔میرے رب نے مجھے سمجھدار دل اور تحقیق کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔آپ حضور اکرم ﷺ سے ہر چیز کی تحقیق فرمایا کرتے۔اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ عقل و سمجھ کے ساتھ استاذ کی بھی ضرورت ہے کہ جو اس کی صحیح سُور پر رہنمائی کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت مسروق کا بیان ہے " **كان عبد الله يقرء علينا السورة ثم يحدثنا فيها ويفسرها عامة النهار** " یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمارے سامنے ایک سورت تلاوت فرماتے اور پھر دن بھر اس کے متعلق احادیث بیان فرماتے اور اس کی تشریح وتفسیر فرماتے (طبری ص ۱۷ ج۱) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اعلم بکتاب اللہ ہونا صحابہ میں مسلم تھا (استیعاب ج ۱ ص ۳۷۳) حضرات صحابہؓ نے یہ تمام علوم، منبع علوم وسرچشمۂ ہدایت حضور اکرم ﷺ سے حاصل کئے تھے اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیم وفیض صحبت نے صحابہ کے علوم میں ایسا عمق اور گہرائی اور ایسی نورانیت پیدا کر دی تھی کہ وہ خود معیار حق بن گئے، مرحوم اکبر الٰہ آبادیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا !

اس لئے سلف صالحین کی نظر میں حضرات صحابہ کے علم وفہم کی بہت زیادہ اہمیت تھی اور ہر دینی معاملہ میں ان حضرات کی سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ اس میں صحابۂ کرامؓ کا کیا مسلک اور طریقہ تھا۔اور جب ان کی رائے معلوم ہو جاتی تو اسی کو اپنے لئے اسوہ بنا لیتے اور اگر اس مسئلہ میں صحابۂ کرام کا باہمی اختلاف دیکھتے تو انہی کی آراء میں سے کسی کی رائے پر عمل کرتے اور اس سے باہر قدم نکالنا ضلالت وگمراہی تصور کرتے، چنانچہ امام محمد بن

سیرین جو جلیل القدر تابعی ہیں ان سے حج کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا۔

کرھھا عمرو عثمان فان یکن علماً فھما اعلم منی وان یکن رأیاً فرأیھما افضل.

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱)

حضرت عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے اب اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے اعلم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے زیادہ بہتر ہے۔

غور کیجئے! جلیل القدر تابعی امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے علم اوران کی رائے کے مقابلہ میں اپنے علم ورائے کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ جب کہ اس زمانہ کے بعض روشن خیال تفسیر میں سلف کے علم واجتہاد سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں۔

امام اوزاعیؒ نے اپنے ایک شاگرد بقیہ بن ولید سے فرمایا:۔

یابقیة ! العلم ماجاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم وما لم یجئی فلیس بعلم.

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۹)

اے بقیہ! علم تو بس وہی ہے جو آنحضور ﷺ کے اصحاب سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔

عامر شعبیؒ فرماتے ہیں:۔

ما حدثوک عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فخذبه وما قالوا فیه برأیھم فبل علیه (جامع بیان العم ج ۲ ص ۳۲)

لوگ جو باتیں تمہارے سامنے آنحضور ﷺ کے صحابہ کی طرف سے نقل کریں تو انہیں اختیار کرلو، اور جو اپنی رائے سے کہیں اسے نفرت کے ساتھ چھوڑ دو۔

اس طرح کے بہت سے آثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلاف کے یہاں صحابہ کے علم کا کتنا وزن تھا۔ ان کے یہاں اس علم کی اس قدر قدر وقیمت کیوں تھی؟ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح سنت مقاصد قرآنیہ کے لئے کاشف ہے اسی طرح صحابہؓ کے کلمات مقاصد سنت کی شرح کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ کلمات اگر حضور اکرم ﷺ سے سنے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نقل سے افضل کوئی نقل نہیں ہوسکتی اور اگر وہ ان کی اپنی اجتہادی رائے ہے تو دین میں ان کی اجتہادی رائے سے افضل کس کی رائے ہوسکتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ احادیث اور آپ کے فیض یافتہ صحابہؓ اوران کے فیض یافتہ تابعین وتبع تابعین وسلف صالحین کے آثار واقوال کو بالائے طاق رکھ کر اپنی سمجھ اور عقل سے قرآن کے صحیح مطالب ومراد تک رسائی ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے تفسیر بالرائے (یعنی اپنی رائے اور عقل سے من پسند تفسیر کرنا) کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعده من النار، (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص ۳۵)

جس نے علم حاصل کئے بغیر قرآن کا مطلب بیان کیا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ قیل یخشی علیہ

الکفر ،اس کے حق میں کفر (اور سوء خاتمہ) کا اندیشہ ہے (مرقاۃ ج ا ص ۱۹۱)

(۲) من قال فی القران برائه فاصاب فقد اخطأ.(رواه الترمذی وابو دائود (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵)

یعنی:۔ جس نے قرآن کی تشریح اپنی عقل اور سمجھ سے کی اگر (اتفاق سے) وہ صحیح بھی ہو تب بھی وہ خطاوار ہے (اس لئے کہ اس کو یہ حق ہی نہیں تھا کہ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے)

قرآن پاک کی تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم میں مہارت کو ضروری بتایا ہے (جس طرح دریا کی تہ سے موتی و مرجان نکالنے سے پہلے اس کے تمام طریقوں کو اپنانا ہوتا ہے اور اس کے متعلق آلات کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے ان طریقوں اور آلات کو اپنائے بغیر اگر کوئی دریا میں غوطہ لگائے گا تو تہ میں سے موتی و مرجان نکالنے میں تو کیا کامیابی ہوگی اپنی جان ہی ضائع کر دے گا) بالکل اسی طرح قرآنی علوم اور اس کی گہرائی تک رسائی کے لئے پندرہ علوم میں مہارت کو ضروری بتایا گیا ہے وہ یہ ہیں (۱) لغت (۲) علم نحو (۳) علم صرف واشتقاق (۴) علم معانی (۵) علم بیان (٦) علم بدیع۔ آخر الذکر تینوں فن ''علم بلاغت'' کہلاتے ہیں مفسر بننے کے لئے یہ تینوں اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کہ کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے ان علوم سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ (۷) علم تجوید وقراءت (۸) علم عقائد (۹) اصول فقہ (۱۰) قصص و اسباب نزول کا معلوم ہونا (۱۱) ناسخ و منسوخ کا معلوم ہونا (۱۲) علم فقہ سے واقف ہونا (۱۳) فرائض وحساب کا جاننا (۱۴) ان احادیث کا جاننا جو قرآن پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔ ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم وہبی ہے جو حق تعالیٰ وسبحانہٗ کا عطیہ خاص ہے اور وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ (از شریعت وطریقت کا تلازم۔ الاحسان ملخص)

یہ تھی قرآن کی تفسیر کی عظمت سلف صالحین کی نظر میں اس کے بالمقابل اس قسم کے درس کے حامی، صاحب تفہیم القرآن کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) اس میں (تفہیم القرآن میں) جس چیز کی میں نے کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے حتیٰ الامکان جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔'' (ترجمان القرآن ۱۳٦۱ھ محرم ص ۲)

(۲) اس طرز تعلیم کو بدلنا چاہئے قرآن وسنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں'' الخ (تنقیحات ص ۱۲٦)

حدیث وتفسیر کی جو متداول اور مقبول کتابیں ہیں (مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، تفسیر ابن کثیر، مظہری، روح المعانی، بیضاوی، مدارک التنزیل وغیرہ وغیرہ) ان کو پرانا ذخیرہ کہہ کر بیکار اور ناقابل توجہ قرار دیا جارہا ہے اور ان سے آزاد ہو کر قرآن فہمی کی ترغیب دی جارہی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے۔

''قران کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے الخ'' (تنقیحات ص ۲۲۲)

''بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا''

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک، قبلہ

ایک، کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیونکر پیدا ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ''اے امیر المؤمنین قرآن ہمارے سامنے اترا ہے، ہم تو اس کے موارد نزول کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر انہیں صحیح طور پر اس کے موارد، ومصادر کا علم نہ ہوگا پھر اس میں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کریں گے اور اٹکل کے تیر چلائیں گے اس لئے ان میں اختلاف ہو جائے گا۔ اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں شروع ہوں گی۔ (الاعتصام ص ۱۵۷)

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے تدبر فی القرآن کے طریقہ کے متعلق بیان فرماتے ہیں۔

ربما طالعت علی الآیة الواحدة نحو مائة تفسیر، ثم اسأل اللہ الفهم واقول یا معلم آدم علیه السلام وابراهیم علمنی وکنت اذهب الی المساجد المهجورة ونحوها وامزغ وجهی فی التراب واقول یا معلم ابراهیم فهمنی .(العقود الدریة ص ۲۶، بحواله تاریخ دعوت عزیمت ص ۲۹ ج ۲)

بعض اوقات ایک ایک آیت کے لئے میں نے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم عنایت ہو۔ میں عرض کرتا ''اے آدم وابراہیم کے معلم میری تعلیم فرما'' میں سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے مجھے سمجھ عطا فرما۔''

غور کیجئے علامہ ابن تیمیہ باوجود راسخ فی العلم ہونے کے سلف صالحین کے علم وفہم پر کتنا اعتماد کرتے تھے اور استفادہ کی غرض سے بعض بعض اوقات ایک ایک آیت کی تفسیر کے لئے اسلاف کی سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تفسیروں کا مطالعہ فرماتے تھے جب کہ اس زمانہ میں ان تفاسیر کو پرانا ذخیرہ کہا جا رہا ہے مزید برآں علامہ ابن تیمیہؒ اسلاف عظام کے علم و فہم اور ان کے متبع قرآن وسنت ہونے کی تعریف کرتے ہوئے اور ان کی اتباع کو واجب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:- **یجب علی المسلمین بعد موالاة اللہ ورسوله موالاة المؤمنین کما نطق به القران وخصوصاً العلماء الذین هم ورثة الانبیاء الذین جعلهم اللہ بمنزلة النجوم یهتدی بهم فی ظلمات البر والبحر......الخ (رفع الملام عن ائمة الاعلام للعلامة ابن تیمیه)**

یعنی مسلمانوں پر اللہ ورسول کی محبت کے بعد اہل ایمان کی دوستی اور محبت واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن میں صاف صاف موجود ہے خصوصاً ان علماء کی دوستی اور محبت جو وارث انبیاء تھے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کا مرتبہ عطا فرمایا جن سے تاریکیوں میں روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ تمام آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل دوسری امت کے علماء شرار امت تھے لیکن اس امت کے علماء خیر امت ہیں اس لئے کہ وہ اس امت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین ہیں وہ سنتوں کے زندہ کرنے والے ہیں۔ ان سے کتاب اللہ کی رونق اور رواج ہے اور وہ اس کے علم بردار ہیں، وہ کتاب اللہ کے ترجمان اور شارح اور کتاب اللہ ہی ان کی ورد زبان اور دلیل و برہان ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ان ائمہ میں سے جو عام طور پر مسلمانوں میں مقبول ومعتمد ہیں (یعنی ائمہ اربعہ) ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی کسی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لئے کہ وہ سب اس پر متفق

تھے کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی واجب ہے اور آپ ﷺ ہی کی تنہا وہ ذات ہے جس کے سب اقوال واحکام واجب القبول ہوں الخ ۔ (از تاریخ دعوت وعزیمت ص ۱۰۱، ص ۱۰۲ حصہ دوم مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ)

الحاصل :۔اس قسم کے درس قرآن اور ایسی مجلسوں سے احتراز ضروری ہے ورنہ عقائد واعمال خراب ہوں گے ۔اور ضال ومضل بنیں گے، اور ایسے لوگوں کی گمراہی ظاہر اور معلوم ہوجانے کے بعد ان کے ساتھ مخالطت اور میل جول رکھنا بھی جائز نہیں ۔خدا کا فرمان ہے ۔ **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار .**

ترجمہ :۔(اے مسلمانو!) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے (پ ۱۲ سورہ ہود) اور ارشاد ہے :۔ **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین .** ترجمہ (اور اگر شیطان تجھ کو بھلادے) تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھو (سورۂ انعام پ ۷) اور حکماء کا مشہور مقولہ ہے ۔القبائح متعدیۃ والطبائع متسرقۃ ۔بری عادتیں متعدی ہوتی ہیں اور طبعتیں چور ہیں کہ ہر کمزور سے کمزور بات سے متأثر ہوجاتی ہیں ۔فقط و **اللہ اعلم بالصواب وھو الھادی الی الصراط المستقیم.**

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور صراط مستقیم (اسوۂ رسول اللہ ﷺ، وطریقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) پر قائم رکھے ۔بحرمۃ سید المرسلین ﷺ ۔۳ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ ۔

قرآن مجید کی عظمت اور اس کے لئے تجوید کا لزوم :

(سوال ۱۵) محترم المقام مخدوم الانام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ۔بعد سلام مسنون ایک اہم اور ضروری امر کے لئے آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں امید ہے کہ اس کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے ۔

ہمارے یہاں لوگوں کا رجحان قرآن کریم کی تعلیم کی طرف بہت کم ہے ۔لوگ بچوں کو دوسری تعلیم بڑے ذوق شوق سے دلاتے ہیں مگر اس کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہے، اور بعض جگہ کچھ تعلیم ہے مگر تجوید کا نام ونشان نہیں اور نہ قرآن پڑھانے والوں کی عظمت اور احترام لوگوں کے دلوں میں ہے آپ ایسے طریقے سے جواب عنایت فرمائیں کہ لوگوں کے قلوب میں قرآن مجید کی عظمت پیدا ہو اس کے پڑھانے والوں کا احترام کریں اور تجوید کا ذوق وشوق پیدا ہو اور اس کی تعلیم کی طرف توجہ دینا شروع کریں ۔ جزا کم اللہ خیر الجزاء ۔فقط والسلام بینوا توجروا ۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً :۔قرآن کریم مؤمنین کے لئے بہت بڑی نعمت ہے اور یہ سب کتابوں سے افضل و اشرف ہے، اس کی شرافت اور فضیلت کے لئے یہی ایک خصوصیت کافی ہے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے ۔حدیث میں ہے خیر الحدیث ۔کتاب اللہ (مسلم شریف) یعنی اللہ کی کتاب (قران کریم) سب سے بہتر کلام ہے اور رحمۃ للعلمین وخاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا ہے، اور اس کی تعلیم کا فریضہ آپ کے سپرد فرمایا گیا ایک حدیث میں ہے :۔فضل القران علی سائر الکلام کفضل اللہ علی سائر خلقہ (ترمذی شریف) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۶) یعنی قرآن مجید کو دوسری کتابوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے خدا تعالیٰ کی فضیلت ساری مخلوق پر ہے ۔اور ایک حدیث میں ہے ۔ **القران احب الی اللہ من السموت والارض** ۔قرآن اللہ کے نزدیک آسمان اور زمین (اور جو کچھ ان میں ہے) سب سے زیادہ محبوب ہے ۔

قرآن کریم سارے عالم کے لئے خدا کا آخری اور مکمل قانون ہے اس وجہ سے آسمانی کتابوں میں سب سے افضل، اعلیٰ وارفع ہے اور اس امت کا طرۂ امتیاز ہے ایک حدیث میں ہے ان لکل شئی شرفاً یتبا ھون وانا بھاء امتی شرفھا القرآن. (رواہ فی الحلیۃ۔ بحوالہ فضائل قرآن ص ۲۸) یعنی ہر چیز کے لئے کوئی افتخار (شرافت کی چیز) ہوتا ہے جس کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور میری امت کا افتخار اور رونق قرآن مجید ہے۔ دنیا میں لوگ اپنے خاندان، مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اور اس کو اپنی شرافت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم نے فرمایا میری امت کے لئے فخر کی چیز قرآن مجید ہے جو شخص جتنا زیادہ اس کو حاصل کرے گا۔ سیکھے گا۔ اور پڑھے گا اور دوسروں کو سکھائے گا اس کا شوق بڑھتا ہی جائے گا۔ اور شرف بھی ایسا کہ دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا شرف اس کی برابری نہیں کرسکتا۔

دنیا میں یوں تو ہزاروں کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن قرآن کی تعلیم دینا اور اس کی تعلیم حاصل کرنا۔ یہ سب سے اعلیٰ قسم کی تعلیم ہے۔ کیونکہ دوسری کتابوں کی عبارتیں اور ان کے مضامین انسانی دماغوں کے تراشیدہ ہیں، جس کا علم ہمیشہ محدود اور ناقص رہا ہے اور آئندہ بھی ناقص ہی رہے گا۔ اور قرآن مجید اس ذات مقدسہ کے ارشادات گرامی ہیں جس کا علم غیر محدود ہے اور آسمان و زمین اور پوری کائنات کے ہر ہر جز کو حاوی اور شامل ہے لہذا قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے دوسری دنیوی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے والوں سے اعلیٰ واشرف قرار دیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد ہے، خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۳)

اور ایک حدیث میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ یا ابا ھریرۃ تعلم القرآن وعلمہ الناس ولا تزال کذلک حتیٰ یأتیک الموت فان اتاک الموت وانت کذلک زارت الملائکۃ قبرا کما یزار البیت العتیق. یعنی اے ابو ہریرہ! قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور موت آنے تک زندگی بھر یہی مشغلہ رکھو پھر اگر قرآن پڑھتے پڑھاتے موت آگئی تو ملائکہ تمہاری قبر کی زیارت (قیامت تک) کرتے آتے رہیں گے جیسے کہ خانہ کعبہ کی زیارت کی جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے۔ اکرمو احملۃ القران فمن اکرمھم فقد اکرم اللہ الا فلا تنقصوا حملۃ القران حقوقھم فانھم من اللہ بمکان کا دحملۃ القران ان یکونوا انبیاء الا انہ لا یوحیٰ الیھم (عن ابن عمر) (کنز العمال) یعنی حفاظ قرآن کی عزت کرو کیونکہ جس نے ان کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی۔ خبردار! حاملین قرآن کی بے حرمتی، اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرو اس لئے کہ ان کا اللہ کے نزدیک ایسا مرتبہ ہے کہ قریب ہے کہ نبی ہوجائیں مگر ان پر وحی نہیں آتی۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ حامل القرآن حامل رأیۃ الاسلام ومن اکرمہ فقد اکرم اللہ ومن اھانہ علیہ لعنۃ اللہ (عن ابی امامۃ)۔ (کنز العمال) یعنی۔ حامل قرآن اسلام کا علمبردار ہے۔ جس نے اس کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی۔ اور جس نے اس کو ذلیل کیا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے اذا مات حامل القران او حی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمہ فتقول الارض کیف آکل لحمہ و کلامک فی جوفہ. (عن جابر بن عبداللہ) (کنز العمال)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب حامل قرآن مرجاتا ہے تو

اللہ تعالیٰ زمین کو حکم کرتا ہے کہ وہ اس کے گوشت کو نہ کھائے زمین عرض کرتی ہے۔آپ کا کلام اس کے پیٹ (اور سینہ) میں ہے پھر کس طرح میں اس کے گوشت کو کھا سکتی ہوں۔

نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بروز قیامت تم قرآن شریف پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے شخص سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور درجے حاصل کر اور سنوار کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ تیرا درجہ اسی آیت کے ختم پر ہے۔جس کو تو پڑھے یعنی جتنی آیتیں پڑھے گا اتنے درجے ملیں گے۔(ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

جو لوگ دنیوی ترقی کے لئے دنیوی تعلیم میں مشغول ہو کر قرآن کی نعمت سے محروم رہے وہ کس قدر خسارہ میں ہیں؟

نیز حدیث میں ہے کہ بلا شبہ وہ شخص جس کے دل میں قرآن شریف نہ ہو وہ اجڑے ہوئے گھر جیسا ہے۔(ترمذی وغیرہ) حضرت کا فرمان ہے جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس کو یاد کیا یعنی حفظ کیا اور قرآن کے حلال بتائے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتلائے ہوئے کو حرام سمجھا۔ اور عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

اللہ اکبر! قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کی اللہ کے نزدیک کس قدر عزت اور قدر و منزلت ہے۔قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی عظمت کو کون بیان کر سکے، اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ نزول وحی کے وقت حضور اکرم ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو جاتا اور وحی کی شدت سے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کا دم گھٹ رہا ہے اور جب وحی کی آمد ختم ہو جاتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کا سر مبارک جھک جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر صحابہ بھی اپنا سر جھکا لیا کرتے تھے جب یہ حالت ختم ہوتی تو سر اٹھاتے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب کلمہ ''اولی الضرر'' آپ ﷺ پر نازل ہو رہا تھا تو اس وقت آپ ﷺ کی ران مبارک میری ران کے اوپر تھی مجھے اپنی ران پر ناقابل برداشت بوجھ محسوس ہوا اور مجھے ایسا لگا جیسے میری ران چور چور ہو گئی، اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جب ایک کلمہ کا وزن حضرت زید بن ثابتؓ کو اتنا محسوس ہوا تو جس ذات قدسی پر پورا قرآن نازل ہوا اسے عام انسانوں سے کتنا امتیاز حاصل ہوگا۔ اور آپ نے کتنی شدت برداشت کی ہوگی۔ اور شدت وحی کا احساس صرف انسانوں ہی کو نہیں حیوانات کو بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی اور آپ اس وقت اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے وزن اور شدت سے وہ بھی اپنی گردن نیچے ڈال دیتی اور جب تک وحی کی آمد جاری رہتی اپنی گردن ہلا نہیں سکتی تھی پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ **انا سنلقی قولاً ثقیلاً** ہم آپ پر ایک وزنی کلام اتارنے والے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ **لو انزلنا هذا القران علیٰ جبل لرأیته خاشعاً متصدعاً من خشیة الله** . اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔ یہ ہے کلام الٰہی کی عظمت کہ اس کو نہ جانور اٹھا سکے نہ پہاڑ برداشت کر سکے۔

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ

سے منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیاں توریت کی عنایت ہوئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اندر ان کے اٹھانے کی طاقت نہ دیکھی حق تعالیٰ نے ایک ایک آیت اٹھانے کے واسطے ایک ایک فرشتہ بھیجا وہ بھی نہ اٹھا سکے اس کے بعد ایک ایک حرف کے واسطے ایک ایک فرشتہ بھیجا وہ بھی نہ اٹھا سکے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کو ثقل معنوی معلوم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب تمہارے لئے اس کا اٹھانا میں نے آسان کر دیا۔ تب اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لائے۔

غور فرمایئے! کلام الٰہی کی کتنی عظمت ہے کہ ایک ایک حرف کو ایک ایک فرشتہ بھی نہ اٹھا سکا یہ تو خدا کا فضل اور حضور اکرم ﷺ کا صدقہ ہے کہ قرآن مجید کو ہمارا چھوٹا سا بچہ یاد کر لیتا ہے۔ یہ صرف خدا کے آسان کر دینے کی وجہ سے ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر**. ہم نے قرآن پاک کو یاد کرنے اور سمجھنے کے لئے آسان کر دیا۔ ہے کوئی یاد کرنے والا اور سوچنے سمجھنے والا؟

کلام الٰہی کی عظمت کے پیش نظر ہمارے اسلاف قرآن پاک کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ مسند دارمی میں حضرت ابن ملیکہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عکرمہ ابن ابی جہل رضی اللہ عنہ ادب واحترام کے خیال سے قرآن کو اپنے چہرے پر رکھتے اور فرماتے۔ ھذا کتاب ربی۔ ھذا کتاب ربی، یہ میرے رب کی کتاب ہے۔ یہ میرے رب کی کتاب ہے۔ اسی لئے علماء نے اس کی تلاوت کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مسواک اور وضوء کرنے کے بعد کسی یکسوئی کی جگہ میں نہایت ادب سکون و تواضع کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھے، چوزانو ہو کر اور ٹیک لگا کر نہ بیٹھے قرآن کی عظمت دل میں رکھے اور یہ تصور کرے کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ پھر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ تلاوت کرے اگر معنی سمجھتا ہے تو تدبر و تفکر کے ساتھ آیات رحمت ومغفرت پر رحمت اور مغفرت کی دعاء مانگے اور عذاب اور وعیدوں کی آیات پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگے، اور آیات تقدیس وتنزیہ پر سبحان اللہ کہے۔ اور بوقت تلاوت رونے کی سعی وکوشش کرے۔ اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف روئے اور رونے والوں جیسی صورت بنائے، آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ رویا کرتے تھے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ جب قرآن کی تلاوت کرو تو رؤو۔ اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف رؤو۔ ایک دفعہ صالح مریؒ نے آنحضور ﷺ کو قرآن پاک سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **یا صالح ھذہ القراءۃ فاین البکاء**؟ اے صالح یہ تو قراءت ہوئی رونا کہاں گیا؟ اور ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ قرآن کو اس کی فصیح زبان میں قواعد تجوید کے ساتھ پڑھے قرآن کو صحت در تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ تجوید کلام الٰہی سے جدا نہیں ہو سکتی اگر قرآن مجید سے تجوید جدا ہو گئی تو قرآن مجید اپنی اصلی حیثیت پر باقی نہ رہے گا۔ اور اس طرح بے قاعدہ پڑھنے والا گنہگار ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

رب تال للقران و القران یلعنه. کتنے لوگ قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اسی لئے امام القراء والتجوید علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم

من لم یجود القران اثم

لانـــــه بــــه الالـــــه انـــزلا
وهـــكـــذا مــنـــه الينـــا وصــلا

یعنی تجوید کا حاصل کرنا اور قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے جس نے بے قاعدہ اور خلاف تجوید پڑھا وہ گنہگار ہے۔اس لئے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اسی طرح تجوید کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔لہذا قرآن کو تجوید اور قراءت کے ساتھ پڑھا جائے ،قراءت سے وہ قراءت مراد ہے جو تواتر سے منقول ہو جیسے سات مشہور قراءتیں جس کو قراءت کے سات اماموں نے اختیار کیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم ساتوں مشہور اور متواتر قراءتوں سے واقف ہوتے اور اپنی اولاد کو بھی واقف کراتے مگر افسوس صرف امام عاصمؒ کی قراءت بروایت امام حفصؒ کے سیکھنے کا بھی جیسا چاہئے اہتمام نہیں ہے اور عام طور پر غلط قرآن پڑھا جاتا ہے نہ مخارج کی ادائیگی کا خیال نہ صفات کی رعایت لحن جلی اور لحن خفی سے بھرپور ہوتا ہے کیا ایسا غلط قرآن پڑھنا اس نماز میں جائز ہوسکتا ہے جو امت کے ذمہ ایمان کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے بغیر اسلام کی بنیاد اور عمارت ہی منہدم ہو جاتی ہے۔فرمان نبوی ﷺ ہے والصلوٰة عماد الدین فمن اقامها اقام الدین ومن هدمها فقد هدم الدین او كما قال صلى الله عليه وسلم اس نماز کے ارکان میں سے ایک اہم رکن قرآن کی قراءت بھی ہے اور قراءت صحیح اسی وقت ہوسکتی ہے جب تجوید سے پڑھی جائے۔

اور ایک ادب یہ بھی ہے کہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھے، نبی کریم ﷺ خوش آوازی سے پڑھنے کو بہت پسند فرماتے تھے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔زینوا القران باصواتکم یعنی قرآن مجید کو اپنی آواز سے مزین کرو۔لیکن یہ خوش الحانی قراءت کے قوائد کے مطابق ہونا چاہئے جو لوگ تجوید کا لحاظ نہیں کرتے اور لہجوں کی مشق کسی قاری سے کئے بغیر آواز گھٹا بڑھا کر پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔اللہ ہمیں قرآن کے قدر کی توفیق عطا فرمادے اور امت میں اس کی تعلیم عام فرمادے اور اس پر عمل کی توفیق بخشے اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔آمین۔

فقط واللہ اعلم بالصواب وہوالہادی الی الصراط المستقیم۔

ختم قرآن کے لئے اعلان کرنا:

(سوال ۱۶) ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو مسجد میں بعد نماز یا قبرستان میں تدفین کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں فلاں نماز کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوگی اور یہ طریقہ کئی سالوں سے جاری ہے اور بعض مرتبہ امام مسجد کے نہ بیٹھنے پر ان کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور بعض مرتبہ اس اعلان کے علاوہ اعزاء واقرباء کو قران خوانی میں شرکت کی خصوصی طور پر دعوت دی جاتی ہے تو اس طریقہ سے اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنا جس سے اجتماعی التزام مترشح ہوتا ہے تداعی میں داخل ہو کر حسب ذیل امداد الفتاویٰ کے فتوی کا مصداق ہوگا یا نہیں؟

(سوال) سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقات معینہ قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

(الجواب) یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔فقط (امداد الفتاویٰ جلد اول باب الجنائز)

(الجواب) وہوالموفق للصواب۔ شامی میں اس قسم کی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق معراج الدرایہ سے نقل فرماتے ہیں ھذہ الا فعال کلھا للسمعة والریاء فیحترز عنھا لانھم لایریدون بھا وجه اللہ تعالیٰ یعنی یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے کیونکہ ایسے رواجی کاموں میں اخلاص وللٰہیت نہیں ہوتی۔

(شامی ج ۱ ص ۸۴۲ کتاب الجنائز مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اھل المیت)

شرح سفر السعادت میں ہے۔ وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسر گور ونہ غیر آں وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔ یعنی۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ وغیرہم سلف صالحین کی عادت نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے صلوٰۃ جنازہ دوسرے کسی موقع پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں نہ قبر پر اور نہ دیگر کسی مقام پر یہ تمام رواج ورسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۷۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

”جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے، یہ صورت مروجہ ٹھیک نہیں ہاں احباب خاص سے کہدیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچادیں (الیٰ قولہ) چاہے تین مرتبہ قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے (انفاس عیسیٰ ج ۱ ص ۲۱۵) لہٰذا آپ کے یہاں کا دستور خلاف سنت اور قابل ترک ہے اس کا اماموں کو پابند بنانا ظلم اور زیادتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کو مطالعہ کے لئے قرآن شریف دینا:

(سوال ۱۷) غیر مسلم اگر قرآن شریف مطالعہ کے لئے مانگے تو دینا جائز ہے یا نہیں؟ غیر مسلم بلا وضو قرآن شریف پکڑ سکتا ہے یا نہیں؟ وہ مکلّف بالاعمال نہیں کیا تب بھی اس کو غسل یا وضو کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن مجید کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی نہیں کرے گا تو اس کو قرآن مجید دینا جائز ہے، ممکن ہے کہ اس کو ہدایت نصیب ہو جائے مگر اس کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے ناپاکی کی حالت میں اس کو چھونا اس کی عظمت کے خلاف ہے، لہٰذا ناپاکی کی حالت ہو تو غسل کر کے ورنہ وضو کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے اس کو وضو اور غسل کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے، اس سے اس کے دل میں قرآن مجید کی عظمت پیدا ہوگی، انشاء اللہ۔ درمختار میں ہے ویمنع النصرانی (وفی بعض النسخ الکافر) من مسه وجوزہ محمد اذا اغتسل ولا بأس بتعلیمه القرآن والفقه عیسی یھتدی (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۶۴ مطلب یطلق الدعآء علی ما یشتمل الثنآء) غیر مسلم گو مکلّف بالاعمال نہیں ہے مگر قرآن مجید کو بے ادبی اور بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ہم پر ضروری ہے اسی بنا پر اگر بے حرمتی کا خطرہ ہو تو کافروں اور دشمنوں کے ملک میں قرآن شریف لے جانے سے حدیث شریف میں منع فرمایا ہے مبادا کہ ان کے قبضہ میں قرآن مجید آجائے

اور وہ اس کی بے حرمتی کریں (اگر بے حرمتی کا خطرہ نہ ہو تو ممنوع نہیں کہ علت نہیں پائی جارہی ہے) مسلم شریف میں ہے عن عبد الله بن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان ینهی ان یسا فر بالقرآن الی ارض العدو مخافة ان یناله العدو (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳۱ باب النہی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعه بایدیھم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بذریعۂ پارسل قرآن شریف بھیجنا:

(سوال ۱۸) بذریعۂ پارسل ڈاک سے قرآن مجید بھیجنا کیسا ہے؟ گناہ تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مجبوری اور ضرورت کی بنا پر پارسل کے ذریعہ قرآن شریف بھیجنا جائز ہے پوری احتیاط کے ساتھ پیکنگ کر کے بکس میں رکھ کر روانہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

توراۃ وانجیل کی اصلی زبان کیا ہے؟:

(سوال ۱۹) توراۃ اور انجیل کس زبان میں تھی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کتب سماویہ عربی زبان میں نازل ہوئیں۔ مگر صاحب کتاب (جس پر کتاب نازل ہوئی ہے) اپنی قوم کی زبان میں ترجمانی کرتے تھے۔ اس لئے تورات عبرانی زبان میں تھی۔ اور انجیل سریانی زبان میں ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۹۴ ج ۱) مصنف علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اشکال کا جواب:

(سوال ۲۰) احقر کے خیال ناقص میں فتاوی رحیمیہ ص ۲۸۴ ج ۲ میں جو حدیث (۱) ترمذی شریف کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس پر نظر ثانی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ شروح اربعہ ترمذی شریف شرح سراج احمد ص ۲۶۸ پر ہے وگفت ابن عبد اللہ ندیدم ہیچ کس را از صحابہ کہ بود مبغوض تر بسوی وے نو پیدا در اسلام یعنی از پدر من۔'' نیز ملاحظہ ہو'' تحفۃ الاحوذی'' ص ۲۰۴ جلد اول۔ فقط والسلام۔

(الجواب) فتاوی رحیمیہ جلد ثانی ص ۲۸۴ کی جس حدیث کے ترجمہ کے بارے میں حضرت والا نے نظر ثانی کی ضرورت بتلائی ہے۔ اس کے متعلق جناب کا بے حد ممنون ہوں آئندہ بھی مطالعہ میں جو بات قابل اصلاح معلوم ہو بلا تامل تحریر فرمائیں۔ مگر معاف فرمائیے واقعہ یہ ہے جو ترجمہ کیا گیا ہے وہی ٹھیک ہے کہ تمام صحابہ کو حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئی مبغوض نہ تھی۔ ضمیر غائب ''الحدث'' کی طرف راجع ہے اور قال ولم ار کا فاعل حضرت ابن مغفلؓ ہیں اور یعنی کوئی نیچے کا راوی تفسیر کر رہا ہے اور اس کا فاعل حضرت ابن مغفلؓ ہیں گویا یزید اپنے والد کے تین مقولے حدیث میں نقل کر رہے ہیں۔ اور حضرات نے بھی اس حدیث کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ کہ صحابہ کرام کے نزدیک حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئی مبغوض نہ تھی۔ نور المصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح مولفہ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ

(۱) یہ روایت عبداللہ بن مغفل کی ہے کہ آپ کے صاحب زادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ بالجھر پڑھی تو عبداللہ بن مغفل بولے میرے پیارے بیٹے یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہو الخ جدید ترتیب میں کتاب السنۃ والبدعۃ میں میلاد میں قیام کے عنوان سے دیکھے۔

شاہ صاحب محدث حیدرآبادی ملاحظہ ہو:۔ عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے سے روایت ہے۔ وہ کہتے کہ میرے والد عبداللہ بن مغفلؓ نے مجھ سے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سنا۔ تو کہا بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو۔ پھر کہا۔ میں نے اصحاب نبی ﷺ سے زیادہ کسی کو بدعت سے عداوت ونفرت کرتے ہوئے نہیں دیکھا الخ۔ (ج ۱ ص ۲۹۶)

''سبع سنابل'' فی تصریح المسائل مولفہ حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب محدث راندیری میں ہے۔ عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے فرمایا۔ کہ اے بیٹے بدعت ہے اس سے بچ۔ اور فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو۔ (ص ۱۶)

انوارالباری شرح صحیح البخاری اردو جلد اول مولفہ حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب مدظلہٗ (فاضل دیوبند) میں ہے:۔ امام ترمذی نے ترک بسم اللہ کا باب قائم کر کے حدیث یزید بن عبداللہ بن مغفلؓ روایت کی۔ کہ میں نے نماز میں الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھی۔ تو میرے والد نے فرمایا کہ بیٹا! یہ محدث و بدعت ہے۔ اور صحابۂ کرامؓ کو سب سے زیادہ مبغوض اسلام میں نئی باتوں کا پیدا کرنا تھا۔ (ص ۵۴ ج ۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:۔ ویمکن ان یکون مرجع الضمیر الحدث والغرض اظهار تقدیر من قبل الحدث ویکون تقدیر الکلام کان ابغض الیه شیئی من الحدث فی الا سلام والمقصود منه ان کلام ابن عبد الله لا یصح بظاهره اذا المقصود اظهار ا لبغضیة الحدیث فی الا سلام للصحا بة والذی یظهر من الکلام نقیضه لا نه یدل علی ان الحدث لم یکن مبغوضاً الیٰ اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فبین ان الحدث ههنا مفضل علیه والمقصود انهم لم یکن شئ ابغض الیهم من الحدث فی الا سلام وهذا لا یفیدارجحیة ابیه فی بغض الحدث بل یقتضی البغضیة الحدث بالنسبة الی سائر الا شیاء الی الصحابةرضی الله عنهم اجمعین افاده الشیخ الجلیل الجبر النبیل مولینا السید خلیل رحمه الله ۱۲ منه قلت هذه العبارة مکتوبةعلی هامش التقریر من کلام الشیخ مولانا خلیل احمد شارح ابی دائود اولها مکتوبة بید الشیخ وآخرها بیدو الذی المرحوم نور الله مرقدهما. ۱۲ (الکوکب الدری ص ۱۲۶ ج ۱)فقط و الله اعلم بالصواب.

حدیث، شہد میں چیز نہ ملائے اس کی تحقیق:

(سوال ۲۱) ایک آدمی نے کسی کتاب میں حدیث دیکھی کہ شہد میں کوئی چیز نہ ملائے، یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم شہد میں پانی ملاتے ہیں۔

(الجواب) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شہد، دودھ، گھی وغیرہ میں دوسری چیز ملا کر بیچنا جائز نہیں، یہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے برابر ہے، پینے کے لئے شہد میں پانی وغیرہ ملانا ممنوع نہیں ہے۔

لفظ ''علیٰ حرف'' کی تحقیق:

(سوال ۲۲) ماہنامہ ''الفرقان'' (لکھنؤ) ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کے شمارہ میں فتاویٰ رحیمیہ کی تقریظ (ریویو) میں لکھتے ہیں۔ کہ جلد دوم صفحہ چوبیس ۲۴ یہ روایت ابن عباس سے منقول ہے جدید ترتیب میں مفسدات صوم میں، چوپائے سے صحبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں۔ میں ابوداؤد کی ایک حدیث میں دو جگہ لفظ علی حرف کا ترجمہ چت لیٹنا کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کروٹ پر لیٹنا یہ ترجمہ صحیح ہے۔ اس بارے میں تفصیل مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ حدیث میں ''علی حرف'' کا ترجمہ اور مفہوم چت لیٹنے کا صحیح ہے۔ کروٹ پر لیٹنے کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ ابوداؤد میں دونوں جگہ بین السطور چت لیٹنے کی تفصیل ہے۔ ای طرف یعنی یجامعون علی طرف واحد ھی حالۃ الاستلقاء (چت لیٹنا) ابوداؤد کی مشہور اور مستند شرح بذل المجہود میں بھی چت لیٹنے کی تشریح ہے۔ '' ای علیٰ ھیئۃ واحدۃ ھی الا ستلقاء (چت لیٹنے کی حالت) ص ۵۱ ج ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبصرہ نگار الفرقان (لکھنؤ) کے اشکال کا جواب

استدراک:

الفرقان بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ مطابق مارچ کے عنوان ''نئی مطبوعات'' کے تحت تبصروں میں حضرت مولانا سید عبدالرحیم لاجپوری کے فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم میں منقول ایک حدیث: ۔ایک لفظ (علی حرف) کے ترجمہ سے اختلاف کیا گیا تھا۔ مولانا نے اس پر ہمیں تحریر فرمایا ہے۔ کہ سنن ابی داؤد میں جہاں یہ حدیث آئی ہے وہاں بین السطور میں اس لفظ کے وہی معنی بتائے گئے ہیں۔ جو ترجمہ میں انہوں نے اختیار فرمائے ہیں۔ نیز بذل المجہود شرح ابی داؤد میں بھی یہی تشریح ہے۔ تبصرہ نگار حضرت مولانا کا مشکور ہے کہ زمانہ طالب علمی سے ذہن میں پڑی ہوئی ایک غلط فہمی ان کی بدولت دور ہوگئی۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ۔

ایک حدیث کی تحقیق:

(سوال ۲۳) بعد سلام مسنون! گذارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک بدعتی عالم نے تبلیغی جماعت کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے اس کے آخر میں مسند دارمی کے حوالہ سے ایک حدیث لکھی ہے۔ اس حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔

حدیث یہ ہے۔'' نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ کچھ صحابہ کو یہ بات پسند آئی کہ مسجد میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں، چنانچہ ان حضرات نے مسجد میں حلقہ بنا کر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ وغیرہ تسبیحات پڑھنا شروع کیا اور تسبیحات گننے کے لئے کنکریاں استعمال فرمائیں، جب اس حقیقت کا علم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ہوا تو وہ دوڑے دوڑے مسجد میں تشریف لے گئے اور ناراض ہو کر فرمایا کہ تم نے یہ کیا حرکتیں شروع کر دی ہیں؟ ان لوگوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم کتنی جلد بربادی کے راستہ پر چلنے لگے حالانکہ نبی کریم ﷺ کا کفن مبارک میلا بھی نہیں ہوا ہے اور آپ ﷺ کے اصحاب بھی ہم میں موجود ہیں۔''

اس حدیث کونقل کر کے وہ استدلال کرتا ہے کہ آج کل موجودہ تبلیغی جماعت کی بدولت مسجد اب مسجد نہ رہی، کھانا پکانا، کھانا کھانا بستر اور دوسرے سامان کے ساتھ مسجد میں قیام پذیر ہونا آرام کرنا، سونا اور زندگی کے یہ تمام کام مسجد ہی میں انجام دیتے ہیں مسجد میں ایسی حرکتوں کے کرنے والوں کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیسی خفگی اور ناراضگی ظاہر فرمائی جو اوپر والی حدیث سے ظاہر ہے۔

اب حضرت والا سے اس سلسلہ میں یہ فتویٰ مطلوب ہے کہ مندرجہ بالا حدیث کے صحیح مصداق کون لوگ ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکور حدیث ثابت ہے، ازالۃ الخفاء وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہے، یہ لوگ اجتماعی طور پر عبادت کے لئے جمع ہوتے تھے اور اس ہیئت سے عبادت کرنے کا ثبوت نہیں تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو روک دیا۔ عبادت میں مخصوص کیفیات اور خصوصی طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شرع میں وارد نہیں ہیں۔ بدعت اور ناجائز ہے، امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:۔ ولان ذکر اللہ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت اوشیئ دون شیئ لم یکن مشروعا حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع (بحرالرائق ج۲ص۱۵۹) (الاعتصام ج ۱ص۲۴) اسی لئے نماز وتر بالجماعۃ غیر رمضان میں مشروع نہیں ہے اور اسی طرح نماز تہجد با جماعت ممنوع و مکروہ ہے، رہا تبلیغی جماعت کا مسجدوں میں حلقہ بنانا تو یہ تعلیم اور تبلیغ کے لئے ہے، محض عبادت نہیں ہے اس لئے وہ بعض قیود اور شرائط جو عبادت کے حق میں لازم ہیں وہ تعلیم اور تبلیغ کے لئے نہیں ہو سکتے، تعلیم وتبلیغ کے سلسلہ میں نسبۃً آزادی ہے اور سہولت مطلوب ہے تنہا تنہا پڑھائیں یا جماعت بنا کر پڑھائیں، صبح پڑھائیں، شام پڑھائیں یا شب کو سب درست ہے، اجتماعی عبادت کے لئے یہ آزادی نہیں ہے، مسجد کا احترام وادب سب کو لازم ہے، خارج مسجد آرام اور سونے کی جگہ نہ ہو تو مسافر اور تبلیغی جماعت والے بہ نیت اعتکاف مسجد میں سو سکتے ہیں، مگر مسجد میں کھانے پینے کی اجازت نہ ہوگی، تبلیغی جماعت اپنی اصلاح اور دین کی تبلیغ کے لئے نکلتی ہے یہ جماعت مسجدوں میں نہیں ٹھیرے گی تو کہاں ٹھیرے گی؟ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نجران نصاریٰ کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آیا اس وفد کے لوگ عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور وہ ان لوگوں کے نماز کا وقت تھا اس لئے ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے چاہا کہ ان کو اس طریقہ کی نماز سے روکیں مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑ دو پڑھنے دو، اس کے بعد انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے اپنے قاعدہ سے نماز ادا کی (زاد المعاد) (اصح السیر ج ص۴۲۳ ج ا ص۴۲۴)

لہذا تبلیغی جماعت پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے البتہ مسجد کے احترام کے خلاف ہوتا ہو تو محبت اور نرمی سے کہا جائے۔ اور ان کو بھی چاہئے کہ مسجد کا پورا احترام کریں دنیوی باتوں میں مشغول ہونے اور مسجد کو مسافر خانہ کے طور پر استعمال کرنے سے پورا احتراز کیا جائے ورنہ معصیت کے مرتکب ہوں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ۔

ما یتعلق بالانبیاء والاولیاء

(سوال ۲۴) اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے یا نہیں؟

(الجواب) بیشک کرامات اولیاء حق ہیں، قرآن مجید واحادیث سے ثابت ہیں۔ عقائد نسفی میں ہے "کرامات الاولیاء حق" (ص ۱۴۲)

مگر یہ بھی یاد رہے کہ شیطان کی شرارت بھی حق ہے اور بزرگان دین کی کرامت اور شیطان کی شرارت میں امتیاز کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں، شیطان کی شرارت کا ایک قصہ نقل کیا جاتا ہے، حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں چند دن کے لئے جنگل بیابان میں مقیم رہا، ایک روز شدت سے پیاس لگی تھی، میں پانی کی تلاش میں نکلا، مگر پانی نہ ملا، اسی اثناء میں کچھ بادل چھا گئے، کچھ بوندیں برسیں جن سے مجھے کچھ تسکین ہوئی، پھر ان بادلوں میں سے ایک روشنی نکلی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو گھیر لیا، اس روشنی میں سے ایک عجیب وغریب صورت نمودار ہوئی جو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں، میں تجھ پر تمام حرام چیزوں کو حلال کرتا ہوں۔ (اس لئے) جو چاہو کرو، کوئی باز پرس نہ ہوگی، میں نے کہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اے شیطان ملعون! راندۂ درگاہ! دور ہو اور بھاگ کیا بکتا ہے۔ میں نے جیسے ہی اعوذ باللہ پڑھی وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی، اندھیرا چھا گیا۔ وہ صورت غائب ہوگئی اور آواز آئی کہ اے عبدالقادر! شریعت مقدسہ کی واقفیت اور علمی بصیرت جو تمہیں حاصل ہے اور جو تقویٰ تمہیں میسر ہے کہ تم بیدار مغز عالم متقی ہو۔ اس دولت کی وجہ سے تم محفوظ رہ گئے اور مجھ سے نجات پا گئے ورنہ میں اس مقام پر تم جیسے ستر عبادت گذار زاہدوں اور صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ (البلاغ المبین ص ۳۴ حضرت شاہ ولی اللہ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بزرگان دین کی کرامت اور شیطان کی شرارت کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے، ہر تعجب خیز چیز کو کرامت سمجھ لینا اور اس کا معتقد ہو جانا بسا اوقات گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارکہ کی زیارت کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵) کیا غیر مقلدوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر ناجائز ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو بحوالہ کتب جواب دیجئے؟ اس بارے میں علماء دیوبند کا نظریہ کیا ہے؟ جائز مانتے ہیں یا ناجائز؟

(جواب) ہاں غیر مقلدین آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں ان کے مذہبی مقتدیٰ مولانا نورالحسن خاں صاحب کی کتاب "عرف الجادی" میں ہے "وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد یا غیر ایشاں آنست کہ دلیلے بر جواز آن از کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست واز سلف ثابت نشدہ" (ص ۲۵۷)

علمائے دیوبند کا نظریہ ایسا نہیں ہے، علمائے دیوبند کا اعتقاد یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے مزار مبارک کی

زیارت افضل المستحبات بلکہ قریب بواجب ہے، اور بڑی فضیلت اور اجر عظیم کا موجب ہے۔ علمائے دیوبند کے جلیل القدر عالم و بزرگ مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی ثم المدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قرابت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے ''عندنا وعند مشائخنا زیارة قبر سید المرسلین (روحی فداہ) من اعظم القربات واهم المندوبات وانجح لنیل الدرجات بل قریبة من الواجبات ''اور آگے چل کر فرماتے ہیں وینوی وقت الارتحال زیارته علیه الف الف تحیة وسلام وینوی معها زیارة مسجده صلی الله علیه وسلم وغیره من البقاع والشاهد الشریفة بل الاولی ما قال العلامة الهمام بن الهمام ان یجرد النیة لزیارة قبره علیه الصلوٰة والسلام ثم یحصل له اذا قدم زیارة المسجد لان فی ذلک زیارة تعظیمه واجلاله صلی الله علیه وسلم ویوا فقه قوله صلی الله علیه وسلم من جاء نی زائراً لا تحمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعاً له یوم القیامة .(ترجمہ) اور سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بلکہ بہتر وہ ہے جو علامہ ابن ھمام نے فرمایا کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں'' (التصدیقات ص ۵)

اور دوسرے جلیل القدر بزرگ و محدث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روضۂ پاک کی زیارت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہدایت فرماتے ہیں کہ ''جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔ (زبدۃ المناسک ''جدید'' ص ۱۱۳)

اور تیسرے بزرگ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ ''مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے...... اسی وجہ سے میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہے اور آنحضرت ﷺ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے، مسجد کی نیت خواہ وہ تبعاً کر لی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی جائے تا کہ لاتحملہ الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

مکتوب نمبر ۴۵ مکتوبات شیخ الاسلام (صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے متعلق:

(سوال ۲۶) حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ شریف جانے کے متعلق علمائے دیوبند کا کیا نظریہ ہے؟ سنا ہے کہ ناجائز اور شرک مانتے ہیں، لہٰذا تشریح کریں! مدینہ طیبہ جانے والا شخص حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت کرے یا مسجد نبوی کی؟ علمائے دیوبند کے نزدیک ''دونوں میں'' بہتر کیا ہے؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کو بڑی عظمت وشرف حاصل ہے اس لئے کہ آنحضور ﷺ کا جسم اطہر اس میں موجود ہے، یہی نہیں بلکہ آنحضرت بنفس نفیس باحیات اس میں تشریف فرما ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں باحیات ہیں آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے (ﷺ) (دیکھئے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتاب (الحبور ص ٦)

آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کا وہ حصہ جو آپ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے (دیکھئے حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی ثم المدنی مصنف براہین قاطعہ کی کتاب التصدیقات ص ٦ جس پر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ اشرف علی تھانویؒ اور مولانا عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہؒ وغیرہ سے بہت سے علمائے دیوبند کے دستخط موجود ہیں)

مختصر یہ کہ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی بزرگی عظمت اور احترام کے متعلق ہمارا اعتقاد وہی ہے جو حضرت امام تاج الدین سبکیؒ کا ہے کہ وہ کون سی جنت ہے جو آپ ﷺ کی قبر شریف سے افضل ہوگی؟ آپ ﷺ کی قبر مبارک جنت سے ہی نہیں بلکہ ہر مقام سے اعلیٰ وافضل ہے، اگر یہ کہا جائے کہ قبر مبارک کا جو حصہ آنحضرت ﷺ کی جسم اطہر سے متصل ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو بھی کسی مومن کو اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جو کچھ ہے وہ ذات اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ کے طفیل میں ہی ہے" تاج الدین سبکیؒ گفتہ است کدام جنت است کہ بر قبر شریف آنرا افضل نہند قبر شریف افضل است از تمامہ اما کن چہ ہشت وجہ جز آن وگفتہ است اگر آنرا بر عرش عظیم فضل نہند، نمی دانم ہیچ مومن صادق را کہ توقف کند دراں ہمہ طفیل شریف اوست" (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۸) الحاصل آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت افضل المستحبات ہے بلکہ قریب الواجب ہے، بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے خود حضرت رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی یعنی جو شخص باوجود وسعت پانے کے میری زیارت کیلئے نہ آیا اس نے میرے ساتھ بڑی بے مروتی برتی" اور فرمایا من زار قبری وجبت له شفاعتی یعنی جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لئے میری شفاعت ضروری ہے" اور فرمایا من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فحیاتی یعنی جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی" (مراقی الفلاح ص ۱۵۰ کتاب الحج فضل فی زیارۃ النبی ﷺ) (باب حرم المدینۃ حرمہا اللہ تعالیٰ مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۰۔۲۴۱)

لہذا جو شخص استطاعت ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ نہیں جائے گا وہ بڑے فضائل اور بہت سے برکات سے محروم رہے گا اور بدنصیب سمجھا جائے گا، اور از راہ انکار وہاں پر حاضری نہ دینا بدبختی، بدنصیبی اور سنگدلی کی دلیل ہے، عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔

دیوبندیوں کے جلیل القدر عالم اور بزرگ مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی ثم المدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے۔" عندنا وعند مشائخنا زیارة قبر سید المرسلین (روحی فداہ) من اعظم القربات واهم المندوبات وانجح لنیل الدرجات بل قریبة من الواجبات (التصدیقات ص ۵)

رہانیت کا سوال تو کتاب مذکورہ میں حضرت مولانا خلیل احمد تحریر فرماتے ہیں کہ ''سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی ﷺ اور دیگر مقامات مقدسہ وزیارت گاہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بہتر یہ ہے جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی زیارت ہو جائے گی اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضور ﷺ کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں'' وینوی وقت الارتحال زیارته علیه الف الف تحیةوسلام وینوی معها زیارة مسجده صلی الله علیه وسلم وغیره من البقاع والمشاهدالشریفة بل ا لا ولی ما قال العلامة الهمام ابن الهمام ان یجرد النیة لزیارة قبره علیه الصلوٰة والسلام ثم یحصل له اذا قدم زیارة المسجد لان فی ذلک زیادة تعظیمه واجلاله صلی الله علیه وسلم ویو افق قوله صلی الله علیه وسلم من جاء نی زائراً لا تحمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعاً له یوم القیامة (التصدیقات ص ۵)

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روضۂ پاک کی زیارت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہدایت فرماتے ہیں کہ ''جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔ (زبدۃ المناسک ''جدید'' ص ۱۱۳)

اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ''مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ کے توسل کے غرض سے ہونی چاہئے۔'' (مکاتیب شیخ الاسلام ص ۱۳۰۔۱۲۹ ج ا مکتوب نمبر ۴۵ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضور ﷺ کے موئے مبارک کا وجود:

(سوال ۲۷) یہ مشہور ہے کہ اکثر بڑے شہروں میں اور دیہات میں حضور پرنور ﷺ کے موئے مبارک ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ اور کیا اس کی تعظیم کی جائے؟

(الجواب) حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے موئے مبارک صحابہ کرام کو تقسیم فرماتے تھے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے۔ فان النبی صلی الله علیه وسلم حلق راسه واعطیٰ نصفه لا بی طلحة ونصفه قسمه بین الناس! تو اگر کسی کے پاس ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ اگر اس کی صحیح اور قابل اعتماد سند ہو تو اس کی تعظیم کی جائے۔ اگر سند نہ ہو اور مصنوعی ہونے کا بھی یقین نہیں تو خاموشی اختیار کی جائے نہ اس کی تصدیق کرے اور نہ جھٹلائے۔ نہ تعظیم کرے اور نہ اہانت کرے۔ فقط۔

حضور ﷺ کے بال مبارک کی زیارت کی جائے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸) ایک جگہ حضور ﷺ کے موئے مبارک ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول کو اس کو زیارت مقرر کی گئی ہے۔ دور دراز سے لوگ آتے ہیں۔ ۱۳۔۱۴ تاریخیں عورتوں کے لئے متعین ہیں تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) بے شک! موئے مبارک اور تبرکات نبویہ موجب خیر و برکت ہیں اور اس کی زیارت سے اجر و ثواب ملتا ہے۔ لیکن اس میں غلو اور زیادتی کی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حد سے بڑھ جانا چاہئے اعتقاد میں ہو خواہ عمل میں، بہت برا اور سبب عذاب ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے "حجر اسود" کو خطاب کر کے فرمایا کہ بے شک تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع بخش ہے اور نہ ضرر رساں! اور آپؓ نے اس درخت کو جس کے تعریف وفضیلت قرآن شریف میں ہے۔ اس لئے کٹوادیا کہ لوگ اس کی زیارت میں حد سے زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔ اسی طرح آپؓ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے۔ وہاں لوگوں کو اہتمام کے ساتھ نماز کو جاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا اور فرمایا کہ تم سے اگلے بھی اسی طرح انبیاء کے آثار کی پیروی کرنے کی وجہ سے برباد ہو گئے۔ (البلاغ المبین ص ۷)

اسی طرح تبرکات کی زیارت کا بھی اہتمام ہوتا ہے، دور دراز سے لوگ آتے ہیں بے نمازی، فاسق، فاجر اور بے پردہ عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ بے حیائی اور بے شرمی کی بھرپور نمائش ہوتی ہے۔ اس میں اعتقادی اور عملی بے شمار خرابیاں ہیں۔ لہذا طریقۂ مذکور کو ترک کرنا ضروری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانہ کی عورتوں کے متعلق فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں جانے سے منع فرماتے (حدیث)

تبرکات سے برکات حاصل کرنے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ بلا تعیین تاریخ اور بلا اہتمام اجتماع جب دل چاہے زیارت کرے کرائے! بخاری شریف میں ہے:۔

عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال دخلت على ام سلمة رضى الله عنها فاخرجت الينا شعرا من شعر النبى صلى الله عليه وسلم مخضوباً.

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہبؒ نے بیان کیا کہ میں ام سلمہؓ کے یہاں گیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ایک موئے مبارک نکالا جس پر خضاب کا اثر تھا (ج ۲ ص ۸۷۵ پ ۲۴ کتاب اللباس، باب مایذکر فی الشیب)

وفى رواية عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال ارسلنى اهلى الىٰ ام سلمة رضى الله عنها بقدح من ماء وقبض اسرائيل ثلث اصابع من قصة فيه شعر من شعر النبى صلى الله عليه وسلم وكان اذا اصاب الا نسان عين اوشيى بعث اليها مخضبةً فى الجلجل فرايت شعرات حمرا (بخارى شريف ص ۸۷۵ ايضاً)

دستور تھا کہ جب کسی کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہو جاتی تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیا جاتا۔ آپ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ موئے مبارک تھے۔ ان کو چاندی کی نلکی میں محفوظ کر رکھا تھا پانی میں اس نلکی کو ڈال دیتے تھی اور وہ پانی مریض کو پلایا جاتا تھا۔ کبھی یہ کرتے کہ بڑے ٹپ میں پانی بھر کر مریض کو بٹھاتے اور اس ٹب کے پانی میں یہ نلکی ڈال دیتے تھے۔ (قسطلانی شرح بخاری ج ۸ ص ۳۸۲)

راوی حدیث حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان بالوں کو دیکھا یہ سرخ تھے۔ (خضاب کی وجہ سے)

مسلم شریف میں ہے:۔

فقالت هذه جبة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخرجت جبة طيالسة كسروانية لها لبنة ديباج وفرجيها مكفوفين بالديباج فقالت هذه كانت عند عائشة رضی الله عنها حتى قبضت فلما قبضت قبضتها وكان النبى صلى الله عليه وسلم يلبسها فنحن نغسلها للمرضى نستشفى بها .

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جبہ طیالسانی کسروی نکالا جس کے گریبان اور دونوں چاکوں پر ریشم کیس سجاف (حاشیہ، کناری) لگی تھی۔ اور فرمایا کہ یہ رسول خدا ﷺ کا جبہ مبارک ہے جو حضرت عائشہ کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میرے پاس آیا، آنحضرت ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے ہم اسے پانی میں دھو کر وہ پانی اپنے بیماروں کو بغرض شفاء پلا دیا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۰ کتاب اللباس والزینۃ باب تحرم استعمال انآء الذھب والفضۃ علی الرجال الخ)

عن ام عطيه قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نغسل ابنته فقال اغسلنها ثلاثا اوخمسا اواكثر من ذلك بماء وسدر وا جعلن فى الاخرة كا فوراً فاذا فرغتن فاذنني فلما فرغنا آذناه فالقى الينا حقوة فقال اشعر نها اياه!

حاصل حدیث یہ ہے کہ حضرت ام عطیہؓ حضرت زینب بنت رسول خدا ﷺ کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا تہبند ہمارے پاس بھیجا تا کہ اس کو میت کے جسم سے لگتا ہوا پہنایا جائے (تا کہ اس کی برکت سے متمتع ہوں) (بخاری شریف ص اص ۱۶۸ پ ۵ کتاب الجنائز باب کیف الاشعار للمیت) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ لفظ ''سیدنا'' بولنا:

(سوال ۲۹) آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ''سیدنا'' کا لفظ بولنا بدعت ہے یا نہیں؟

(الجواب) حدیث شریف میں ہے کہ ''انا سید ولد ادم ولا فخر'' لہذ الفظ ''سیدنا بولنا بدعت نہیں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدینہ منورہ جانے کا اصلی مقصد کیا ہے؟:

(سوال ۳۰) مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً وکرامۃ) کی حاضری آنحضرت ﷺ کی زیارت کی غرض سے ہونی چاہئے یا مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے؟ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ'' کا مشہور مسلک ہے۔

(الجواب) مدینہ طیبہ کی حاضری آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نیت سے ہونی چاہئے یہی افضل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے گو شد رحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے۔ اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات وزیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے۔ بہتر یہ ہے جو علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد

نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔ اور ایسا ہی عارف ملا جامی سے منقول ہے کہ انہوں نے زیارت کے لئے حج سے علیحدہ سفر کیا اور یہی طرز مذہب عشاق سے زیادہ ملتا ہے۔ اب رہا وہابیہ کا یہ کہنا کہ مدینہ منورہ کی جانب سفر کرنے والے کو صرف مسجد نبوی کی نیت کرنی چاہئے اور اس قول پر اس حدیث کو دلیل لانا کہ کجاوے نہ کسے جاویں مگر تین مسجدوں کی جانب۔" سو یہ قول مردود ہے اس لئے کہ حدیث کہیں بھی لغت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ صاحب فہم اگر غور کرے تو یہی حدیث بدلالۃ النص جواز پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ جو علت سہ مساجد کے دیگر مسجدوں اور مقامات سے مستثنیٰ ہونے کی قرار پائی ہے وہ ان مساجد کی فضیلت ہی تو ہے اور یہ فضیلت زیادتی کے ساتھ بقعہ شریف میں موجود ہے اس لئے کہ وہ حصۂ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضائے مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ وعرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ چنانچہ ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور جب فضیلت خاصہ کی وجہ سے تین مسجدیں عموم نہی سے مستثنیٰ ہو گئیں تو بدرجہا اولیٰ ہے کہ بقعہ مبارکہ فضیلت عامہ کے سبب مستثنیٰ ہو۔

ہمارے بیان کے موافق بلکہ اس سے بھی زیادہ بسط کے ساتھ اس مسئلہ کی تصریح ہمارے شیخ العلماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ زبدۃ المناسک کی فصل زیارت مدینہ منورہ میں فرمائی ہے جو بارہا طبع ہو چکا ہے۔ نیز اس مبحث میں ہمارے شیخ المشائخ مفتی صدر الدین دہلوی قدس سرہ کا ایک رسالہ تصنیف کیا ہوا ہے جس میں مولانا نے وہابیہ اور ان کے موافقین پر قیامت ڈھادی اور بیخ کن دلائل ذکر فرمائے ہیں اس کا نام ہے احسن المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال ! وہ طبع ہو کر مشتہر ہو چکا ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم (التصدیقات لدفع التلبیسات معروف بمہند ص ۵-۶-۷)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہٗ اللہ تعالیٰ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارے میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے۔ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین وشہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دینوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قویٰ تر ہے۔ آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری ہے کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہئے اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسجد کی نیت خواہ تبعاً کر لی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ "لا تحمله حاجة الا زيارتي" والی روایت پر عمل ہو جائے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب ۴۵ ج ۱ ص ۱۲۹-۱۳۰)

آپ ﷺ کے دست اقدس کو حضرت رفاعیؒ نے بوسہ دیا:

(سوال ۳) حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ مدینہ تشریف لے گئے اور آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کی تو سرور کائنات ﷺ کا دست مبارک نمودار ہوا اور حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ نے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ یہ حقیقت کہاں تک سچی ہے۔ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''شرف مختم'' میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحاق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعی کے ساتھ سفر حج میں تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدی (اے نانا جان! آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا۔ حضرت سید احمد رفاعی پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کئے اور شدت شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

یعنی! اے نانا جان! حالت بُعد میں اپنی روح کو حضور ﷺ میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی۔ اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک دیجئے تاکہ میرا لب اس کے بوسہ سے مشرف ہو جائے! پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی۔ اور سید رفاعیؒ نے اس کا بوسہ لیا۔ (مجمع البحور ص ۱۸۶)

اس عظیم الشان واقعہ کی تفصیل بالسند کتب معتبرہ میں نقل کی گئی ہے شک وشبہ کی ضرورت نہیں۔ اولیاء اللہ سے کرامت کا ظاہر ہونا، عقل اور نقل دونوں طریقہ سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اصل فعل باری تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ بندہ کو اس کے ظہور کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اس طرح بارگاہ رب العزت میں اس کے تقرب اور اس کی مقبولیت کی شہادت مہیا کی جاتی ہے۔

مرغی کا بیضہ چاروں طرف سے قلعہ کی طرح بند ہوتا ہے۔ اس میں ذرا بھی سوراخ نہیں ہوتا مگر پھر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی بند قلعہ سے اچانک ایک بچہ نکل آتا ہے جو بہت کمزور ہوتا ہے۔ اگر قادر ذوالجلال کی یہی قدرت کارفرما ہو اور نبی کریم ﷺ کا دست مبارک (جن کی حیات مسلمہ حقیقت ہے) قبر شریف سے باہر نکلے تو اس میں خلاف عقل کیا بات ہے؟ البتہ خلاف عادت ضرور ہے۔ اسی لئے اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام رحمہم اللہ سے جو باتیں ظاہر ہوں وہ کرامت کہلاتی ہیں۔ مگر ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا

معجزہ ہوتا ہے جس کا یہ امتی ہے اور جن کی اتباع اور پیروی کے صلہ میں اس کو یہ کمال حاصل ہوا ہے۔ اس طرح پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ بھی کرامتیں ہیں جن کو حسی کرامت کہا جاتا ہے (یعنی جو آنکھوں سے نظر آئیں) یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً حسی کرامتوں ہی کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ مگر اہل کمال کے نزدیک ''کرامت معنوی'' کمال ہے، یعنی شریعت مصطفوی ﷺ پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر ایک موقع پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول ﷺ کی مکمل اتباع اس کا شوق اور اس کی لگن اور دل سے توجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ کہ ایک دم اور ایک سانس بھی غفلت میں نہ گذرے۔ حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ:۔

مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا۔ آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ کی توجہ و دعا سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی۔ آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی۔ حضرت امام ربانیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھا لاؤ۔ آپ نے مسواک کو زمین پر پٹک دیا اسی وقت زمین ساکن ہو گئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی۔ اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آ گئی اور اگر فقیر دعا کرے تو انشاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہو جائیں۔ لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین) سے اور اپنی اس کرامت سے کہ دعا سے سرہند شریف کے تمام مردہ زندہ ہو جائیں) اثناء وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔ (دیباچہ درلا ثانی شاہ محمد ہدایت علی جیپوری ج ۳ ص ۶۔۷)

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ کامل متقی اور متبع سنت اور بدعت کے سخت دشمن تھے۔ آپ کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا کی تلاش رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ کرو۔ (البنیان المشید ص ۴) اور اس محمدی ﷺ طریقہ کی اساس کو سنت کو زندہ کر کے اور بدعات کو مٹا کر مضبوط کرو۔ (ایضاً ص ۸)

کرامت اتباع سنت کا ثمرہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور اور ہر ایک کمال آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کی شریعت کی تابعداری ہی پر موقوف ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۳۵)

لہٰذا طریقہ سنت کی اتباع کے بغیر جو کوئی بھی تعجب کی بات دیکھنے میں آئے وہ ہرگز کرامت نہیں استدراج اور شیطانی حرکت ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو ہوا پر مربعاً چوکڑی مار کر آلتی پالٹی لگا کر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو تو جب تک تم امتحان نہ کر لو کہ احکام اسلام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے، ہرگز اس کو نظر میں نہ لاؤ۔

حضرت بسطامیؒ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ شیطان تو ایک جھپک میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ لعنۃ اللہ میں گرفتار ہے۔ (بصائر العشائر ص ۶۱۲)

پیشواء طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ واصل الی اللہ ہونے کی بے شمار طریقے اور راستے ہیں مگر مخلوق کے لئے تمام راستے بند ہیں۔ اس کے لئے صرف وہی راستہ کھلا ہوا ہے جو اتباع رسول اللہ ﷺ کی شاہراہ ہے۔

حضرت ابوحفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ جو اہل طریقت میں بڑے بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اقوال، حالات اور امور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی میزان میں نہیں تولے اور خواہشات نفس کو برا نہ سمجھا تو اس کو بزرگوں کی فہرست میں داخل نہ کرو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔ اے فرزند! آنچہ فردا بکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ، احوال ومواجید علوم ومعارف واشارات ورموز اگر باآں متابعت جمع شوند فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست۔

یعنی اے فرزند جو چیز کل کو (قیامت میں) کارآمد ہوگی، وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے۔ درویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم ومعارف، صوفیانہ رموز واشارات اگر آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں تو بے شک بہت بہتر ہیں؟ اور اگر یہ باتیں پابندی شریعت اور اتباع سنت کے جوہر کے بغیر ہوں تو خرابی اور استدراج کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۸۵ مطبع مرتضوی دہلی)

اور فرمایا۔ باوجود مخالفت شریعت اگر چہ برابر سر موئے باشد اگر بالفرض احوال ومواجید دست دہد داخل استدراج است آخر اور ارسوا خواہند ساخت۔ خلاصی بے اتباع محبوب رب العالمین علیہ وعلی الہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ممکن نیست۔ (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۰۰) یعنی شریعت کے خلاف کرنے کے باوجود چاہے وہ بال برابر ہی ہو، اگر مان لو کہ احوال اور کوائف حاصل ہوجاویں تو وہ سب استدراج شمار ہوں گے، کار پردازان قضاوقدر آخر کار اس کو شرمندہ اور ذلیل کریں گے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کی اتباع کے بغیر خلاصی اور نجات ممکن نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۰۰)

اس زمانہ میں پیرزادے یا ایسے لوگ جن سے کوئی تعجب خیز بات ظاہر ہوئی ہو، غوث، قطب یا پیر تسلیم کر لئے جاتے ہیں، چاہے ان کے عقائد واعمال کتنے ہی خلاف شرع ہوں چاہے وہ داڑھی منڈے اور سینما کے ایکٹر ہوں (انا اللہ الخ) یہ کتنی بڑی گمراہی ہے حق تعالیٰ فہم سلیم وتوفیق صحیح نصیب فرمائے۔ آمین۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جس نے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کے خلاف کوئی راستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

سعدی! یہ گمان کرنا کہ پیغمبر ﷺ کی تابعداری کے بغیر راہ راست حاصل ہوجائے گا فقط۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

کیا آنحضرت ﷺ بشر نہ تھے؟:

(سوال ۳۲) بریلوی رضاخانی مولویوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول خدا ﷺ بشر یعنی انسان نہ تھے اور کہتے ہیں کہ جو لوگ آپ کی بشریت کے قائل ہیں یعنی آپ کو بشر مانتے ہیں وہ لوگ (معاذ اللہ) کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ لہٰذا خلاصہ فرمائیے۔

(الجواب) حضرت رسول مقبول ﷺ اور دیگر انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا بشر (انسان) ہونا قطعی ہے۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اس کا منکر نص قرآنی واحادیث کا منکر ہے۔

ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ تیرہ سو برس پہلے اپنی امت کو جو ضروری پیغام دے گئے تھے کہ تم لوگ مجھ کو حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھا دیا تھا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو! (بخاری ومسلم)

افسوس اس پیغام کی نقیض کا یہ ایک نمونہ ہے کہ اہل بدعت آنحضرت ﷺ کی بشریت ہی کے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ آپ ﷺ کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے خود آنحضرت ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بشر کہیں تا کہ آنحضرت ﷺ کی حقیقت بشریہ کا امت کو علم ہوجائے اور وہ عیسائیوں کی طرح آپ کو الوہیت میں داخل کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہوں!

(۱) حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **قل سبحان ربی هل كنت الا بشراً رسولاً** یعنی (اے رسول مقبول) آپ کہہ دو کہ سبحان اللہ! میں صرف بشر رسول ہوں (سورۂ بنی اسرائیل)

(۲) سورۂ کہف وحم سجدہ میں ہے: **قل انما انا بشر مثلكم الآية** ۔یعنی (اے رسول مقبول) آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم جیسا بشر ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی طرح سابق انبیاء نے بھی اپنی قوم کو اسی طرح جوابات دیئے تھے۔ مثلاً ارشاد خداوندی ہے۔ **قالت رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم**، یعنی ان کے پیغمبروں نے کہا کہ ہم بھی تم جیسے ہی بشر ہیں مگر خدائے تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسے (نبوت سے) سرفراز کرتا ہے۔ (سورۂ ابراہیمؑ)

حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اللهم انما انا بشر اغضب كما يغضبون فايما رجل اذيتها وشتمته او لعنته فجعلها له صلوٰة وزكوٰة وقربة تقربه بها اليك ! الٰہی میں ایک بشر (انسان) ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے جیسا کہ اور انسانوں کو غصہ آتا ہے تو جس کسی مسلمان کو (بغلبۂ بشریت) میں تکلیف پہنچاؤں یا اسے برا بھلا کہہ دوں یا اس کے لئے بددعا کروں تو ان سب کو اس کے حق میں رحمت اور سبب تزکیہ اور قربت کا ذریعہ بنادیجیو (جس سے آپ اس کو

اپنا مقرب بنالیں) اور حدیث شریف میں ہے۔ عن أم سلمة زوج النبی صلی الله علیه وسلم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سمع خصومة بباب حجرته فخرج الیهم فقال انما انا بشر و انه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه قد صدق و اقضیٰ له بذالک فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیأ خذها او فلیتر کها .

یعنی حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ دو فریق اپنا جھگڑا لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (انما انا بشر) میں ایک بشر ہی ہوں میرے پاس لوگ اپنا جھگڑا (مقدمہ) لے کر آتے ہیں ممکن ہے کہ ایک فریق اپنے دلائل صفائی سے پیش کرنے میں چالاک اور چرب زبان ہو میں سمجھ جاؤں کہ اس نے سچ کہا ہے اور اس بنا پر میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں (مگر یاد رکھو) اس طریقہ سے جس کو بھی لاعلمی میں دوسرے کا حق دلوادوں تو وہ (اس کے لئے حلال نہیں بلکہ) جہنم کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے تو وہ اس کو لے لے یا اس کو چھوڑ دے۔

(ابواب المظالم والقصاص باب اثم من خاصم فی باطل وهو بعلمه صحیح بخاری پ ۹ ج ۱ ص ۳۳۲ اور پ ۲۹ ج ۲ ص ۱۰۶۲) عینی شرح بخار ج ۱ ص ۲۵۷ شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۸۷)

اور ایک روایت میں ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قدم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة وهم یؤ برون النخل فقال ما تصنعون قالوا کنا نصنعه قال لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرا فترکوه فنقصت قال فذکروا ذالک له فقال انما انا بشر اذاامر تکم بشی من امر دینکم فخذوا به واذا امر تکم بشئی من رأی فانما انا بشر . رواه مسلم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

حضرت رافع خدیج سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے لوگ کھجور کی تابیر کیا کرتے تھے (یعنی اس تصور کی بنا پر کہ کھجوروں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں، ایک کا قلم دوسرے میں لگاتے تھے) آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ حضرات انصار نے جواب دیا کہ یہی طریقہ ہے اور ایسے ہی ہم کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ایسا نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ حضرات انصار نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ (مگر) اس سال کھجور کی پیداوار کم ہوئی، راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''انما انا بشر'' میں ایک بشر ہی ہوں۔ جب میں دین کے معاملہ میں کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لو اور اس پر عمل کرو (وہ من جناب اللہ ہوگا) اور جب میں اپنی رائے سے کوئی بات بتاؤں تو میں ایک بشر ہی ہوں (اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے اور اس میں آپ حضرات کو بھی رائے دینے کا حق ہے۔)

حضرت زید بن ارقمؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:۔

قال قام رسول الله صلی الله علیه وسلم فینا خطیباً بماء یدعیٰ خما بین مکة والمدینة فحمد الله واثنی علیه ووعظ وذکر ثم قال اما بعد الا یایها الناس فانما انا بشر یو شک ان یأتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم ثقلین الخ (مسلم شریف باب من فضائل علی بن أبی طالب

رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۲۷۹)

یعنی آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر ''غدیر خم'' کے پاس پہنچ کر یہ خطبہ دیا۔ امابعد! لوگو! سن لو میں بھی ایک بشر ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کو لبیک کہدوں۔ میں تمہارے درمیان دواہم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں الخ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۹)

آنحضرت ﷺ کو کئی مرتبہ نماز میں سہو ہوگیا۔ آپ نے فرمایا (ﷺ) انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نیست فذکرونی. یعنی میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں میں بھول جاؤں تو یاد دلایا کرو۔ الحدیث۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔ عن عائشة رضی اللہ عنها قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یخصف نعله ویخیط ثوبه ویعمل فی بیته کما یعمل احد کم فی بیته وقالت کان بشرا من البشر. (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۲۰ باب فی اخلاقہ　　وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے سی لیتے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے تھے جیسے تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ حضرت عائشہؓ نے مزید فرمایا۔ کان بشر امن البشر یعنی آنحضرت ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے (گھر کے کاموں میں اسی کا ظہور ہوتا تھا)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے برادر محمد ﷺ با آں علوشاں بشر بود وبہ داغ حدوث و امکان مقسم۔ یعنی اے برادر! حضرت محمد ﷺ عالی شان ہستی ہونے کے باوجود بشر تھے حدوث وامکان سے داغدار تھے۔ (مکتوب نمبر ۱۰۳ ص ۱۷۷)

دوسرے ایک مکتوب میں انبیاء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ خود را بشر مثل سائر بشر می گفتند!

یعنی انبیاء علیہم السلام دوسرے انسانوں کی طرح اپنے آپ کو بشر کہتے تھے (مکتوب نمبر ۱۶۷ ج ا ص ۱۷۱)

اور مصنف ''قصیدہ بردہ'' فرماتے ہیں۔ فمبلغ العلم فیه انه بشر وانه خیر خلق اللہ کلهم. آنحضرت ﷺ کے متعلق ہمارے علم کی آخری پرواز (پہنچ) یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور آپ خدا کی ساری مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ (قصیدہ بردہ)

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

شیخ ابن ہمامؒ (علم عقائد کے امام) فرماتے ہیں۔ ان النبی انسان بعثه اللہ بتبلیغ ما اوحی الیه (مسامرہ ص ۱۹۸) یعنی بے شک نبی انسان ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اس لئے مبعوث فرماتے ہیں کہ انؑ کو جو کچھ وحی سے بتایا جائے اس کی تبلیغ کریں۔

ان آیات۔ احادیث اور اقوال بزرگان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بے شک بشر اور انسان تھے۔ لہذا آنحضرت ﷺ کی بشریت کے قائل کو کافر سمجھنا، کافر کہنا اور خارج از اسلام بتانا قطعاً غلط اور باطل ہے بلکہ مفتی بغداد علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادیؒ نے اپنی مشہور کتاب تفسیر روح المعانی میں ایک فتویٰ نقل کیا ہے

جس میں اس کو کافر قرار دیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کی بشریت کا انکار کرے۔

وقد سئل الشیخ ولی الدین العراقی هل العلم یکونه صلی الله علیه وسلم بشراً من العرب شرطٌ فی صحة الا یمان او من فروض کفایة فاجاب انه شرط فی صحة الایمان ثم قال فلوقال شخص او من برسالة محمد صلی الله علیه وسلم الی جمیع الخلق لکن لا ادری هل هو من البشر او من الملائکة اومن الجن او لا ادری هل هو من العرب او من العجم فلا شک فی کفره لتکذیبه القران.

یعنی حضرت شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا صحت ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بشر جانے۔ یا یہ جاننا فرض کفایہ ہے کہ بعض کا جان لینا کافی ہو جائے گا؟ تو جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کو بشر جاننا اور سمجھنا صحت ایمان اور شرائط اسلام میں سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص یوں کہدے کہ میں ایمان لایا آنحضرت ﷺ کی رسالت پر اور آپ ہی تمام مخلوق کے نبی ہیں مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ آپ ﷺ بشر تھے یا ملائکہ میں سے تھے یا جنوں میں سے تھے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس نے قرآن کو جھٹلایا۔

(تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۱ پ ۴ قاله رحمه الله تعالیٰ فی تفسیر لقد من الله علی المؤمنین اذبعث فیهم رسولاً الخ رقم الایة ۱۶۴)

غرض یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بشریت کے بارے میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں مگر یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آپ ﷺ صرف بشر ہونے میں دوسرے انسانوں کی طرح تھے نہ کہ تمام صفات وکمالات میں!

چہ نسبت خاک را باعالم پاک!

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی مثال انسانوں میں ایسی ہے جیسے پتھروں میں یاقوت؛ یاقوت ذات کے اعتبار سے پتھر ہے مگر یاقوت اور دوسرے پتھروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ" **بشر لا کالبشر ولکن کالیاقوت بین الحجر** " آپ ﷺ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں ہیں بلکہ آپ انسانوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوا کرتا ہے کہ جنس کے اعتبار سے تو وہ بھی پتھر ہی ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہے یاقوت میں اور دوسرے پتھروں میں! واقعی سچی بات ہے۔

گفتہ اینک مابشر ایناں بشر
ماوایشاں بستۂ خوابیم وخور
این نداستند ایشاں ازعمی
درمیان فرقے بود بے منتہا

(ایواء الیتامی ص ۲۶)

آنحضرت ﷺ بشر ہی ہیں مگر مجموعۂ بشر سے عالی مرتبت افضل واکمل اور اقدس واطہر ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو سند نبوت واکرام۔ سے نوازا اور وہ باطنی، ظاہری، دنیوی، اخروی خوبیاں، محاسن اور کمالات عطا فرمائے جو کسی بھی

انسان کے لئے ممکن نہیں اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ آپ کو عطا فرمایا وہ کسی بھی نبی، ولی یا ملک مقرب کو عطا نہیں ہوا۔ جبرائیل امینؑ نے بھی شب معراج میں ایک خاص مقام پر آ کر اپنی عاجزی کا اعتراف کرلیا۔

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

بہر حال جس طرح آپ ﷺ کو بشر ماننا جزو ایمان ہے۔ایسے ہی آپ ﷺ کی بشریت کو ہر بشر سے بالا اور مقدس ماننا بھی ضروری ہے۔حتیٰ کہ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بول و براز ناپاک نہیں ہوتا تھا۔ پسینے کی خوشبو مشک وعنبر سے بہتر ہوتی تھی۔علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کا سایہ نہیں پڑ سکتا تھا۔واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

''فرمان مصطفوی'' نامی ہینڈ بل (اشتہار) غلط ہے!:

(سوال ۳۳) کچھ دن ہوئے میرے نام بغیر نام و پتہ کے کچھ کاغذ آئے ہیں، جس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص کو حضور ﷺ نے خواب میں بشارت دی ہے کہ مسلمانوں کو کہہ دو نماز پڑھیں، قیامت آنے والی ہے۔''اس مضمون کو نقل کر کے دس آدمیوں کو پہنچاؤ گے تو تجھ کو بہت نفع ہوگا ورنہ نقصان ہوگا۔ایک شخص نے ایسا کیا تو پندرہ ہزار روپے ملے۔اور ایک شخص نے اس طرح پرچے نہ لکھے تو اس کا لڑکا مر گیا۔بہت سے لوگ اس طرح سے) خط لکھتے ہیں تو ایسے خطوط لکھنا اور ایسا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ اسی طرح ''فرمان مصطفوی'' والا اشتہار وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے، جو اس وقت خط کے ساتھ ارسال خدمت ہے۔

(الجواب) ''فرمان مصطفویؐ'' نامی یہ اشتہار اور وصیت نامہ بالکل مصنوعی اور بناوٹی (جعلی) ہے۔کسی چالاک مخالف اسلام (یہودی یا کسی اور دشمن اسلام) کا یہ ایک پینترہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرے اور ان کے اعتقاد کمزور کرے کہ جب وصیت نامہ میں لکھنے کے مطابق واقعات نہ ہوں گے (جیسا کہ ۱۳۸۰ھ میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور خروج دجال وغیرہ) تو مسلمانوں کے عقائد ڈانواڈول ہو جائیں گے۔اور آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشگوئیوں سے بھی وثوق اور بھروسہ اٹھ جائے گا بلکہ آپ ﷺ کے نبی ہونے میں بھی شک وشبہ کرنے لگیں گے اس چیز کو بھولے بھالے مسلمان نہیں سمجھ سکتے۔نماز، روزہ توبہ وغیرہ کا دلکش ذکر دیکھ کر دھوکہ میں پھنس جاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ایسے اشتہارات چھپوا کر، قریہ اور بستی بستی خطوط لکھ لکھوا کر، غلط باتوں کو چھپوا کر مال وایمان کی بربادی کے موجب بن جاتے ہیں۔ایسے اشتہارات وخطوط لکھنے سے نفع ہونے، اور نہ لکھنے سے جانی و مالی نقصان ہونے کا عقیدہ رکھنا موجب گناہ اور نادانی ہے۔مسلمانوں کو اس سے ضرور بچنا چاہئے! فقط۔

راندیر میں تبع تابعین رحمہم اللہ:

(سوال ۳۴) راندیر میں آپ کی بڑی جامع مسجد کے متصل تبع تابعین کے چار مزارات ہیں یہ تمام مرد ہیں یا ان میں کوئی عورت بھی ہے نام کیا ہیں کس سنہ میں آئے تھے وغیرہ سندی تفصیل سے مطلع کریں تو بڑی عنایت ہوگی۔

(الجواب) ۱۳۴۳ھ میں احقر یہاں امام بن کر آیا اس وقت ضعیف العمر نمازیوں سے سنا تھا کہ تقریباً ۵۰ سال پہلے

کانپور سے کوئی بزرگ آئے تھے ان کا بیان تھا کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے کہ راندیر میں حضرات تبع تابعین رحمہم اللہ کی چند قبریں ہیں جگہ کی تعیین بھی انہوں نے فرمائی اور کہا کہ مجھ کو یہاں خوشبو آرہی ہے اسی جگہ ان کی قبریں ہیں چنانچہ ان کی بتائی ہوئی جگہ پر چار قبریں بنادی گئیں تب سے مشہور ہے کہ یہ تبع تابعین کی قبریں ہیں۔ اس کی سوا اور کوئی سند اور نام وغیرہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ شہرت عوام ہے درجہ تحقیق کو نہیں پہنچی اور کسی سلسلہ روایت کے نہ ہونے کی بنا پر لا نصدق ولا نکذب کے درجہ میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آنحضرت ﷺ کے والدین کی وفات کب ہوئی؟:

(سوال ۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع عظام از روئے فرمان اللہ و رسول اللہ (ﷺ) کے اس مسئلہ میں کہ ابوین کریمین و جدامجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دور رسالت سے پہلے وفات پاگئے یا بعد میں؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کے ابوین میں سے والد ماجد تو آپ کی ولادت سے پہلے وفات پاگئے تھے اور والدہ ماجدہ کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آپ کی عمر مبارک چھ ۶ سال کی تھی اور دور رسالت تو ۴۰ سال سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابوین نے دور رسالت نہیں پایا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب) کتبہ السید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ولوالدیہ۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا اسلام:

(سوال ۳۶) اور یہ حضرات مسلمان ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اس میں اختلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس میں سکوت اختیار کیا جائے۔ اس نازک بحث میں پڑنا نہیں چاہئے۔ اس کا عقیدہ سے تعلق نہیں اس لئے سکوت بہتر ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کے والدین کے لئے ایصال ثواب:

(سوال ۳۷) ان حضرات کے لئے ایصال ثواب و دعا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور درود شریف پڑھ کر ثواب پہنچا سکتے ہیں۔ یا نہیں؟

(الجواب) بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں۔ مسئلہ اختلافیہ اور نازک ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ولی ہونے کا معیار کیا ہے؟ جو شخص پابند شرع نہ ہو وہ ولی ہوسکتا ہے؟ اگر ایسے شخص سے خرق عادت کوئی چیز ظاہر ہو تو اسے کرامت کہیں گے؟:

(سوال ۳۸) آج کل قصبہ خیرالو (ضلع مہسانہ، گجرات) میں ایک باپو (بناوٹی پیر) ظاہر ہوئے ہیں ان کا دعویٰ ہے

---

(۱) علامہ شامی نے دونوں اقوال ذکر کر کے کہا کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے یہ ان مسائل سے نہیں جن کے متعلق سوال کیا جائے گا وبالجملة كما قال بعض المحققين أنه لا ينبغي ذكر هذه المسألة الا مع مزيد الادب وليست من المسائل التي يضر جهلها أو يسأل عنها في القبر او في الموقف فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير اولىٰ واسلم. شامی ج ۲ ص ۱۸۵ باب نکاح الکافر.

اورعوام کا بھی تاثر یہ ہے کہ ان کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہنچتا ہے۔اور ایک میل کے احاطہ میں بوتلوں وغیرہ میں جو پانی بھر کر رکھا جاتا ہے اس میں ازالۂ مرض کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔اور ایسا سنا گیا ہے کہ ہزاروں مریض شفایاب ہوئے ہیں،عوام اس باپو (مصنوعی پیر) کو خدا کا ولی اور ان کی پھونک کو کرامت سمجھتے ہیں اور پانی پر دم کرانے کے لئے مردوزن کا اژدحام ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کی نمازیں بھی قضا ہوجاتی ہیں۔اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ باپو صاحب نہ نماز کے پابند ہیں اور نہ جماعت کا اہتمام کرتے ہیں، نہ متبع سنت ہیں، داڑھی بھی نہیں رکھتے نامحرم اجنبی عورتوں سے ملتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں، لوگ ان کے آگے جھکتے ہیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ روکتے بھی نہیں تو کیا ان کو ولی اور ان کی پھونک کو کرامت کہہ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(نوٹ) عالیپور، لاجپور، اور سورت شہر وغیرہ کے مسلمانوں کے سوالات کا یہ خلاصہ ہے ۱۲)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً و باللہ التوفیق: یہ فتنہ کا زمانہ ہے خدا محفوظ رکھے، حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ بھی اس سے پناہ مانگتے تھے اور فرماتے تھے۔" ھذا آخر الزمان اللھم انا نعوذ بک من شرہ" یہ آخری زمانہ ہے اے خدا ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھئے۔ (ملفوظات مع فتح ربانی ص ۲۶۵)

جمع الجوامع میں حدیث ہے کہ اخیری زمانہ میں شیطان بزرگوں کی صورت میں آکر لوگوں کو گمراہ کرے گا (معاذ اللہ) آنحضرت ﷺ کی وفات سے امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک قیامت کی جو نشانیاں ظاہر ہوں گی وہ علامت صغریٰ ہیں، اور امام مہدی کے ظہور سے نفخ صور تک جو نشانیاں ظاہر ہوں گی وہ علامت کبریٰ ہیں، لوگوں کا ایمان ویقین ابھی سے ڈانواڈول ہے، اور "با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام" جیسی حالت ہورہی ہے اور باپو کی پھونک پر فریفتہ ہوکر نمازیں، جمعہ اور جماعات قربان کررہے ہیں، بے حیائی، بے پردگی بے شرمی کا مظاہرہ کرکے شیطانی دام میں پھنس کر خدا کی لعنت کا شکار بن رہے ہیں ابھی ان کی یہ حالت ہے تو جب قیامت کی علامات کبریٰ ظاہر ہوں گی، دجال نکلے گا اس کے کرشمے نہایت حیرت انگیز ہوں گے، مردوں کو زندہ کرے گا۔اس کے ساتھ اس کی جنت جہنم بھی ہوگی، ماننے والوں کو جنت میں اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو جہنم میں ڈالے گا، قحط سالی ہوگی کسی کے پاس اناج غلہ نہ ہوگا اور اس وقت اپنے مطیعین کو اناج دے گا بارش برسائے گا، اناج پیدا کرے گا، مدفون اور مخفی خزانے اس کے حکم کے تابع ہوں گے، اس وقت باپو کی پھونک سے متأثر ہونے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ ایسے ضعیف الایمان اور ڈانواڈول مسلمان اپنا ایمان کس طرح محفوظ رکھ سکیں گے؟

اس میں کلام نہیں کہ قرآنی آیات، اسمائے الٰہی اور جائز عملیات تعویذ جھاڑ پھونک اور منتر وغیرہ سے (جو کفریہ اور شرکیہ کلمات سے بری اور پاک ہوں اور جن کے معانی سے واقف ہو علاج کیا جاسکتا ہے۔)

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے لئے شفا (دوا علاج) بھی ضرور اتاری ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انزل اللہ داءً الا انزل لہ شفاء رواہ البخاری (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۷ کتاب الطب والرقی)

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل داء دواء فاذا

اصیب دواء الداء برء باذن اللہ .(رواہ مسلم ، مشکوۃ شریف ص ۳۸۷ کتاب الطب والرقی)

حضور اقدس ﷺ نے آشوب چشم ، پھوڑا پھنسی اور ڈنگ وغیرہ کے لئے جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔

حضرت عوف بن مالکؓ کا بیان ہے کہ ہم قبول اسلام سے پہلے جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ جب اسلام قبول کیا تو ہم نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا یارسول اللہ! جھاڑ پھونک کا کیا حکم ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنا منتر سناؤ، جس منتر میں شرک نہ ہو وہ جائز ہے، مشکوۃ شریف میں ہے۔ **عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ قال کنا نرقی فی الجاھلیة فقلنا یا رسول اللہ کیف تریٰ فی ذلک فقال اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم یکن فیه شرک رواہ مسلم (مشکوۃ شریف ص ۳۸۸ ایضاً)**

کلام اس میں ہے کہ ایک پھونک سے ہزاروں لاکھوں انسان فیض یاب ہوتے ہیں اور ایک میل تک پانی میں تاثیر شفا پیدا ہوتی ہے اول تو یہ صحیح نہیں تو ہم پرستی ۔ضعیف الاعتقادی ، اور یقین فاسد کا نتیجہ ہے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تب بھی عادۃً محال ہے ۔ اور خلاف عادت ہونے کی وجہ سے شرعی اصطلاح میں اسے (خرق عادت'' کہا جائے گا اگر ایسی خرق عادت چیز کسی نبی سے ظاہر ہو تو وہ معجزہ ہے، چنانچہ غزوۂ بدر میں حضور اکرم ﷺ نے زمین پر سے مٹی لے کر'' شاھت الوجوہ'' پڑھ کر دم کیا اور وہ دشمن کے فوج کی طرف پھینکی جو ہر کافر کے آنکھ میں پہنچی جس سے وہ آنکھیں ملنے لگے اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو قتل کیا ، اللہ تعالیٰ نے قران کریم میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** ، یعنی آپ نے مٹی نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی (ترجمہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سوۂ انفال پارہ نمبر ۹)

اور اگر ایسی کوئی خرق عادت چیز خدا کے ولی سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے۔ اور اگر فاسق وفاجر سے ظاہر ہو تو وہ استدراج (شیطانی جال) ہے۔

صورت مسئولہ میں جب باپو نمائی جماعت کے پابند نہیں ، بلکہ نماز کے بھی پابند نہیں ہیں ۔ اور اس کی ڈاڑھی بھی نہیں۔ (جو جملہ انبیاء علیہم السلام کی متفقہ قدیم سنت ہے) تو یہ فاسق ہیں۔ اور فاسق ولی نہیں ہوتا لہذا اگر اس سے کوئی کرشمہ ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں استدراج شیطانی جال ، سفلی عمل اور سحر ہے لہذا اس کے پاس جانا اور اس سے ماننا اور اسکے دم کردہ پانی کو متبرک سمجھ کر پینا جائز نہیں ، اسی میں ایمان وعقائد کی حفاظت ہے۔

حضرت مولانا شیخ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ (صاحب تفسیر حقانی) فرماتے ہیں:۔

''عوام کو کرامت اور استدراج میں تمیز نہیں۔ اس لئے بے نماز ، شراب خوار فاسقوں کی خارق عادت باتیں دیکھ کر ان کے مطیع ہو جاتے ہیں اور ان خوارق کو کرامت اور اس فاسق کو ولی سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ولی کا درجہ مومن صالح کے بعد ہے یعنی جب مومن صالح ہو لیتا ہے اس کے بعد ذات وصفات الٰہی کا عارف ہو کر لذات ترک کرتا ہے اور عبادت میں ہمہ تن مصروف ہوتا ہے تو جذبہ شوق الٰہی اسے بارگاہ کبریا میں کھینچ لے جاتا ہے تب وہ خاصان درگاہ میں شمار کیا جاتا ہے پھر اس وقت اس سے جو خوارق ظہور میں آویں ان کا نام کرامت ہے اور یہ شخص ولی ہے اور اگر اس درجہ کو نہیں پہنچا بلکہ فقط مومن صالح ہے تو اس کے خوارق کرامت نہیں اور اصطلاح میں یہ شخص ولی نہیں

پھر جو سرے سے مؤمن صالح ہی نہیں بلکہ کبائر میں مبتلا ہے یا مؤمن ہی نہیں وہ ہرگز ولی نہیں اور اس کے خوارق دام شیطانی ہیں کرامت نہیں بلکہ اس کو استدرج کہتے ہیں جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ (عقائد اسلام ص ۱۵۲ ص ۱۵۴ باب افضل نمبر ۱۰)

خدا کا مقبول بندہ وہ ہے جو ذات باری اور صفات الٰہی کا عارف ہو اس کی طاعت ہو عبادت کا پابند ہو، متبع سنت ہو، گناہ سے بچتا ہو، محارم وشبہات سے اجتناب کرتا ہو ایسے انفاس قدسیہ کو ''اولیاء اللہ'' کہتے ہیں۔

ابو حفص کبیر حداد کا فرمان ہے ''جس نے اپنے اقوال واحوال قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ کے ترازوں میں نہیں تولے اور نفسانی خواہشات کو برا نہیں سمجھا تو وہ خدا کے نیک اور مقبول بندوں میں نہیں ہے۔
(البلاغ المبین فارسی ص ۴۶)

عارف باللہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر تم کسی کو دیکھو کہ اس کو عجیب وغریب باتیں ملی ہیں، ہوا میں اڑتا ہے، فضاء میں چارزانو ہو کر بیٹھتا ہے۔ پانی پر چلتا ہے تو جب تک وہ شریعت اور طریقۂ سنت کا پابند نہ ہو اسے خیال میں نہ لاؤ۔ شیخ بایزید بسطامی رحمه الله که مشائخ ملقب سلطان العارفین است نیز فرموده لو نظر تم الیٰ رجل اعطی انواعاً من الکرامات حتی یتربع فی الهواء او یمشی علی الماء فلا تعتبروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الا مر والنهی وحفظ الحدود واداء احکام الشریعه (البلاغ المبین فارسی ص ۴۶) اور (رسالۂ قشیریہ ص ۱۵)

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ الطرق الی الله تعالیٰ کلها مسدودة علی الخلق الا من اقتفیٰ اثر الرسول. یعنی وصول الی اللہ کے جملہ طرق سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر بند اور باطل ہیں۔ (قشیریہ ص ۲۰) (البلاغ المبین ص ۴۶)

حضرت ابو عبداللہ حارث بن اسدی محاسبیؒ فرماتے ہیں۔ من صح باطنه' بالمراقبة والا خلاص زین الله ظاهره' بالمجاهدة واتباع السنة . ترجمہ:۔ جس کا باطن مراقبہ اور اخلاص سے درست ہو گیا تو خدا پاک اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین فرماتا ہے (رسالہ قشیرہ ص ۱۳) (البلاغ المبین ص ۴۶)

حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کل باطن یخالفه الظاهر فهو باطل ہر باطن جس کا ظاہر مخالفت کرے (یعنی ظاہر باطن کی مطابق نہ ہو) تو وہ باطل اور مردود ہے (رسالہ قشیریہ ص ۲۴، البلاغ المبین ص ۴۵)

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یقول من علامات المحب لله عزوجل متابعة حبیب الله صلی الله علیه وسلم فی اخلاقه وافعاله وأوامره وسنته.

یعنی حب الٰہی کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ خدا کے حبیب ﷺ کی اتباع آپ کے اخلاق و اعمال اور ارشادات وسنتوں میں ہو (رسالہ قشیریہ ص ۹)

حضرت شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک بزرگ کی شہرت سن کر زیارت کے لئے گئے وہ بزرگ اتفاق سے گھر سے مسجد آرہے تھے ان کو قبلہ کی جانب تھوکتے ہوئے دیکھا تو حضرت بایزید بسطامیؒ ملاقات کئے بغیر ہی واپس

چلے آئے اور فرمایا کہ جس کو رسول خدا ﷺ کے آداب (قبلہ کی حرمت) کا پاس نہیں ہے تو اس کی بزرگی کا کیا اعتبار۔ رسالۂ قشیریہ میں ہے۔

یقول سمعت ابی ، یقول قال لی ابو یزید قم بنا حتی ننظر الیٰ هذا الرجل الذی قد شهر نفسه بالولایة و کان رجلاً مقصوداً مشهوراً بالزهد فمضینا الیه فلما خرج من بیته رمی ببصاقه تجاه القبلة فانصرف ابو یزید و لم یسلم علیه وقال هذا غیر مامون علیٰ ادب من آداب رسول الله صلی الله وسلم فکیف یکون ماموناً علیٰ مایدعیه .(رسالة قشیریه ص ۱۵)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ کل حقیقة لا یشهد لها الشرع زندقة . یعنی ہر وہ حقیقت جو شریعت محمد ﷺ کے خلاف ہو وہ گمراہی اور بددینی ہے۔ (البلاغ المبین ص ۴۵)

ارشاد خداوندی ہے وذرو اظاهر الاثم وباطنه' اورتم ظاہری وباطنی گناہ کو چھوڑ دو (سورۂ انعام ص ۸) یعنی ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو جن کا تعلق بیرونی اعضاء جسمانی (کان، ناک، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) سے ہے۔ اور اندرونی گناہ بھی جن کا تعلق محض دل اور اندرونی جذبات نفس سے ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۰۴ جلد نمبر ۴ اردو)

باطن کا اثر ظاہر پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر اور باطن میں ایسا قوی رشتہ ہے کہ ایک کی اصلاح دوسرے کی اصلاح میں اور ایک کی خرابی دوسرے کی خرابی میں مؤثر ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ بدنی ظاہری اعمال خیر کی بجا آوری کے بغیر دل کی درستگی کا دعویٰ ردو باطل ہے، جس طرح دنیا میں جسم بلا روح کے ہونا ناممکن ہے اسی طرح احوال بدنی ظاہری اعمال خیر کے بغیر محال ہیں۔ اس زمانہ میں بیشتر اس قسم کی مدعی بنے ہیں۔ خدا پاک اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں ملحدانہ عقائد سے بچائے (مکتوبات امام ربانی ص ۵۳، ۵۴ ج ۱ فارسی ، مکتوب نمبر ۳۹)

جو کوئی پابند شرع اور متبع سنت نہ ہو وہ کبھی خدا کا دوست اور ولی نہیں بن سکتا ، اور اس سے کوئی عجیب بات ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ سحر اور استدراج ہے، ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعہ بھی عجیب اور حیرت انگیز باتیں ظاہر ہو سکتی ہیں اس میں اسلام کی بھی قید نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ قال ابن حجر انه ناظر صوفی برهماً فطار البرهمی فی الجوفارتفعت الیه نعل الشیخ و الناس ینظرون. یعنی ایک صوفی کا ایک جوگی کے ساتھ مناظرہ ہوا تو جوگی ہوا میں اڑنے لگا اس کے پیچھے صوفی نے اپنی کھڑاؤں پھینکی اور عوام اس منظر کو دیکھ رہے تھے، (البصائر ص ۱۲۴ عربی ، بصیرت نمبر ۴۷)

حضرت ابو یزید بسطامی علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ فلاں آدمی ایک ہی شب میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا شیطان پل بھر میں مشرق سے مغرب پہنچتا ہے (تو یہ کوئی کمال اور حق ہونے کی دلیل نہیں) حالانکہ وہ خدا کی لعنت میں گرفتار ہے۔ وقیل له فلان یمر فی لیلةالیٰ مکة فقال: الشیطان یمر فی لحظة من المشرق الی المغرب وهو فی لعنة الله تعالی (البصائر ص ۱۲۴ بصیرت نمبر ۴۷)

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر اتباع رسول کے ساتھ کمالات

ہوں تو خوب وگرنہ سوائے استدراج کے کچھ نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج اص ۱۹۵) اور تحریر فرماتے ہیں۔" جو کوئی شرعی احکام کی بجا آوری میں چست نہیں بلکہ سست ہے تو خدا کی معرفت سے محروم ہے اور جو کچھ اس کے خیال فاسدہ میں ہے وہ ہیچ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور استدراج وشیطانی کید ہے جس میں جوگی و برہمن......اس کا شریک ہے یعنی ایسی باتیں جوگی و برہمن میں ہوتی ہیں۔ (ج ۲ص ۱۰۹ مکتوب نمبر ۵۵ فارسی) (اردو ج ۲ ص ۱۸۱)

گجرات بالخصوص شہر سورت کے ہزار ہا مسلمانوں کے پیر ومرشد حضرت مولانا الحاج شاہ محمد ہدایت علی نقش بندی مجددی جیپوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

جو متبع سنت ظاہر باطن میں ہو وہی متقی ہے اور خدا کا ولی ہے اور جو باوجود ہوش وتمیز ہونے کے پیروی چھوڑے ہوئے ہے ہرگز خدا کا ولی نہیں ہوسکتا، چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ:۔ جس کسی نے نبی کریم ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔ اس زمانہ میں اکثر اپنی وضع وقطع خلاف شریعت رکھتے ہیں جیسے نماز نہ پڑھنا یا گاہے گاہے پڑھنا ڈاڑھی چڑھانا یا منڈوانا یا کتروانا مونچھوں کو بڑھالینا، پائینچے ٹخنوں سے نیچے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ شریعت پاک میں چاروں ائمۂ شریعت وائمہ طریقت کے نزدیک ایسا شخص فاسق ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف کرنے سے عرش معلیٰ کانپتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یھدی القوم الفاسقین** (بے شک اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا)......لیکن جاہل ایسے لوگوں کو خدا کو ولی جانتا ہے اور وہ فاسق پیر اپنی ولایت کا اثبات جاہلوں کی زبان سے سن کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں جاہل یہ کہتے ہیں کہ میاں صاحب (باپو) نماز پنجگانہ مکہ شریف میں پڑھتے ہیں اس لئے یہاں ان کو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

پس اے عزیز! ایسے لوگوں سے جو فاسق ہوں اور خدا ان کو اپنا دوست نہ فرمائے ان سے بیعت نہ ہونا چاہئے اور ان کی صحبت سے بچنا چاہئے کیونکہ فائدہ۔ مفقود اور نقصان ظاہر ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دست ناقص دست شیطان است ودیو
زانکہ اندردام وتکلیف است وریو

ترجمہ:۔ ناقص کا ہاتھ شیطان کا ہاتھ ہے کیونکہ اس میں سراسر مکاری اور تکلیف ہے اور صحبت میں ان کی نہ بیٹھنا چاہئے۔ اگرچہ ان سے عجیب باتیں ظاہر ہوں کہ شریعت میں ان کو استدراج کہتے ہیں جیسے دلوں کا حال بیان کرنا۔ دلوں پر اثر ڈالنا، غائب چیزوں کا بتادینا، خود غائب ہوجانا، تیرکی کی بن جانا، ہوا میں اڑنا یہ سب صفات شیطان لعین وجوگیاں اور برہمان ہند اور فلاسفۂ یونان میں بھی ہوتی ہیں اگر انہیں چیزوں کا نام ولایت ہے تو شیطان کفار کو بھی ولی کہنا لازم آئے گا۔ ولایت قرب حق اور یقین کامل اور کثرت محبت خدا اور سول (ﷺ) واتباع حبیب خدا (ﷺ) کا نام ہے۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے بھی صاف شناخت (پہچان) ناقص اور کامل کی بیان فرمائی ہے۔

(۱) اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

ترجمہ:۔ بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں ہیں پس ہر شخص کے ہاتھ میں بغیر تحقیق کے ہاتھ نہ دینا چاہئے (یعنی بیعت نہ کرنی چاہئے)

(۲) ہر کہ اواز کشف خود گوید سخن
کشف اور اکفش کن بر سر بزن!

ترجمہ:۔ جو کچھ اپنے کشف سے بات کہے۔ تو اس کی کشف کی جوتی اس کے سر پر ماردے۔

(۳) ما برائے استقامت آمدیم
نہ پئے کشف و کرامت آمدیم

ترجمہ:۔ ہم شریعت کے احکام پر پابند و مضبوط رہنے کو آئے ہیں۔ نہ کہ کشف و کرامت کے واسطے آئے ہیں۔

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صحبت ناجنس مخالف سے بچے اور بدعتی کی صحبت سے بھاگ اور جو مسند شیخی پر بیٹھا ہے اور اعمال اس کے سنت کے خلاف ہوں۔ زینہار الف زینہار اس سے دور ہو بلکہ اس کے شہر میں بھی مت رہ شاید کبھی تیرا رجحان اس طرف ہو جائے اور تیرے عقائد میں فرق آجائے وہ پیر چور ہے چھپا ہوا، اور جال ہے شیطان کا اگر چہ اس سے خرق عادات طرح طرح کے دیکھے تو اور دنیا سے بے تعلق پائے تو بھاگ اس کی صحبت سے جیسے کے بھاگتے ہیں شیر سے مقصد شریعت و طریقت، حقیقت، معرفت سب کا یہ ہے کہ بندہ خاکی کی بخشش ہو جائے اور اس کا پہلا ذریعہ شریعت کی اتباع ہے اور اعمال شریعت میں خلوص پیدا ہو جانا یہ طریقت ہے، کسی کے حال وقال کشف وکرامت پر انحصار بخشش کا نہیں ہے۔ جو حال یا کشف یا خرق عادات متقی سے ظاہر ہوں وہ نور ہے اور اس کو کرامت اور برکت کہیں گے اور جو خلاف شرع لوگوں سے ایسے باتیں ظاہر ہوں اس کو استدراج کہیں گے (معیار السلوک ودافع الادہام والشکوک ص ۲۹، ص ۳۲، ص ۳۳)

شیخ ابوالنصر موسیٰ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نے میرے سامنے ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے چند دن جنگل میں قیام کیا وہاں پانی نہیں تھا چند روز پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشانی ہوئی اور پیاس کی وجہ سے میرا برا حال ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ کے حکم سے ایک ابر نے سایہ کیا اور اس سے تھوڑی بارش ہوئی جس سے قدرے سکون ہوا اس کے بعد اسی بادل میں سے روشنی نمودار ہوئی اور سب جگہ پھیل گئی اور اس سے ایک عجیب شکل نمودار ہوئی اور آواز آئی اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں تجھ پر ان سب چیزوں کو حلال کرتا ہوں جو تمہارے سوا دوسروں پر حرام کی ہیں، جو دل چاہے کھاؤ اور جو شوق ہو وہ کرو یہ سن کر میں نے کہا **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اے ملعون دور ہو کیا بکتا ہے، تو فوراً وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور وہ صورت دور ہو گئی اور کہا اے عبدالقادر تو نے علم وفہم کی وجہ سے جو احکام الٰہی حاصل کئے ہیں ان کے ذریعہ تو نے نجات حاصل کی ہے (ورنہ) اسی جگہ تیری جیسے ستر بزرگوں کو گمراہ کر چکا ہوں، اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا اے

کمبخت یہ خدا کا فضل ہے (البلاغ المبین فارسی ص ۳۴، ۳۵)

قصبہ ویسما (WESMA) میں ایک کھجور کے درخت کا کرشمہ

"سوت سے دس ۱۰ یا پندرہ ۱۵ میل کے فاصلہ پر (قصبۂ ویسما میں) ایک کھجور کا درخت آفتاب کی رفتار کے مطابق متحرک ہوتا تھا۔ دوپہر میں آفتاب ڈھلنے پر وہ بھی جھکتا تھا جب آفتاب غروب ہوتا تو وہ زمین پر گر جاتا صبح جب آفتاب طلوع ہوتا تو وہ حرکت میں آکر کھڑا ہوتا تھا دوپہر تک، آفتاب کی رفتار پر چلتا اور غروب کے وقت سو جاتا (اس کا یہ کرشمہ دیکھ کر ہنود اور مسلمان جہلاء اس شیطانی حرکت کو کرامت سمجھ کر نذر اور منت ماننے لگے، ناریل اور پھول چڑھانے لگے، لاجپور کے مشہور بزرگ حضرت صوفی صاحب (قدس سرہ) نے اس درخت پرستی کو دیکھ کر رات میں اپنے شاگردوں کے ہمراہ وہاں پہنچ کر اس درخت کو باوجود پولیس کے بندوبست (وپہرہ) کے جڑ سے کاٹ کرا کھاڑ دیا۔ (باغ عارف ص ۱۰۴)

باپو کی پھونک سے فائدہ ہوتا ہے یہ حق ہونے کی دلیل نہیں ہے، باطل چیزوں سے بھی فائدہ ہوتا ہے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ محترمہ کی آنکھ میں تکلیف تھی ایک یہودی عالم سے تاگے پر منتر پڑھوا کر گلے میں لٹکا لیا جس سے سکون ہو گیا حضرت ابن مسعودؓ نے اس تاگے کو توڑ دیا بیوی نے کہ اس سے مجھے آرام ہے تکلیف سے میری آنکھیں نکل پڑتی تھیں اس سے مجھے بہت سکون ہے آپؓ نے فرمایا یہ شیطانی عمل ہے شیطان اپنے ہاتھ سے تمہاری آنکھ کریدتا تھا جب بیوی نے عمل کیا تو شیطان نے کریدنا چھوڑ دیا تمہارے لئے حضور اکرم ﷺ کا عمل کافی ہے اور وہ یہ ہے " اذهب البأس" رب الناس اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاءً لا یغادر سقماً یہ ایک حدیث کا خلاصہ ہے پوری حدیث دیکھئے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۹ کتاب الطب والرقی الفصل الثانی) فقط و اللہ اعلم بالصواب وعلم اتم واحکم وھو الھادی الی الصراط المستقیم اللھم اھدنا الصراط المستقیم آمین۔

قرآن وحدیث آثار صحابہ واقوال سلف کی روشنی میں تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم !:

یہ فتویٰ ہے ’’رسالہ‘‘ کی صورت میں بھی شائع ہوا ہے، ناشر صہیب برادرس، صابن کٹرہ آگرہ ہے۔ ادارہ کے منیجر حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب رومی مدظلہ نے رسالہ کے شروع میں ’’تقریب کتاب‘‘ کے عنوان سے چند مفید باتیں تحریر فرمائی ہیں۔ ناظرین کے افادہ کی غرض سے ان کو یہاں نقل کر دیا جاتا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مصنف کتاب ہذا مخدومی مولانا الحاج المفتی السید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم لاجپوری راندیری مفتی گجرات علمی حلقہ میں مشہور ومعروف اہل علم وفتویٰ اور صاحب زہد وتقویٰ بزرگ ہیں، دور حاضر میں مودودیت کی خطرناکی اور زہرناکی کو جن حضرات نے شدت واہمیت کے ساتھ محسوس کیا ہے موصوف اس حلقہ میں بلند علمی مقام رکھتے ہیں۔

فتویٰ نویسی میں موصوف کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ مسئلہ متعلقہ پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ سیر حاصل کلام فرماتے ہیں، رسالہ ہذا میں بھی (جو درحقیقت ایک استفتاء کا جواب ہی ہے) موصوف کی یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ زیر نظر رسالہ میں حضرت مفتی صاحب کے پیش نظر یہ سوال ہے کہ۔

مودودی صاحب میں عقیدہ کی کیا خرابی تھی؟ ان کی دینی واصلاحی خدمات مسلم ہیں یا نہیں؟ ان کی تعریف کرنا اور ان کی خدمات کو سراہنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے علامہ مودودی کے لٹریچر سے اقتباسات پیش فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل امور ثابت فرمائے ہیں۔

(۱) مودودی صاحب کے لٹریچر میں ایسے مواد بڑی مقدار میں موجود ہیں جن سے حضرات انبیاء کرامؑ اور حضرات صحابہؓ کے نفوس قدسیہ کی عظمت ورفعت مجروح وداغدار ہوتی ہے اور اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ علامہ مودودی اپنی تحریروں میں تنقید انبیاء وطعن صحابہ کے واقعی مرتکب ہوئے ہیں۔

(۲) اس مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ مفتی صاحب موصوف نے قرآن وحدیث آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی میں نہایت وضاحت وتفصیل کی ساتھ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ تنقید انبیاء وطعن صحابہ دین وشریعت کی رو سے بالکل حرام وناجائز ہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو اندیشۂ کفر بھی ہے اس لئے اس کا مرتکب فاسق تو ضرور ہی ہے۔

(۳) تیسرا مرحلہ آتا ہے کہ اگر مودودی صاحب مرتکب معصیت وفسق ہیں تو ان کی مدح وتعریف کا شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن وحدیث، آثار صحابہ واقوال سلف کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب نے فاسق شرعی کی تعریف وتوصیف کی ممانعت بھی ثابت فرمادی ہے۔

ان مراحل ثلٰثہ کے بعد علامہ مودودی کی مدح وتعریف کا شرعی حکم خودبخود واضح ہوجاتا ہے اس لئے اس کی مزید وضاحت کو ضروری بھی نہیں سمجھا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے یہ دلائل اور ان سے ثابت ہونے والے جوابات اس درجہ محکم و

متعین ہیں کہ جنہیں تسلیم کر لینے کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی باقی نہیں رہ گیا ہے۔ منیجر صہیب برادرس آگرہ،

اب اصل، سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

(سوال ۳۹) مودودی صاحب میں عقیدہ کی کیا خرابی تھی؟ ان کی دینی اور اصلاحی خدمات مسلم ہیں یا نہیں؟ ان کی تعریف کرنا اور ان کی خدمات کو سراہنا کیسا ہے؟ یہاں پر اس مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے، اہل علم بھی اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا مفصل اور مدلل جواب کی ضرورت ہے تا کہ صحیح بات سامنے آ جائے اور اختلاف کی خرابی سے لوگ بچ جائیں۔ بینوا توجروا۔

(مولانا) موسیٰ کرباڑی، خادم اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ ۸۶ ساؤتھ اسٹریٹ۔ ڈیوزبری یو، کے)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وباللہ التوفیق:۔ جس شخص نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کو مجروح کیا ہو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کی ہو، اور اہل سنت والجماعت کے متفقہ فیصلہ کے خلاف کیا ہو تعریف کے قابل نہیں، اگر تعریف ہی کرنا ہو تو اس کی بدعقیدگی اور گمراہی کو بھی واضح کر دینا چاہئے کہ لوگ اس سے اشتباہ میں نہ پڑ جائیں اور اس کی اقتداء نہ کرنے لگیں۔ حدیث میں ہے اترعون عن ذکر الفاجر بما فیہ اھتکوہ حتیٰ یعرفه الناس اذکروہ بما فیه حتیٰ یحذرہ الناس، کیا فاجر کو برا کہنے سے پرہیز کرتے ہو اس کی ہتک کرو تا کہ لوگ اس کو پہچان جاویں، جو خصلت (اور برائی) اس میں ہے اس کو ذکر کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں (طبرانی، ابن حبان، معجم کبیر، سنن کبریٰ احیاء العلوم ج ۳ ص ۴۹ الاشباہ والنظائر ص ۲۵۴)

اور حدیث میں ہے۔ اذامدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واھتزله العرش، جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ غصہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے عرش ہل جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۴) اور اکابر اسلاف کا قول ہے۔ ثلاثه لا غیبة لھم الا مام الجائر المبتدع والمجاھر بفسقه، تین آدمیوں کی برائی کرنا غیبت نہیں ہے اول امام ظالم، دوم بدعتی (بدعقیدہ) سوم فاسق معلن (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۴۹)

یہ ظاہر ہے کہ عقیدہ کا فسق عمل کے فسق سے بڑھا ہوا ہے جو شخص عمل کے فسق میں مبتلا ہو اس کی برائیوں کے اظہار کا حکم ہے۔ لہٰذا جو شخص بدعقیدگی میں مبتلا ہو اس کی گمراہی کو لوگوں پر ظاہر کرنا نسبۃً زیادہ ضروری ہوگا کہ لوگ اس کی اقتداء نہ کریں اور اس کو اپنا پیشوا بنا کر اس کے ہم خیال وہم عقیدہ نہ ہو جائیں، اور مودودی صاحب کی بدعقیدگی ظاہر و باہر ہے انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کی تنقیص کی ہے، صحابہ واسلاف کی عظمت شان کو مجروح کرنے کے لئے ایک غلط اصول۔

''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اس درجہ میں رکھے (دستور جماعت اسلامی، ترمیم شدہ) وضع کر کے صحابۂ کرام اور اسلاف عظام کے مرتبہ کو گھٹانے اور لوگوں کی نظروں میں ہلکا کرنے کی ناجائز کوشش کی ہے۔ اور سیدنا امیر معاویہؓ پر تو خواہ مخواہ تنقید کی ہے اور غلط حوالے دے کر ان کی طرف غلط واقعات منسوب کر کے ان کو بدنام کیا ہے۔

فقہ و تصوف کا مذاق اڑایا ہے۔ محدثین کی محنت کو رائیگاں کیا ہے۔ اور حکومت الٰہیہ کا غلط نظریہ قائم کر کے

ارکان اربعہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کو جہاد کا تربیتی کورس قرار دے کر عبادت کی روح و مقصد کو ختم کر دیا ہے اس لئے ایسا شخص علی الاطلاق تعریف کا اہل نہیں اور اسی بناء پر علماء حقہ ہمیشہ ان کی تغلیط کرتے رہے ہیں اور امت کو ان کے لٹریچر کے مسموم اثرات سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں کوئی ایسی تعبیر روا نہیں جو ان کے مقام رفیع کے شایان شان نہ ہو لیکن مودودی صاحب بڑی بے تکلفی سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایسے الفاظ و تعبیرات لکھتے ہیں جو ان کی شان کے مناسب نہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔

(ترجمان القرآن ص ۵ ج ۲۹ عدد ۴، از مودودی(۱) مذہب ص ۲۳)

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ص ۳۲۷ طبع اول)

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۴۲ طبع دوم۔)

(۴) اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی کہ **لا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ** (سورہ ص) ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی" (تفہیمات ج ۱ ص ۱۶۱ طبع پنجم ص ۴۷ ا ج ۱) (طبع دارالاسلام)

(۵) حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ اشرف انسان بھی اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ لیکن جب (اللہ تعالیٰ) انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے۔ تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرف فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں۔ جو اسلام کا مقتضیٰ ہے۔ (تفہیم القرآن سورۂ ہود ص ۳۴۴ جلد ۲۔)

(۶) سیدنا یوسف علیہ السلام کے ارشاد (**اجعلنی علی خزائن الارض**) مجھے زمین مصر کے خزائن کا نگراں مقرر کر دیجئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے یہ بات فرمائی تھی) کے بارے میں مودودی

---

(۱) نوٹ:۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عبارت مولوی امین احسن اصلاحی کی ہے جو مودودی صاحب کے ترجمان القرآن میں شائع ہوئی تھی۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اگر مودودی صاحب کے نزدیک یہ عبارت قابل اعتراض ہوتی۔ وہ اس پر ضرور تنقید کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا اس عبارت سے اتفاق ہے۔ ۱۲

صاحب لکھتے ہیں ''یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۱۲۸ طبع سوم ص ۱۲۲ طبع پنجم)

(۷) حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہوکر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا'' (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۲۱ سورۂ یونس۔ حاشیہ ص ۳۱۲۔۳۱۳)

کیا مودودی صاحب کی ان تعبیرات'' جلد باز فاتح، خواہش نفس کی بنا پر حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال، بشری کمزوریوں سے مغلوب، جذبۂ جاہلیت کا شکار، فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں، اور ڈکٹیٹر شپ میں سوء ادب کا پہلو نہیں پایا جاتا؟ اگر یہی الفاظ و تعبیرات کوئی مودودی صاحب کے حق میں استعمال کرے تو ان کو (اگر اس وقت زندہ ہوتے) اور ان کے مداحوں کو اس سے ناگواری نہ ہوگی؟ اگر یہ الفاظ مودودی صاحب کی شان کے مناسب نہیں تو انصاف فرمایئے کیا ایسے الفاظ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے مناسب ہوسکتے ہیں؟ اور ان کی شان میں یہ الفاظ لکھنا بجا ہے؟

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر ایسی ادا نہ دے

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ان کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

''یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی تھی ...... بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریض کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔'' (تفہیم القرآن ص ۱۳۳ ج ۳)

سید المرسلین حضور اکرم ﷺ کے متعلق لکھا ہے۔

''رسول اللہ نہ فوق البشر ہے۔ نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے'' (ترجمان القرآن جلد ۸۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء بعنوان ''اسلام کس چیز کا علم بردار ہے'')

مودودی صاحب ہی کی ہمت ہے کہ وہ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام اور خاتم الانبیاء حضور اکرم ﷺ کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کریں۔ اعاذنا اللہ۔ اللہ امت کو اس سوء ادبی سے محفوظ رکھے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانیت کا سب سے مقدس گروہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ یہ مقدس گروہ رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان اللہ کا منتخب کردہ ایک واسطہ ہے۔ اس واسطہ کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے نہ قرآن کے وہ مضامین جن کو قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے بیان پر چھوڑا گیا ہے۔ (لتبین للناس مانزل الیھم) نہ رسالت اور اس کی تعلیمات کا کسی کو اس واسطے کے بغیر علم ہوسکتا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ساتھی آپ کی تعلیمات کو اپنے زن و فرزند اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے ہیں۔ آپ کے پیغام کو اپنی جانیں قربان کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے والے ہیں۔ پوری عمر ہر چیز میں ہر حالت میں ہر کیفیت میں آپ کے اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی ﷺ سے قدم ادھر ادھر نہ ہے،

سب سے مشکل امتحان ہے۔ مگر اس اتباع کے امتحان میں تمام صحابۂ کرام پورے اترے، اور اس طرح پورے اترے کہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کی زندگی کے آئینہ میں اپنی زندگیاں سجائی تھیں۔ اور آپ کی زندگی کا پرتو بن گئے تھے۔

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آنحضرت ﷺ کی مصاحبت کا جو شرف حاصل ہوا ہے۔ پوری امت کے اعمال حسنہ مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ذرا تصور کیجئے، صحابۂ کرام کی دو رکعتیں جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ادا کی ہیں کیا پوری امت کی نمازیں مل کر بھی ان دو رکعتوں کے ہم وزن ہو سکتی ہیں؟ کیا وہ ایک روزہ جو صحابہ کرامؓ نے حضور کی معیت میں رکھا ہو پوری امت کے روزے مل کر بھی اس ایک روزے کے مثل ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ ایک حج جو صحابہؓ نے حضور ﷺ کی ہمراہی میں ادا کیا پوری امت کے حج مل کر بھی اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ صحابہ کا وہ ایک یا آدھا سیر جو یا کھجور جس کو حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبولیت کا شرف بخشا ہو پوری امت اگر پہاڑ برابر بھی سونا خرچ کر دے تو کیا یہ شرف اسے حاصل ہو سکتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو (ان کا مرتبہ یہ ہے کہ) تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد بلکہ نصف مد جو کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس مقدس گروہ کی عدالت اور ثقاہت میں اس طرح کلام کیا جائے گا تو پھر ان کے ذریعہ پہنچا ہوا قرآن، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اسلام کے ارکان و تعلیمات کی کیا پوزیشن باقی رہ سکتی ہے؟

حاصل کلام یہ کہ "صحابہ" جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ حضرات ایک خاص مقام اور ایک امتیازی شان کے حامل ہیں اور یہ مقام و امتیاز ان کو قرآن و سنت کی نصوص و تصریحات کا عطا کیا ہوا ہے یہاں مختصراً چند آیات و احادیث ذکر کرتے ہیں۔

نصوص قرآن

(۱) کنتم خیر امة اخرجت للناس الخ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے (اصلاح و نفع) کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ (سورۂ آل عمران پ ۴)

(۲) وکذلک جعلنا کم امة وسطاً لتکونوا شهدآء علی الناس. اور ہم نے تم کو ایک جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ رہو۔ (سورہ بقرہ پارہ ۲)

ان دونوں آیتوں کے اصل مخاطب اور اولین مصداق صحابۂ کرام ہیں۔

(۳) والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه......الخ.

اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (سورۂ توبہ پ ۱۱)

اس میں صحابۂ کرام کے دو طبقے بیان کئے ہیں ایک سابقین اولین کا دوسرے بعد میں ایمان لانے والوں

کا۔ اور دونوں طبقوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ مقدمہ استیعاب میں فرماتے ہیں۔" ومن رضی اللہ عنه لم یسخط علیه ابداً ان شاء اللہ تعالیٰ "۔ یعنی اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ کو سب اگلی اور پچھلی چیزوں کا علم ہے۔ لہٰذا وہ راضی اس شخص سے ہو سکتے ہیں جو آئندہ زمانے میں بھی رضاء الٰہی کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے اس لئے کسی کے واسطے رضا الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا اس سے رضاء الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔

(۴)فانزل اللہ سکینة علی رسوله وعلی المومنین والزمهم کلمة التقویٰ وکانوا احق بها وکان اللہ بکل شئی علیماً.

پس نازل کیا اللہ نے اپنی طرف سے سکون (اور اطمینان) اپنے رسول پر اور مومنین پر اور ان کو جما دیا تقویٰ کی بات پر (یعنی ان پر تقویٰ کی بات چپکا دی) اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا پورا علم رکھتا ہے۔ (سورۂ فتح پ ۲۶)

اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ آنحضور ﷺ کے دور سعود میں جو مؤمنین تھے وہ صحابہ ہی تھے۔ اور انہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

(۵)لکن الرسول والذین اٰمنوا معه' جاهدو باموالهم وانفسهم ...... واولٰئک لهم الخیرات واولٰئک هم المفلحون .

لیکن رسول اور جو ایمان والے ان کے ساتھ ہیں کوشش کرتے ہیں جان و دل سے ...... انہی کے لئے ہیں بھلائیاں اور انہی کے لئے ہے فلاح و کامرانی (سورۂ توبہ پ ۱۰)

(۶)الذین امنوا وهاجروا جاهدوا فی سبیل اللہ باموالهم وانفسهم اعظم درجة عنداللہ واولئک هم الفائزونO یبشر هم ربهم برحمة منه ورضوان وجنت لهم فیها نعیم مقیم O

جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان (باغوں) میں دائمی نعمت ہوگی۔ (سورۂ توبہ پ ۱۰)

(۷)یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معه' نور هم یسعیٰ بین ایدیهم وبایما نهم.

وہ دن کہ اللہ رسوا نہ کرے گا رسول کو اور ان کے ساتھ مومنین کو ان کا نور دوڑتا پھرے گا ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب۔ (سورۂ تحریم پ ۲۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخرت میں صحابہ کو عذاب نہ ہوگا اور یہ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی ان کا نور زائل نہ ہوگا ورنہ زائل شدہ اور مٹا ہوا نور ان کے کیا کام آتا ہے۔ (تحفہ اثناءعشریہ ص ۵۳۰)

(۸)محمد رسول اللہ والذین ...... معه' اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعاً سجداً

یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔(سورۂ فتح پ ۲۶)

عام مفسرین امام قرطبی وغیرہ نے فرمایا کہ والذین امنوا عام ہے اس میں تمام صحابۂ کرام کی پوری جماعت داخل ہے اور اس میں تمام صحابہ کرام کی تعدیل اور ان کا تذکیہ اور ان کی مدح وثنا خود مالک کائنات کی طرف سے آئی ہے۔

(۹)لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃً من الذین انفقوا من بعد ، قاتلوا وکلاً وعداللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیرا۔

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے، اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔(سورۂ حدید پ ۲۷)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کی مدح فرمائی ہے اور تمام سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۱۰)والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون حقاًلھم مغفرۃ ورزق کریم۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے۔(سورۂ انفال پ ۱۰)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام مہاجرین وانصار کی تعریف فرمائی ہے۔اور ان کے سچے پکے مؤمنین ہونے کی شہادت دی ہے اور ان سے مغفرت ورزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔

احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۱)حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔ ان اللہ نظر الی قلوب العباد فاختار محمداً فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فاختار لہ اصحابہ فجعل انصار دینہ ووزراء نبیہ فما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح .(اقامۃ الحجۃ ص ۸،مجالس الابرار ص ۱۳۰ مجالس نمبر ۱۸ .مؤطا امام محمد ص ۱۱۲ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۲۸)

یعنی:۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی پس محمد ﷺ کو رسالت کے لئے منتخب فرمایا پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو آپ کے اصحاب کو آپ کے لئے منتخب فرمایا ان کو آپ کے دین کے مددگار اور آپ کا وزیر بنا دیا

(پس یہ صحابہؓ اللہ کے دین کے مددگار۔ اور آنحضرت ﷺ کے وزیر ہیں) پس جس کام کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے۔

(۲) عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذوا لنعل بالنعل...... الیٰ قولہ ما انا علیہ و اصحابی .

یعنی :۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے میری امت کے ۷۳ فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک فرقہ (ملت) ناجی ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا۔ ما انا علیہ و اصحابی . جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔ پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰت افضلھا و من التسلیمات اکملھا تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ھم ما انا علیہ و اصحابی ...... الخ.

یعنی :۔ آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا۔ کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ ظاہراً اتنا فرمادینا کافی تھا کہ "جس طریقہ پر میں ہو" صحابہؓ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۲ اص ۱۰۳ ج ۱)

(۳) عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی ......الخ.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کی بابت دریافت کیا ۔ اللہ نے مجھ پر وحی فرمائی کہ اے محمد (ﷺ) تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے۔ بعض ستارے بعض سے قوی ہیں لیکن نور اور روشنی ہر ستارے میں ہے۔ پس جو شخص ان کی باہم مختلف فیہ شے میں سے کسی کو بھی اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا اور پھر فرمایا۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم . میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب المناقب)

(۴) عن ابی بردۃ رضی اللہ عنہ عن ابیہ قال رفع یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأسہ الی السماء فقال النجوم امنۃ للسمآء فاذ اذھبت النجوم اتی السماء ما تو عدوانا امنۃ لاصحابی فاذا ذھبت انا اتی اصحابی مایو عدون و اصحابی امنتہ لا متی فاذا ذھب اصحابی اتی امتی مایوعدون رواہ مسلم .(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابۃ)

یعنی :۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا ستارے آسمان کے امن کے باعث ہیں جب جاتے رہیں گے تب آسمان پر جو جو آفتیں آنے والی ہیں آجائیں گی۔ اور میں اپنے اصحاب کے لئے امن

ہوں جب میں رخصت ہوجاؤں گا تب صحابہ پر جو جو بلا اور مصیبتیں آنے والی ہیں سب آجائیں گی اور میرے صحابہ میری امت کے لئے امن ہیں جب اصحاب نہ رہیں گے تو امت پر جو جو فتنے اور فساد آنے والے ہیں سب ٹوٹ پڑیں گے ۔(مشکوٰۃ شریف ص۵۵۳)

(۵)اکرموا اصحابی فانھم خیار کم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ......الخ.

میری صحابہ کی عزت کرو وہ تم میں سب سے اچھے ہیں پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں اس کے بعد کذب پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ بلا قسم کھلائے قسم کھائیں گے۔بغیر بلائے گواہی دینے کے لئے تیار ہوجائیں گے۔(مشکوٰۃ شریف ص۵۵۴)

(۶)مامن احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً ونوراً لھم یوم القیامۃ .

میری صحابہ میں سے کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پائے گا وہ قیامت کے دن اس سرزمین والوں کے لئے قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔(مشکوٰۃ شریف ص۵۵۴ ترمذی شریف ج۲ ص۲۲۶)

صحابہ کے ان مناقب وفضائل کی بنا پر اہل سنت وجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ درجہ کے صحابی کی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔

''ہیچ ولی بمرتبہ صحابی نرسد اویس قرنیؒ باں رفعت شان کہ بشرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نرسیدہ بمرتبہ ادنی صحابی نرسد شخصے از عبداللہ بن مبارکؒ پرسید کہ ایہما افضل معاویہ ام عمر بن عبدالعزیز؟ در جواب فرمود الغبار الذی دخل انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبدالعزیز کذا مرۃ۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص۲۰۵ دفتر اول مکتوب نمبر۲۰۷)

ترجمہ:۔کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ، اویس قرنیؒ اپنی تمام تر بلندیٔ شان کے باوجود چونکہ آنحضرت ﷺ کی شرف صحبت سے مشرف نہ ہوسکے اس لئے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہ پہنچ سکے۔

کسی شخص نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ جواب میں فرمایا آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے۔

اللہ اکبر! کیا شان ہے صحبت رسول کی ،اس لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام خصوصاً مہاجرین وانصار سے بدگمانی رکھنا ان کو برا کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت اور شریعت الٰہیہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے ایسے شخص کے کفر کا اندیشہ ہے۔(خلفاء راشدین ص۶)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

واتفق اھل السنۃ علی وجوب الکف عما شجر بینھم والا مساک عن مساویھم واظھار فضائلھم ومحاسنھم .

اہل سنت نے اتفاق کیا ہے کہ جو اختلاف صحابہ کے درمیان ہوئے ہیں اس کے بارے میں سکوت کرنا اور

ان کی برائیوں کو بیان کرنے سے باز رہنا واجب ہے اوران کے فضائل محاسن کو ظاہر کرنا اوران کو بیان کرنا مناسب ہے۔(غنیۃ الطالبین ج ۱ص ۵۴)

علامہ ابن ہمام عقائد اسلامیہ پر اپنی مشہور کتاب ''مسامرہ'' میں فرماتے ہیں:۔

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوباً باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالىٰ عليهم الخ.

یعنی:۔عقیدہ اہل سنت والجماعت کا،تمام صحابہ کرام کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے اس طرح کہ ان سب کے عدول ہونے کو ثابت کیا جائے اوران پر کسی قسم کا طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے اوران کی مدح وثنا کی جائے جیسا کہ اللہ نے ان کی مدح فرمائی ہے۔(مسامرہ ص ۱۳۲ طبع دیو بند (مقام صحابہ ص ۷۹)

علامہ ابن تیمیہ ؒ شرح عقیدۂ واسطیہ میں فرماتے ہیں۔

ومن اصول اهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم والسنتهم لا صحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كما وصفهم الله تعالىٰ فى قوله والذين جاؤا من بعد هم (الا ية .الخ)

اہل سنت کے اصول عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا۔ **والذين جائو امن بعد هم .الخ**. (شرح عقیدۂ واسطیہ ص ۴۰۳ طبع مصر۔بحوالہ مقام صحابہ ص ۷۹)

علامہ سفارینیؒ فرماتے ہیں:۔

والذى اجمع عليه اهل السنة والجماعة انه يجب علىٰ كل واحد تزكية جميع الصحابة باثبات العدالة لهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم فقد اثنى الله سبحانه عليهم فى عدة ايات من كتابه العزيز ......الخ.

یعنی:۔اہلسنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کو پاک وصاف سمجھے ان کے لئے عدالت ثابت کرے ان پر اعتراض کرنے سے بچے،اوران کی مدح وتوصیف کرے،اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے۔الخ۔(عقیدہ سفارینی ج ۲ص ۳۳۸ بحوالہ مقام صحابہ ص ۸۰)

عقائد کی مشہور درسی کتاب شرح عقائد نسفیہ میں ہے۔ **ويكف عن ذكر الصحابة الا بخير** . (اسلام کا عقیدہ یہ ہے)صحابہ کرام کا ذکر بجز خیر اور بھلائی کے نہ کیا جائے۔(شرح عقائد نسفیہ ص ۱۱۶)

اسی طرح عقائد کی مشہور ومعروف کتاب ''شرح مواقف'' میں سید شریف جرجانیؒ نے مقصد سابع میں لکھا ہے۔

المقصد السابع انه يجب تعظيم الصحابة كلهم والكف عن القدح فيهم لان الله عظيم راثنى عليهم فى غير موضع من كتابه .الىٰ والرسول صلى الله عليه وسلم قد احبهم واثنىٰ عليهم فى الاحاديث الكثيرة.

یعنی :۔ تمام صحابہ کی تعظیم کرنا اور ان پر اعتراض کرنے سے بچنا واجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ عظیم ہے اور اس نے ان حضرات پر اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں مدح وثنا فرمائی ہے (آیات نقل کر کے بعد میں لکھتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان کی ثنا فرمائی ہے۔ (شرح مواقف)

مگر مودودی صاحب کو ان فیصلوں کا کچھ پاس نہیں ، بلکہ ان کے خود ساختہ اصول رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے ، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے...... الخ کے تحت ان کے نزدیک صحابہ وغیرہ پر تنقید کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

(۱) ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے۔ الخ۔ (تفہیمات ص ۲۹۳ جلد اول ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ جنوری ص ۱۹۷۹ء حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہد نبوی میں معیاری مسلمان تھے نہ اس کے بعد کبھی انکو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ معیاری مسلمان تو دراصل اس زمانے میں وہی تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن و حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کی رگ وپے میں قرآن کا علم اور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو۔ باقی رہے عوام تو اس وقت بھی ان معیاری مسلمانوں کے پیرو تھے اور آج بھی ہیں۔''
(تفہیمات ج ۱ ص ۳۰۹ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۳ء)

خدا تعالیٰ تو تمام صحابہ کے متعلق فرماتا ہے۔ ولکن اللہ حبب الیکم الا یمان الخ اور لا یستوی منکم من انفق. الی. و کلا وعد اللہ الحسنیٰ اور تمام مہاجرین وانصار کے متعلق ارشاد ہے۔ یبشرھم ربھم برحمة منه ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم اور حضور اکرم ﷺ مطلقاً ارشاد فرماتے ہیں۔ اصحابی کا لنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم . لیکن مودودی صاحب کو تمام صحابہ معیاری مسلمان نظر نہیں آتے غرض کہ یہاں بھی مودودی صاحب نے عوام صحابہ کی تنقیص کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ صحابۂ کرام میں باہمی فرق مراتب تھا لیکن صحابہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا صحابی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اور قطب سے افضل ہے۔ یہی اہل حق کا عقیدہ ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

(۳) مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں سورۂ آل عمران کی آیت ولقد عفا اللہ عنہم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''جس سوسائٹی میں سودخوری ہوتی ہے اس کے اندر سودخوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں سود لینے والے میں حرص وطمع ، خود غرضی اور...... دوسرا سود دینے والے میں نفرت وغصہ اور بغض وحسد پیدا ہو جاتی ہے میدان احد کی جنگ میں ان دونوں بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔'' (تفہیم القرآن ص ۲۸۸ ج ۱)

یعنی ابھی تک معاذ اللہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے صحابہ کے ذہن اور سیرت وکردار کی پوری قلب ماہیت نہ ہوئی تھی اور زمانۂ جاہلیت میں سودی لین دین کا جو رواج تھا اس کا اثر تا جنگ احد باقی تھا۔ معاذ اللہ۔

مودودی صاحب کے ایک رفیق مولوی صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں۔

(۴) ''برسوں کی تعلیم وتربیت کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کو (صحابہ کو) میدان جنگ میں لائے اور باوجود یہ کہ ان کی ذہنیت میں انقلاب عظیم رونما ہو چکا تھا مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابۂ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے۔ (ترجمان القرآن ۱۹۵۷ء ص ۲۱۲۔ مودودی مذہب ص ۵۹)

یہی مولوی صدر الدین صاحب حضرت ابوبکر صدیقؓ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اگرچہ غیرت انسانیت کا بہترین جوہر ہے لیکن اسلام اسے آزاد نہیں چھوڑتا اسے بھی اپنا تابع بناتا ہے۔ اسے اعتدال کی حدود سے باہر جانے نہیں دیتا، انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ کبھی نفس کے رجحانات سے مغلوب نہ ہو۔ جو کچھ کرے اور جو کچھ کہے نفسانیت اور جذبات سے عاری ہو کر محض خدا کے اس کی رضا جوئی کے لئے اور اس نظام عدل کی برقراری کے لئے اسلام کا یہ۔ اتنا۔ نازق ترین مطالبہ ہے اور اتنا نازک ہے کہ ایک مرتبہ صدیق اکبر جیسا بے نفس متورع اور سراپا للہیت انسان بھی اسے پورا کرنے سے چوک گیا۔ الخ۔ (ترجمان القرآن جنوری ۱۹۵۸ء مودودی مذہب ص ۶۶)

(۵) ''حضرت عمرو بن العاصؓ حقیقتاً بڑے مرتبے کے بزرگ ہیں اور انہوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنہیں غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں'' (مودودی مذہب ص ۸۴)

اور بھی جلیل القدر صحابہ پر خلافت وملوکیت میں تنقیدیں کی ہیں حالانکہ حدیث میں صراحۃً صحابہ کو ہدف تنقید بنانے سے روکا گیا ہے اور اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

(۱) عن عبدالله بن مغفل قال قال رسولُ اللهصلی اللهعلیه وسلم اللهفی اصحابی لا تتخذو هم من بعدی غرضاً فمن احبهم فبحبی احبهم و من ابغضهم فببغضی ابغضهم و من اذاهم فقد اذانی و من اذانی فقد آذی اللهومن آذی الله فیوشک ان یا خذه:۔

یعنی:۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، خبردار، میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا، جس نے ان سے محبت کی پس میری محبت کے سبب ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کے سبب ان سے بغض رکھا جس شخص نے میرے اصحاب کو تکلیف دی اس نے مجھے دکھ دیا اور اس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی عنقریب وہ عذاب میں پکڑ لیا جاوے گا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ)

اس حدیث میں غور کیجئے! حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو ''اصحابی'' فرمایا اور ان سے محبت کو اپنی محبت اور ان سے بغض کو ذات رسول (ﷺ) سے بغض کی علامت قرار دی۔ اس کے بعد بھی صحابۂ کرام کو آزادانہ تنقید کا نشانہ بنانا اور ان پر نکتہ چینی کرنا کیا یہ رسول اللہ سے بغاوت کے حکم میں نہیں ہے؟ (معاذ اللہ)

(۲) ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ **" اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللهعلی شر کم "** جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو خدا کی لعنت ہے تمہارے اس فعل بد پر۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۷۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ ایضاً)

(۳) لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مدا حدھم و لا نصیفه متفق علیه .

یعنی :۔ میرے صحابہ کو برا مت کہو (کیونکہ ان کا مرتبہ یہ ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (خیرات کرے) تو ان کے ایک مد بلکہ نصف مد (جو) کے برابر بھی نہیں ہوسکتا ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰، ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶، مشکوٰۃ ص ۵۵۳ ایضاً)

(۴) عن عویمر بن ساعدة انه صلی اللہ علیه وسلم قال ان اللہ اختار نی و اختارلی اصحاباً فجعل لی منھم وزراء و انصاراً فمن سبھم فعلیه لعنة اللہ و الملائکة و الناس اجمعین و لا یقبل اللہ منھم صرفاً و لا عدلاً .

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے صحابہ کو منتخب کیا ان کو میرا وزیر، مددگار اور رشتے دار بنادیا جوان کو برا کہے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی لعنت اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قبول نہ کرے گا ۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸ باب مناقب صحابہ)

(۵) غنیۃ الطالبین میں حدیث ہے ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی روایة انس رضی اللہ عنه ان اللہ عز و جل اختار نی و اختار لی اصحابی فجعلھم انصاری و جعلھم اصھاری و انه سیجئی فی اخر الزمان قوم ینقصو نھم الا فلا تأ کلوھم الا فلا تشار بوھم الا فلا تنا کحوھم الا فلا تصلوا معھم الا فلا تصلوا علیھم . علیھم حلت اللعنة . (غنیة الطالبین ج ۱ ص ۵۴)

یعنی :۔ حضرت انس ؓ نے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے منتخب کیا اور میرے لئے میرے صحابہ کو منتخب کیا پس ان کو میرا مددگار اور رشتے دار بنایا ۔ اور آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا جو صحابہ کا رتبہ کم کرے گا ۔ پس تم ان کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ ان (کی عورتوں) سے نکاح کرو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان پر جنازہ کی نماز پڑھو ان پر خدا کی لعنت نازل ہوئی ہے ۔ (غنیۃ)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے ۔

" لا تسبوا اصحاب محمد فلمقام احدھم ساعة خیر من عمل احدکم عمره "

یعنی :۔ برا نہ کہو اصحاب محمد ﷺ کو، ان میں سے کسی ایک کا ایک گھڑی عبادت کرنا بہتر ہے ۔ تم میں سے کسی ایک کے عمر بھر عبادت کرنے سے ۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۹)

(۷) حضرت ابن عمر ؓ سے ایک روایت ہے :۔ آپ فرماتے ہیں جس میں دس ۱۰ علامتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے ان میں سے ایک علامت یہ ہے " و لا یذکر احداً من الصحابة بسوءٍ " صحابہ میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے اور نہ کسی کی تنقیص کرے ۔ (تکملۂ بحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۳ کتاب الکراھیۃ)

(۸) ابو داؤد و ترمذی میں حضرت سعید ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ بعض لوگ امراء حکومت کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہتے ہیں تو حضرت سعید بن زید ؓ نے فرمایا افسوس میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے سامنے اصحاب نبی ﷺ کو برا کہا جاتا ہے اور تم اس پر نکیر نہیں کرتے اور اس کو روکتے نہیں (سن لو) میں نے رسول اللہ ﷺ کو

اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے (اور حدیث بیان کرنے سے پہلے فرمایا یہ بھی سمجھ لو مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کروں جو آپ نے نہ فرمائی ہو کہ قیامت کے روز جب میں حضور سے ملوں تو آپ مجھ سے اس کا مواخذہ فرماویں، یہ کہنے کے بعد حدیث بیان کی۔) ابوبکرؓ جنت میں ہیں عمرؓ جنت میں ہیں۔ عثمانؓ جنت میں ہیں۔ علیؓ جنت میں ہیں۔ طلحہؓ جنت میں ہیں۔ زبیرؓ جنت میں ہیں۔ سعد بن مالکؓ جنت میں ہیں۔ عبدالرحمان بن عوفؓ جنت میں ہیں۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ جنت میں ہیں۔ یہ تو حضرات صحابہ کا نام لے کر دسویں کا نام نہیں لیا جب لوگوں نے پوچھا دسواں کون ہے؟ تو ذکر کیا سعید بن زیدؓ (یعنی خود اپنا نام ابتداءً بوجہ تواضع کے ذکر نہیں کیا تھا لوگوں کے اصرار پر ظاہر کیا) اس کے بعد حضرت سعید بن زیدؓ نے فرمایا:۔" **والله لمشهد رجل منهم مع النبی صلی اللہ علیه وسلم یغبر فیه وجهه خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح** " خدا کی قسم ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا ہو غیر صحابہ سے ہر شخص کی عمر بھر عبادت وعمل سے بہتر ہے اگرچہ اس کو نوح علیہ السلام کے برابر عمر عطا ہو جائے۔''

(ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۹۱ کتاب السنہ باب فی الخلفاء)

(۹) روایت کی عدی نے ابن عائشہؓ سے مرفوعاً۔" **ان شرارمتی اجرؤهم علی اصحابی** "میری امت کے بدترین افراد وہ ہیں جو میرے اصحاب کی (برائی بیان کرنے میں) بہت جری ہوں'' (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۸۳)

(۱۰) عن النبی صلی اللہ علیه وسلم لان یلقی اللہ عبد بذنوب العباد خیر له' من ان یبغض رجلاً من اصحابی صلی اللہ علیه وسلم فانه ذنب لا یغفر له' یوم القیامة .(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۴۳)

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ کا خدا سے اس حال میں ملنا کہ وہ تمام بنی آدم کے گناہوں کا گٹھر باندھ کر سر پر رکھے ہوئے ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ خدا کے دربار میں اس حال میں حاضر ہو کہ میرے صحابہ میں سے کسی ایک صحابہ کی عداوت وبغض دل میں رکھتا ہو کیونکہ ایسے شخص کی قیامت کے دن بخشش نہ ہوگی۔ (خیر المونس ترجمہ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۳۰۲)

(۱۱) قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیه وسلم من احب اصحابی وازواجی واهل بیتی ولم یطعن فی واحد منهم وخرج من الدنیا علی محبتهم کان معی فی درجتی یوم القیامة (نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۴۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے صحابہ اور ازواج مطہرات اور اہل بیت سے محبت رکھے گا اور ان میں سے کسی پر طعن نہ کرے گا (کسی کی بدگوئی نہ کرے گا) اور ان کی محبت دل میں رکھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگا تو وہ قیامت کے روز میرے ساتھ ہوگا۔

سورۂ حشر میں حق تعالیٰ نے عہد رسالت کے موجودہ اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کا تین طبقے کر کے ذکر کیا ہے۔ پہلا مہاجرین کا جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا۔

او لئک هم الصادقون.

یعنی یہی لوگ سچے ہیں۔

دوسرا انصار کا جن کی صفات وفضائل ذکر کرنے کے بعد قرآن کریم نے فرمایا۔

اولئک هم المفلحون!

یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آنے والا ہے ان کے بارے میں فرمایا:۔

والذین جائوا من بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالا یمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا.(سورۂ حشر پ ۲۸)

اور وہ لوگ جو بعد میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بھی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ،اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں سے کوئی بغض نہ کرنا۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔آپ نقل فرماتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال الناس علی ثلث منازل قد مضت منزلتان وبقیت منزلةً فاحسن ما انتم کائنون علیه ان تکونوا. بهذا المنزلة التی بقیت ثم قرأ للفقراء المهاجرین الذین ...... الخ.

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں کے (مسلمانوں کے) تین طبقے ہیں، دو طبقے تو گذر چکے اب صرف ایک باقی رہ گیا ہے۔پس تمہاری بہترین حالت یہ ہے کہ جو طبقہ باقی رہ گیا ہے اس میں داخل ہو جاؤ۔

اس کے بعد انہوں نے للفقراء المهاجرن الذین اخر جوا من دیار هم وامو الهم الا یة کی تلاوت کی اور ان کو فرمایا کہ وہ مہاجرین کا طبقہ ہے اور یہ طبقہ گذر چکا ہے اس کے بعد والذین تبوء الدار و الا یمان کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ انصار کا طبقہ ہے یہ بھی گذر چکا اس کے بعد والذین جاؤ امن بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان الخ کی تلاوت کی اور کہا کہ وہ دونوں طبقے تو گذر چکے اب یہی ایک طبقہ باقی ہے لہذا تمہاری بہترین حالت یہ ہے کہ اس تیسرے طبقہ میں تمہارا شمار ہو جائے۔(ازالۃ الخفاء مقصد اول۔فصل ششم ج ۲ ص ۲۴۵۔۲۴۶)

عن الضحاک والذین جائوا من بعدهم . امروا بالا ستغفار لهم وقد علم ما حد ثوا.الخ.

ضحاک سے والذین جاؤ من بعدھم کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کو حکم ملا تھا کہ صحابہ کے لئے استغفار کریں مگر اب دیکھو لوگ کیسی بدعت کر رہے ہیں۔(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۶)

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت امروا ان یستغفر والا صحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فسبو هم ثم قرأت هذه الاية والذين جائو امن بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان .

یعنی :۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحاب ﷺ کے لئے استغفار کریں مگر لوگوں نے (بجائے استغفار کرنے کے) ان کی بدگوئی شروع کردی یہ کہہ کر انہوں نے بھی والذين جائو ا من بعدهم يقولون الخ کی تلاوت فرمائی ۔(ازالۃ الخفاء ج۱ص ۲۴۶)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ' سمع رجلاً وهو يتنا ول بعض المها جرين فقرأ للمهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم الخ ثم قال هولاء المهاجرين افمنهم انت؟ قال لا ثم قرء عليه والذين تبوو الدار والا يمان الأ ية . قال هولاء الا نصار . افمنهم انت قال لاثم قراء والذين جائو امن بعد هم الا ية قال افمن هؤ لاء انت ؟ قال ارجوا . قال لا ليس من هو لاء من سب هو لاء .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ مہاجرین میں سے کسی پر اعتراض کرتا ہے تو انہوں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم اور اس سے فرمایا یہ تو مہاجرین کا بیان ہے کیا تو اس گروہ میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی والذين تبوؤا الدار وا لا يمان اور فرمایا یہ انصار کا بیان ہے کیا تو اس گروہ میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ والذين جائو امن بعد هم اور فرمایا کیا تو اس گروہ میں سے ہے؟ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی ہی رکھتا ہوں، فرمایا کہ نہیں۔ اس گروہ میں سے وہ شخص نہیں ہوسکتا جو پہلے دونوں گروہوں کی بدگوئی کرے۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۶)

ومن وجه اخر عن ابن عمر رضی اللہ عنه انه بلغه ان رجلاً قال من عثمان رضی اللہ عنه فدعاه فاقعده' بين يديه فقرأ عليه للفقراء المهاجرين قال امن هؤلآء انت ؟ قال لا ثم قرأ والذين تبوؤ ا الدار والا يمان الا ية ثم قال من هؤ لاء انت ؟ قال لا ثم قرأ والذين جاء وا من بعد هم يقولون ربنا اغفرلنا الخ قال امن هؤلاء انت ؟ قال ارجوا ان اكون منهم قال لا والله لايكون منهم من تناولهم وكان فى قلبه الغل عليهم.

یعنی :۔ایک دوسری سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو یہ خبر ملی کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتا ہے کہ آپ نے اس کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھلایا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی للفقراء المهاجرين الخ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی والذين تبوؤ الدار والا يمان الخ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی والذين جاؤا من بعدهم الخ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی ہی رکھتا ہوں کہ میں ان میں سے ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا نہیں۔ اللہ کی قسم ان میں سے وہ شخص نہیں ہوسکتا جو مہاجرین وانصار پر اعتراض کرے اور اس کے دل میں ان کی عداوت ہو۔ (ازالۃ الخفاج ۲ص ۲۴۶ فصل ششم)

ابوعروہ زبیریؒ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم امام مالکؒ کی خدمت میں تھے۔ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو

بعض صحابۂ کرام کو برا کہتا تھا امام مالکؒ نے یہ آیت محمد رسول اللہ...... لیغیظ بھم الکفار تک تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا جس شخص کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کے متعلق غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے یعنی اس کا ایمان خطرے میں ہے کیونکہ آیت میں کسی صحابی سے غیظ کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸) (مقام صحابہ ص ۴۰)

نیز امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔ من ابغض الصحابة وسبهم فليس له في المسلمين حق. جو صحابۂ کرام سے بغض رکھے اور ان کو برا کہے تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حق نہیں۔ مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو شخص امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی تنقیص کرے کیا وہ رافضی ہے؟ فرمایا ان پر وہی جرأت کر سکتا ہے۔ جس کے دل میں خباثت چھپی ہو اور جو بھی کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہے۔ اس کے دل میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ جلد ۸ بحوالہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۸ء)

نیز امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔ لا يجوز لا حد ان يذكر شيئاً من مساويهم ولا ان يطعن علىٰ احد منهم بعيب ولا نقص فمن فعل ذلک وجب تأ ديبه' وقال الميمونى سمعت احمد يقول مالهم ولمعاوية نسأل الله العافية وقال لى يا ابا الحسن اذا رأيت احداً يذكر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوء فاتهمه على الا سلام.

یعنی کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی (صحابہ کی) کوئی برائی ذکر کرے اور ان پر کسی عیب یا کسی نقص کا حکم لگائے جو شخص ایسا کرے اس کی تادیب واجب ہے۔

اور (ان کے شاگرد) میمونیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی برائی کرتے ہیں ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔ (الصارم المسلول بحوالہ مقام صحابہ ص ۷۷)

امام ابوزرعہ رازی جو امام مسلمؒ کے اجلہ شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

"اذا رأيت الرجل ينقص احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذلك ان القران حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادى ذلك الينا كل الا الصحابة فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به اليق والحكم عليها الزندقة والضلالة اقوم واحق"

یعنی:۔ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہیں، اور جو کچھ رسول لائے ہیں وہ برحق ہے اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہی ہیں تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے تو کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ پس خود اسی کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس پر گمراہی و زندقہ کا حکم لگانا بالکل صحیح اور انصاف ہے۔ (فتح المغیث ص ۳۷۵) (مظاہر حق ج ۴ ص

۵۷۸)

شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ مـا آمن برسول اللّٰہ من لم یوقر اصحابہ جس نے اصحاب رسول کی توقیر نہ کی وہ (گویا) حضور اکرم ﷺ پر ایمان ہی نہیں لایا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۴۶ مکتوب نمبر ۲۴ فارسی)

اسی طرح ایک دوسرے بزرگ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں:

"وہ شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لایا جو آپ کے اصحاب کرام کی تعظیم اور توقیر اور آپ کے اصحاب کی عزت نہ کرتا ہو۔ (شمیم الریاض ترجمہ شفا قاضی عیاضؒ ج ۲ ص ۵۸) (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔ " یا ویل من ابغضھم او سبّھم او سب بعضھم الیٰ قولہ فاین ھؤلاء من الایمان بالقران اذ یسبون من رضی اللّٰہ عنھم"

یعنی:۔ عذاب اہم ہے ان لوگوں کے لے جو ان حضرات (صحابہ) سے یا ان میں بعض سے بغض رکھے یا اُن کو برا کہے ایسے لوگوں کو ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ! جو ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ نے راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔ (ابن کثیر بحوالہ مقام صحابہ ص ۴۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"ونکف السنتنا عن ذکر الصحابۃ الا بخیر وھم ائمتنا و قادتنا فی الدین وسبھم حرام وتعظیمھم واجب" ہم لوگ صحابہ کا صرف ذکر خیر ہی کریں گے وہ ہمارے دینی امام اور مقتدا ہیں ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم ہم پر واجب ہے۔" (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"بالیقین ایں جماعت ہم درحکم انبیاء خواہند بود...... الخ یقیناً صحابۂ کرام کی جماعت بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حکم میں ہوگی پس جس طرح کسی نبی پر تنقید نہیں کی جا سکتی اور ان کی بات واجب التسلیم ہوتی ہے بوجہ دلائل قطعیہ یقینیہ کے اسی طرح صحابۂ کرام پر بھی تنقید کرنے کی نیت تک کرنا بد دینی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ (تحفۂ اثناء عشریہ ص ۵۲۹)

امام سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"جس نے یہ گمان کیا کہ علیؓ شیخین سے زیادہ مستحق خلافت تھے اس نے ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) اور تمام مہاجرین و انصار کو خطا پر سمجھا اور میں نہیں سمجھتا کہ ان سب کو خطا پر سمجھنے کے بعد اس کا کوئی نیک کام آسمان تک جا سکے" (ازالۃ الخفاء ص ۲۴۴ مقصد اول فصل چہارم)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"دلوں کی سب سے بڑی ناپاکی اور مرض یہ ہے کہ انسان کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کھوٹ ہو جو

اخیار مؤمنین اور انبیاء کے بعد اولیاء اللہ کے سر گروہ اور سر تاج تھے اسی لئے مال غنیمت (فیٔ) میں انہی لوگوں کا حصہ رکھا گیا ہے، جو مہاجرین وانصار اور سابقین اولین کی طرف سے دل میں کھوٹ نہ رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعا واستغفار کرتے ہوں۔ والذین جاء وا من بعد هم الخ اور ان لوگوں کے لئے بھی (مال فیٔ ہے) جو مہاجرین کے بعد آئے۔ دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے اے ہمارے رب بے شک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (منہاج السنۃ بحوالۂ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ۲ ص ۲۹۹۔۳۰۰)

نیز آپ فرماتے ہیں:۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد خیر امت حضرت ابوبکرؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد بقیہ تمام صحابہ خیر الناس ہیں۔ کسی کے لئے زیبا نہیں ہے کہ ان کا نام ذرہ برابر برائی کے ساتھ لے یا ان پر طعن کرے یا عیب جوئی کرے۔ اور جو یہ کام کرے حکومت اسلامی پر شرعاً واجب ہے کہ وہ ایسے خبیث کو سزا دے، اور اس کو معاف نہ کرے۔ اس سے توبہ کرائے اگر صدق دل سے توبہ کرلے تو قبول کرلی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو سزا جاری رکھے اور اس کو قید کردے تا آنکہ توبہ کرے یا مر جائے ۔ (الصارم المسلول ص ۵۷۳)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔ فضائل صحابہ سے وہی شخص واقف ہے جو ان کے حالات اور ان کی زندگی سے واقف ہو، حضور اقدس ﷺ کی زندگی میں اور وصال کے بعد۔ ان کا ایمان میں تقدم اور کفار سے جہاد اور دین کا پھیلانا اور شعائر اسلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کلمہ بلند کرنا اور فرائض وسنن کی تعلیم۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو دین کی کوئی اصل یا فرع ہم تک نہیں پہنچتی اور ہم کسی سنت یا فرض سے واقف نہ ہوتے اور نہ حضور اقدس ﷺ کی احادیث اور حالات ہم تک پہنچتے۔ لہذا جو ان کی شان میں گستاخی کرے وہ دین سے نکل گیا۔ اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہوگیا۔ اس واسطے کہ کسی میں طعن کرنا اس وقت تک نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ان کی برائیوں کو دل میں جگہ نہ دے۔ اور بغض دل میں نہ ہو اور جب تک کہ ان فضائل کا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے ان کا منکر نہ ہو اور جب تک ان فضائل ومناقب اور صحبت جو حضور اقدس ﷺ کو ان سے تھی ان کا منکر نہ ہو۔ اور اس وجہ سے بھی طاعن صحابہ دین سے نکل گیا کہ یہ صحابہ ہی ماثور ومنقول ہیں بہترین وافضل ترین وسیلہ ہیں اور وسیلہ پر طعن اصل پر طعن شمار ہوتا ہے اور ناقل پر عیب لگانا منقول پر عیب لگانا ہے۔ اور یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو غور وفکر کرے اور نفاق وزندقہ اور الحاد سے اس کا عقیدہ پاک ہو۔ الخ ۔ (شریعت وطریقت کا تلازم ص ۲۲۔۲۳، از حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ قدہٗ۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ایں قسم بزرگواراں را بدیاد کردن وسوء ظن بایشاں نمودن چہ دور از انصاف ودیانت است'' اس قسم کے بزرگواروں کو برائی سے یاد کرنا اور ان سے بدظن ہونا انصاف ودیانت سے کس قدر دور ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۴۸ فارسی)

مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ فرماتے ہیں:

ائمہ کو برا کہنے سے آدمی چھوٹا رافضی ہوتا ہے اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرنا یہ اصل رفض ہے۔'' (تنقیح

التنقید ص ۱۰)

خلاصۂ کلام یہ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے فیض یافتہ ہیں ۔ آپ کی مصاحبت سے ان کا قلب منور اور باطن بالکل صاف ہو چکا تھا اس لئے انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ ان کی گستاخی کر کے اپنی آخرت برباد نہ کرے ۔ آخر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مقولہ جو لوح قلب پر نقش کرنے کے قابل ہے وہ ملاحظہ فرمائیے :۔

والیضاً رذائلی کہ منافی شفقت ومہربانی ست واز ذمائم اخلاق است از حسد وبغض وکینہ وعداوت درحق جماعۃ کہ بشرف صحبت خیر البشر مشرف گشتہ اند علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات چگونہ متصور شود کہ بہترین ایں امت کہ خیر الامم است ایشانند وسابق ترین ایں ملت کہ ناسخ الملل است ہم ایشاں کہ قرن ایشاں بہترین قرون بودہ است وصاحب ایشاں افضل ترین انبیاء ورسل بودہ اگر ایشاں بایں صفات ردیہ موصوف باشند کہ کمینہ ایں امت مرحومہ راازان ذمائم عار است ایشاں چرا بہترین ایں امت باشند وایں امت بکدام وجہ خیر الامم بودہ اسبقیت ایمان واولیت انفاق اموال وبذل انفس راچہ مزیت وفضیلت باشد وخیریت قرن راچہ تاثیر فضل صحبت خیر البشر راعلیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام چہ اثر باشد جماعۃ کہ در صحبت اولیائے ایں امت زندگانی میمایند ازیں رذائل نجات می یابند جمعی کہ در صحبت افضل الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات عمر خود را صرف کردہ باشند واز برائے تائید ونصرت دین او بذل اموال وانفس نمودہ ند چہ احتمال داود کہ ایں ذمائم درحق شاں تو ہم نمودہ آید مگر آنکہ عظمت وبزرگی خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ ازنظر ساقط شود ۔ عیاذاً باللہ وصحبت اوعلیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ازصحبت ولی امت ناقص تر متوہم کرد ۔ نعوذ باللہ سبحانہ ۔ حال آنکہ مقرر است کہ ہیچ ولی امتی مرتبۂ صحابی آں امت نرسد فکیف بہ نبی آں امت (مکتوبات امام ربانی فارسی ج ۳ ص ۴۵ ۔ ۴۶) مکتوب نمبر ۴۔

نیز وہ رذائل یعنی کمینہ صفتیں جو شفقت ومہربانی کے منافی ہیں اور برے اخلاق میں سے ہیں ان لوگوں کے حق میں جو حضرات خیر البشر کی شرف صحبت سے مشرف ہوئے ہیں حسد اور بغض اور کینہ ۔ کس طرح متصور ہو سکتا ہے ۔ جو تمام امتوں میں سے بہتر امت کے بہترین افراد ہیں اور تمام مذہبوں کو منسوخ کرنے والے مذہب کے سابق ترین ہیں ۔ جن کا (یعنی صحابہ کا) زمانہ تمام زمانوں سے بہترین زمانہ تھا اور ان (صحابہ) کا صاحب تمام نبیوں اور رسولوں سے فضیلت والا تھا اگر یہ لوگ (صحابہ) ردی صفتوں سے موصوف ہوں جن سے اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو عار آتی ہے (اگر خدانخواستہ یہ صفات ردیہ صحابہ کی اندر ہوں) تو پھر یہ لوگ (صحابہ) کس طرح امت میں سے بہتر ہوں گے اور یہ امت کس اعتبار سے خیر الامم ہوگی ۔ اور ایمان میں سب سے اول اور بڑھ کر ہونا اور مال وجان کو سب سے بڑھ کر خرچ کرنا کیوں زیادت اور فضیلت کا باعث ہوگا ، اور خیر القرون کی کیا تاثیر ہوگی ۔ اور حضرت خیر البشر ﷺ کی فضل صحبت کا کیا اثر ہوگا ؟ وہ لوگ جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں کچھ مدت رہتے ہیں وہ ان رذیلہ صفتوں سے نجات پا جاتے ہیں ، تو وہ لوگ جنہوں نے حضرت افضل الرسل ﷺ کی صحبت میں اپنی عمریں صرف کی ہیں اور دین کی تائید اور مدد کے لئے اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے حق میں اس قسم کی بری خصلتوں کا وہم کیا جائے ۔ سوائے اس کے کہ حضرت خیر البشر کی عظمت وبزرگی ۔ نظر سے گر جائے اور ان کی صحبت ایک ادنیٰ امتی کی صحبت سے بھی ناقص سمجھی جائے ۔ نعوذ باللہ منہا ۔ حالانکہ مقرر ہے کہ امت کا کوئی ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا تو

اس امت کے نبی کے درجہ کو کیسے پا سکے گا۔ (مکتوبات امام ربانی اردو ج ۳ ص ۶۱ مکتوب نمبر ۲۴)

مرحوم اکبرالہ آبادی نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور مودودی

خلیفۂ راشد حضرت عثمان عظیم المرتبت اور جلیل المنقب صحابی ہیں، آپ سابق الاسلام ہیں جن کے متعلق اللہ کا خصوصی اعلان ہے **رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ السابقون السابقون اولئک المقربون فی جنت النعیم**، آپ نہایت عفیف وباحیا تھے، آپ نے دو ہجرتیں کیں اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی نہایت صابر اور متحمل تھے، قبل از اسلام بھی کبھی بت پرستی نہیں کی تمام غزوات میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے، غزوۂ بدر میں جناب رسالت مآب حضور ﷺ کی اجازت سے آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے لیکن آپ ﷺ نے ان کو شریک قرار دیا اور مثل شرکاء کے حصہ دیا۔ اور بیعۃ رضوان کے موقعہ پر جب کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو مکہ مکرمہ بھیجا اور یہاں آپ علیہ السلام نے موت وجہاد پر صحابہ سے بیعت کی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ **ان عثمان فی حاجۃ اللہ وحاجۃ رسولہ فضرب باحدی یدیہ علی الاخریٰ الخ**. کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں ہے پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور آپ نے ان کی طرف سے غائبانہ بیعت کی، لہذا آپ بھی اس بیعت رضوان میں شامل ہیں۔ جن کے متعلق اللہ نے اپنی رضامندی کی بشارت سنائی۔ (سورۂ فتح پ ۲۶)

آپ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد فوراً رسول خدا ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ جب کفار نے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر کمر باندھی تو آپ حضرت رقیہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں کہ مع اہل بیت ہجرت کی ان کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرا دیا جب ان کا بھی انتقال ہوا تو فرمایا میری اور کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان کے ساتھ کر دیتا۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ بلا طلب نبی نے اپنی بیٹی نکاح میں دی، آپ نے اسلام کی مالی خدمت بھی خوب کی اور بڑی اچھی اچھی دعائیں حضور ﷺ کی حاصل کیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر سامان جہاد کے علاوہ آپ ﷺ اور صحابہ کے کھانے کا سامان کئی اونٹوں پر لدا ہوا حاضر کیا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا کہ یا اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی رہ اور صحابۂ کرام سے فرمایا کہ تم بھی عثمان کے لئے دعا کرو چنانچہ رسول

اللہ ﷺ کے ساتھ سب نے دعا مانگی، اور اسی موقع پر آپ نے فرمایا ماضر عثمان ما عمل بعد الیوم یعنی آج کے بعد عثمان جو چاہیں کریں کوئی کام ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

ایک مدت تک کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد رہی۔ تمام اعمال صالحہ میں آپ کو منجانب اللہ عظیم الشان توفیق عطا ہوئی تھی۔ نماز تہجد کی یہ حالت تھی کہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور قریب قریب پوری رات عبادت کرتے تھے نماز تہجد میں روزانہ ایک ختم قرآن کا معمول تھا صائم الدہر تھے سوائے ایام ممنوعہ کے کسی دن روزہ ناغہ نہ ہوتا تھا۔ جس روز شہید ہوئے اس روز بھی روزے سے تھے۔ صدقہ وخیرات کرنے میں اپنی مثال آپ تھے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرنے کا معمول تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں سخت قحط پڑا اس وقت حضرت عثمانؓ کے ایک ہزار اونٹ غلہ کے آئے آپ نے وہ تمام فقراء کو تقسیم کردیا۔ (خلفاء راشدین ملخصاً ص ۱۱۹، ص ۱۲۰، ص ۱۲۱)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔ عن عمر قال ما احداحق بهذ الامر من هؤلاء النفر الذين توفى رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم وهو عنهم راض فسمى علياً وعثمان والزبير وطلحة وسعداً وعبدالرحمن بن عوف . (راوہ البخاری)

حضرت عمرؓ نے فرمایا خلافت کا حق دار ان لوگوں سے زیادہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک راضی رہے پھر آپ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام لیا (صحیح بخاری)

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انتہائی غور وفکر اور اکابر صحابہ اور بے شمار لوگوں سے مشورے کے بعد حضرت عثمانؓ کو خلیفۂ ثالث منتخب کیا اور حضرت علیؓ سمیت تمام حضرات صحابہ نے بالاتفاق آپ سے بیعت کی۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں "لہذا علماء فرمودہ اند کہ آنقدر اتفاق اجماع کہ بر خلافت حضرت ذی النورینؓ بحصول پیوستہ است بر خلافت ہیچ یکے از حضرات خلفاء ثلثہ دیگر بحصول نہ پیوستہ زیرا کہ در بدو خلافت او رضی اللہ عنہ چوں بکنوں تردد بودہ۔ (مکتوبات امام ربانی فارسی ج ۳ ص ۴۵ مکتوب نمبر ۲۴)

ترجمہ:۔ اور حضرت ذی النورین کی خلافت صحابۂ کرام کے اجماع سے ثابت ہوچکی ہے اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ جس قدر اتفاق واجماع حضرت ذی النورین کی خلافت پر حاصل ہوا ہے حضرات خلفاء ثلثہ میں سے کسی کی خلافت پر اتنا حاصل نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خلافت کے ابتداء ہی میں چونکہ ایک قسم کا تردد تھا اس لئے اس زمانہ کے لوگوں نے اس بارے میں بڑی احتیاط سے توجہ کی ہے۔ (مکتوبات ج ۳ ص ۶۳)

آپ کی خلافت کے زمانہ میں بھی بہت سے شہر اور علاقے اسلام کے تصرف میں داخل ہوئے مثلاً ہمدان، آذربائیجان، قیروان، اندلس، قبرس، گازرون، قلعہ سفید، سیرجان، ماژندران نیشاپور، طوس، عبس: ہرات، بلخ، مصیصہ، قسطنطنیہ، قرطبہ۔

کہتے ہیں کہ آپ کی خلافت کے زمانہ میں اس قدر مال غنیمت آیا کہ گھوڑے کی قیمت ایک ہزار درہم اور اونٹ کی قیمت ایک ہزار درہم ہوگئی تھی اور آپ کی خلافت کے ایام مثل حضرت عمرؓ کی خلافت کے ایام کے تھے۔

حاصل کلام آپ کے مناقب بہت ہیں احادیث میں بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی منقبت بیان

فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

(۱) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لکل نبی رفیق فی الجنۃ ورفیقی فیھا عثمان ۔ ہر نبی کا جنت میں رفیق ہوگا اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہیں ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے کہ آپ کی پنڈلی مبارک کھل گئی اس حالت میں حضرت ابو بکرؓ نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے اور حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور پنڈلی کو ڈھک لیا۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) ان سب کے جانے کے بعد میں نے پنڈلی چھپانے کی وجہ دریافت کی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ **الا استحیی من رجل تستحیی منہ الملائکۃ** میں اس آدمی سے کیوں شرم نہ کروں جس سے فرشتے شرم وحیا کرتے ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

(۳) **وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عثمان احیا امتی واکرمھا، وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشد امتی حیاءً عثمان.** (نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۲۷۳)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عثمان میری امت میں سب سے زیادہ حیادار اور کریم وسخی ہیں۔

وقال عثمان رضی اللہ عنہ مالمست فرجی بیمینی لانی لمست بھا یدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . (نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۲۷۳)

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں نے داہنے ہاتھ سے کبھی اپنی شرم گاہ نہیں چھوئی، کیونکہ میں نے اس سے آنحضرت ﷺ کا دست مبارک چھوا تھا۔

(۴) **قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا مکثنا اربعۃ ایام ما طعمنا شیئاً فدخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا عائشۃ ھل اصبتم شیئاً بعدی قلت لا فتوضأ وخرج یصلی ھھنا مرۃً ھھنا مرۃً ویدعو فجاء عثمان رضی اللہ عنہ اٰخر النھار فقال این رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبر تہ الخبر فبکیٰ ثم خرج عثمان وبعث لنا ادقیقاً وتمراً وغیرہ ثم قال ھذ یبطئی علیکم فارسل خبزاً ولحماً مشویاً ثم جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ھل أ صبتم شیئاً فاخبر تہ بما فعلہ عثمان فلم یجلس حتیٰ خرج الی المسجد ورفع یدیہ وقال اللھم انی رضیت عن عثمان فارض عنہ اللھم انی رضیت عن عثمان فارض عنہ اللھم انی رضیت عن عثمان فارض عنہ .** (نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۲۶۷، ۲۶۸)

یعنی:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم پر چار دن متواتر گذر گئے کہ ہمیں کھانے کی کوئی چیز نہیں ملی۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آکر فرمانے لگے عائشہ! کیا تمہیں میرے جانے کے بعد کھانے کی کوئی چیز ملی، میں نے کہا نہیں، آپ وضو کر کے نماز کے لئے نکلے کبھی یہاں نماز پڑھتے ہیں تو کبھی وہاں

(دوسرے گوشہ میں) اور دعا کرتے ہیں، جب دن کا آخری حصہ ہوا (شام ہونے لگی) تو حضرت عثمان آئے اور کہنے لگے کہ آنحضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟ میں نے سارا واقعہ بیان کیا ہے۔ آپ یہ سن کر رونے لگے پھر گھر جا کر ہمارے لئے آٹا اور کھجوریں بھیجیں پھر فرمایا کہ اس کے پکانے میں تو دیر لگے گی میں تیار کھانا تمہارے لئے بھیجتا ہوں چنانچہ آپ نے ہمارے لئے بھنا ہوا گوشت روٹی بھیجی اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے فرمانے لگے عائشہ! کیا تمہارے پاس کہیں سے کھانا آیا میں نے حضرت عثمانؓ کا آنا اور ان کی ہمدردی اور کھانے کے بھیجنے کا ذکر کیا یہ سن کر آپ نہایت خوش ہوئے اور گھر میں بیٹھے تک نہیں مسجد میں جا کر ہاتھ پھیلا کر فرمانے لگے الٰہی! میں عثمان سے خوش ہوں تو بھی ان سے راضی ہو، تین دفعہ آپ نے یہی الفاظ فرمائے۔ (نزہۃ المجالس)

وقال ابو سعيد الخدری رضی اللّٰہ عنه رأيت النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم من اول الليل الیٰ ان طلع الفجر يدعو لعثمان.(نزهة المجالس ج۲ ص ۲۶۸)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو اول شب سے آخر رات تک حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کرتے دیکھا۔

(۵) وعن النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم انه قال غفر اللّٰہ لک يا عثمان ما قدمت وما أخرت وما هو كائن الی يوم القيامة .(نزهب المجالس ج۲ ص ۲۶۸)

آنحضور ﷺ نے فرمایا عثمان! خداتعالیٰ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ اور جو قیامت تک ہونے والا ہے سبھی تو بخش دیا۔

(۶) وقال علی رضی اللّٰہ عنه فی قوله تعالیٰ ان الذين سبقت لهم منا الحسنیٰ هو عثمان بن عفان .(نزهة المجالس ج۶ ص ۲۶۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آیۃ۔ ان الذين سبقت لهم منا الحسنی .حضرت عثمانؓ کے متعلق نازل ہوئی۔

(۷) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما عن النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم يشفعن عثمان فی سبعين الفاً ممن قد استوجبوا النار حتی يدخلهم الجنة.(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲.۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب نبی ﷺ نے فرمایا کہ عثمان ان ستر ہزار لوگوں کی سفارش کریں گے۔ جنہوں نے دوزخ کے عذاب کا استحقاق حاصل کرلیا ہوگا۔ آپ ان کی شفاعت کرکے جنت میں لی جائیں گے۔

(۸) عن ابی هريرة رضی اللّٰہ عنه وابن عباس رضی اللّٰہ عنه ايضاً ان النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم قال لعثمان رضی اللّٰہ عنه انت ذوا لنورين قال يارسول اللّٰہ لم سميتنی بذی النورين قال لانک تقتل وانت تقرأ سورة النور .(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۸۱)

یعنی! حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان سے فرمایا اے عثمان تم ذوالنورین ہو کہا اے رسول خدا آپ نے میرا نام ذوالنورین کیوں رکھا؟ فرمایا اس لئے کہ جس

وقت تمہیں باغی شہید کریں گے تم سورۂ نور پڑھ رہے ہوں گے۔

(۹) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ یوتی بعثمان و أوداجہ تشخب دماً اللون لون الدم والریح ریح المسک ویکسیٰ حنتین من نور وینصب لہ منبر علی الصراط فیجوز المؤمنون بنوری ولیس لمبغضہ نصیب .(نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۱۷۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب قیامت برپا ہوگی تو عثمان میدان حشر میں لائے جائیں گے اور ان کی گردن کی رگوں سے خون کی فوارے چل رہے ہوں گے، خون کا رنگ تو خون ہی جیسا ہوگا مگر اس میں خوشبو مشک جیسی ہوگی، انہیں نور کے دو بیش قیمت جلے پہنائے جائیں گے۔ اور پل صراط پر ایک منبر نصب کیا جائے گا جس پر وہ بیٹھیں گے اور ایماندار ان کے نور میں پل صراط عبور کر جائیں گے۔ مگر انکے دشمنوں کے لئے اس سے کوئی حصہ نہ ہوگا۔

(۱۰) ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پر تشریف لے گئے۔ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی حضور ﷺ نے پاؤں مبارک پہاڑ پر مارا اور فرمایا۔ " اسکن احد لیس علیک الا نبی و صدیق و شھیدان احد" ! ساکن ہو جا تیرے اوپر اور کوئی نہیں ہے صرف ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری شریف ص ۵۲۳)

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ یا عثمان لعل اللہ یقمصک قمیصاً فان ارادوک علی خلعہ فلا تخلعہ لھم .

یعنی ! اے عثمان امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا پھر اگر وہ لوگ تمہارے اوپر سے قمیص اتارنے کا ارادہ کریں تو ان کی (درخواست پر) اس قمیص کو نہ اتارنا (یعنی اگر خلافت سے معزول کرنا چاہیں تو معزول نہ ہونا۔) (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۲) (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴)

(۱۲) مرہ بن کعبؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں۔ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ذکر الفتن فقربھا فمر رجل مقنع فی ثوب فقال ھذا یومئذ علی الھدیٰ فقمت الیہ فاذا ھو عثمان بن عفان الخ.

یعنی :۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "میرے بعد تمہارے درمیان فتنے اور حوادثات ظاہر ہوں گے۔ اور ان کو بہت اہمیت سے بیان فرمایا اتنے میں حضرت عثمان بن عفانؓ کپڑا اوڑھے ہوئے ادھر سے گذرے آپ نے فرمایا اس دن یہ شخص راہ حق پر ہوگا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۱) (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲)

اور آیۂ تمکین (الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ الخ) میں یہ مضمون وارد ہے کہ مہاجرین میں سے جو شخص بھی خلیفہ ہوگا اس کی خلافت پسندیدہ ہوگی اور زمانۂ خلافت میں وہ وہی کام کرے گا جو مرضیٔ الٰہی ہوں گے۔ (خلفاء راشدین ص ۱۴۰)

(۱۳) ایک حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی سے ایک

راز کی بات کہوں۔عرض کیا گیا ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔فرمایا نہیں۔عرض کیا گیا عثمان حاضر ہیں فرمایا ہاں! اور ان کو تنہائی میں لے جا کر کچھ فرمایا۔جس سے حضرت عثمانؓ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دن آیا اور بلوائیوں نے آپ کو آ گھیرا تو آپ نے فرمایا جو راز کی بات جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی وہ یہ ہے کہ تو اس دن ثابت قدم رہنا اب میں نقض عہد نہ کروں گا۔

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنۃ فقال یقتل ھذا فیھا مظلوماً العثمان۔

یعنی:۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔تم لوگوں کے درمیان فتنے پیدا ہوں گے اور اس میں یہ یعنی حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کئے جائیں گے۔(ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۲)(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲)

(۱۵) روایت ہے کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کے چہرہ کے طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا اور خوب روئے اور فرمایا اے عثمان! آپ کو ظالم قتل کردیں گے آپ اس روز ثابت قدم رہنا اور اپنے اوپر سے صبر وتحمل کا لباس علیٰحدہ نہ کرنا۔

(۱۶) ابوحبیبہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت عثمانؓ محصور تھے اس وقت حضرت ابوہریرہؓ نے آپ سے گفتگو کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی،بات چیت کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کھڑے ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا۔سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انکم ستلقون بعدی فتنۃً واختلافاً فقال لہ' قائل من الناس فمن الناس یا رسول اللہ او ماتأ مرنا بہ (ای من نتبعہ' فیکون لنا العاقبۃ) قال علیکم بالا میر واصحابہ وھو یشیر الیٰ عثمان.

یعنی:۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے میرے بعد تمہارے درمیان فتنے اور اختلافات ظاہر ہوں گے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اس وقت ہم کس کی اتباع کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم پر امیر کی اور ان سے اصحاب کی متابعت لازم ہے اور آپ ﷺ حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ فرمار ہے تھے۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲،ص ۵۶۳)

(۱۷) بخاری شریف میں ہے۔ایک موقعہ پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا" بشرہ بالجنۃ معھا بلاء یصیبہ (ج ۲ ص ۱۰۵۲) وفی روایۃ " علیٰ بلویٰ ستصیبہ" (ج ص ۵۲۲) ان کو (حضرت عثمانؓ کو) جنت کی بشارت دے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ان کو ایک آزمائش میں مبتلا ہونا ہوگا۔''

آخر الذکر احادیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضور کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ۔حوادثات اور فتن ظاہر ہوں ،اور حضرت عثمان خلیفہ بنائے جائیں گے اور آپ پر امتحان اور آزمائشیں آئیں گی اور اس وقت حضرت عثمانؓ راہ حق ں گے یہ تمام باتیں معلوم ہوتے ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو ان فتنوں کے ظہور کے وقت اپنے منصب پر تحمل کے ساتھ قائم رہنے کی وصیت فرمار ہے ہیں اب ذرا غور وفکر سے کام لیجئے کہ کیا معمولی عقل وفہم والا انسان جس لب میں ایمان کا نور ہے وہ یہ تصور کرسکتا ہے کہ سول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو منصب پر قائم رہنے کی تاکید ہو جو اپنے منصب کا غلط استعمال کرنے والا ہو اور معیار مطلوب کو پورا نہ کرنے والا ہو۔اعاذ نا اللہ،لہذا انسان کی

سعادت مندی اور نیک بختی یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شان عالی میں گستاخی کر کے اپنی عاقبت برباد اور خراب نہ کرے آپ کی طرف سے قلوب بالکل صاف ہوں اور آپ کی مودت ومحبت ہمارے قلوب میں ہو، آپ سے (معاذ اللہ) بغض ونفرت اور آپ کی شان میں گستاخی کے نتائج بڑے خراب ہو سکتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنازة رجل لیصلی فلم یصل علیه فقیل یا رسول اللہ ما رأینا ترکت الصلوة علی احد قبل هذا قال انه کان یبغض عثمان فابغضه الله.

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا کہ نماز پڑھا دیں آپ نے نماز نہ پڑھائی آپ سے عرض کیا گیا آپ نے کبھی اس طرح نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا (اس وجہ سے) اللہ اس سے بغض رکھتا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۲)

بہر حال احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آخر تک حق پر رہیں گے اور آپ کی شہادت مظلومانہ ہوگی اور یہ ایک ابتلاء وآزمائش ہوگی۔ مگر مودودی صاحب کی کوتاہ نظر ان احادیث کی طرف نہ گئی اور آپ کی شان میں بے بنیاد کیا کیا گستاخیاں کی ہیں وہ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ (تجدید واحیائے دین ص ۲۳ بحوالہ مودودی مذہب ص ۶۵)

(۲) لیکن ان کے (حضرت عمرؓ کے) بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ (خلاف وملوکیت ص ۹۷ بار سوم ۱۹۷۴ء)

(۳) حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا، اور غلط کام بہر حال غلط ہے، خواہ کسی نے کیا ہو اسکو خواہ مخواہ سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۰۷ بار سوم)

(۴) اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دوررس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے) کی گورنری پر مامور کئے رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان نے ابلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا...... الی قولہ...... دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۰۶ بار سوم)

(۵) مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے کہ انہوں نے (حضرت عثمانؓ) یہ غلطی نیکی نیتی ساتھ اپنے کو حق بجانب سمجھتے ہوئے نہیں کی تھی مگر میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں اس کو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے

تأمل ہے۔(اصحاب النبی ص ۲۰۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مودودی

حضرت معاویہ جلیل القدر صحابی ہیں، خدمت نبوی (ﷺ) میں رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کی، حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کو فقہاء امت میں شمار کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کے متعلق فرمایا۔ اصاب انه فقيه انہوں نے درست فرمایا وہ تو خود فقیہ ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دعه فانه قد صحب النبي صلى الله عليه وسلم رواه البخاري. ان کو (حضرت معاویہ کو ان کی حالت پر) چھوڑ دو اس لئے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں۔(مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۳) یعنی حضور سے خصوصی طور پر فیض حاصل کیا ہے۔

صحبت نبوی میں آپ نے ارشادات رسول اللہ ﷺ کا کافی ذخیرہ محفوظ کیا کتب احادیث میں ۱۶۳احادیث آپ سے مروی ہیں۔ جن میں چار متفق علیہ یعنی بخاری ومسلم دونوں میں ہیں اور چار صرف بخاری میں ہیں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں باقی دوسری کتب احادیث میں ہیں۔(تہذیب الاسماء نووی ص ۱۳۳)

اسلام لانے کے بعد غزوۂ حنین میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شریک رہے کتابت وحی کی خدمت بھی انجام دی۔ حضرت ابوسفیانؓ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر درخواست کی۔" معاوية تجعله كاتباً بين يديك قال نعم "معاویہ کو آپ اپنا کاتب بنالیں آپ ﷺ نے منظور فرمالیا۔(مسلم شریف ج ۲ص ۳۰۴)

کتابت وحی کے ساتھ حضرت معاویہؓ نبی کریم ﷺ کی خصوصی خدمت بھی انجام دیتے تھے حتیٰ کہ عمرۂ جعرانہ میں آپ کے بال مبارک بھی حضرت امیر معاویہؓ نے کاٹے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ قال ابن عباس : قال لي معاوية اعلمتك انی قصرت من رأس النبي صلى الله عليه وسلم عند المروة بمشقص، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے مجھے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بال مبارک قینچی سے مروہ کے پاس میں نے کاٹے تھے۔(مسلم شریف ج۱ص ۴۰۸)

حضرت معاویہؓ کی بڑی منقبت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً واهدبه. اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ہدایت دے۔(ترمذی شریف ج ۲ص ۲۲۵)

ابوادریس خولانی کہتے ہیں۔ لما عزل عمر بن الخطاب عمير بن سعد عن حمص ولى معاوية فقال عمير لا تذكر و امعاوية الا بخير فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اللهم اهدبه.

یعنی:۔ جب حضرت عمرؓ نے عمیر بن سعدؓ کو حمص سے معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو گورنر بنادیا (تو لوگ کہنے لگے عمر نے عمیر کو معزول کردیا اور معاویہ کو گورنر بنادیا) اس وقت حضرت عمیرؓ نے فرمایا تم معاویہ کا ذکر، خیر کے سوانہ

کرو کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللھم اھدبہ اے اللہ معاویہ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت فرما۔(ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۵)

اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو دعا دی اور فرمایا:۔

اللھم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب .

اے اللہ معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔(الاستیعاب تحت الاصابہ ج ۳ ص ۳۸۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵٦)(بحوالہ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص ۲۳۰)

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔

"اللھم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد وقه العذاب"

اے اللہ معاویہ کو کتاب سکھلا دے اور شہروں میں اس کے لئے ٹھکانا بنا دے اور اس کو عذاب سے بچا لے۔(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵٦ بحوالہ حضرت معاویہ ص ۲۳۰)

نبی کریم ﷺ نے آپ کی امارت وخلافت کی اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرما دی تھی اور اس کے لئے دعا بھی فرمائی تھی، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔ نیز حضرت معاویہؓ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم ﷺ کے واسطے وضو کا پانی لے گیا۔ آپ نے پانی سے وضو فرمایا۔ اور وضو کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا:۔

"اے معاویہ! اگر تمہارے سپرد امارت کی جائے (اور تمہیں امیر بنا دیا جائے) تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا" (الاصابہ ج ۳ ص ۴۱۳ مطبوعہ مصر)

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ کو دربار نبوی میں کیا مرتبہ حاصل تھا؟ اور آپ ان سے کتنی محبت فرماتے تھے۔

نیز ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور حضرت معاویہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا:۔

"اے معاویہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے انہوں نے عرض کیا رسول اللہ! میرا پیٹ (اور سینہ) آپ کے جسم مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ سن کر آپ نے دعا دی:۔

"اللھم املاہ علماً"

اے اللہ اس کو علم سے بھر دے۔(تاریخ الاسلام از حافظ ذہبی ج ۲ ص ۳۱۹ بحوالہ حضرت معاویہ ص ۲۳۲)

ان خصوصیات کی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے دور میں انہیں ممتاز مقام دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے انہیں شام وغیرہ کا گورنر بنا دیا۔ اور آخر حیات تک انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا، دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر میں انتہائی محتاط تھے۔ جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہو جاتا کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے۔ پھر جس کو گورنر بناتے اس کی پوری نگرانی فرماتے اگر ذرہ بھی معیار مطلوب سے کم درجہ کا پاتے معزول فرما دیتے۔ ان کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک انہیں عہدے پر برقرار رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ انہیں آپؓ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور آیا، وہ بھی آپ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے، انہوں نے بھی آپ کو شام کی گورنری کے عہدہ پر نہ صرف باقی رکھا بلکہ آپ کی حسن انتظام اور تدبر کی وجہ سے آس پاس کے دوسرے علاقے، اردن، حمص، قنسرین، اور فلسطین کے علاقے بھی آپ کے ماتحت گورنری میں دے دیئے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ نے بہت سی فتوحات کیں۔ آپ کے غزوات کی پیشین گوئی لسان نبوت (ﷺ) سے پہلے ہی مل چکی تھی۔ حدیث پاک میں ہے۔ حضرت ام حرامؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" **اول جیش یغزون البحر قد او جبوا** میری امت میں پہلا لشکر جو بحری جنگ کرے گا انہوں نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔ (بخاری ص ۴۱۰ ما قیل فی قتال الروم کتاب الجہاد)

دوسری روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور سو گئے۔ جب اٹھے تو مسکرائے ام حرامؓ نے ہنسنے اور مسکرانے کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا۔ **ناس من امتی یر کبون البحر الا خصر فی سبیل اللہ مثلھم مثل الملوک علی الا سرّۃ فقالت یا رسول اللہ اد ع اللہ ان یجعلنی منھم قال اللھم اجعلھا منھم .الخ .**

یعنی:۔ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں فی سبیل اللہ جہازوں پر سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیں مجھے بھی اللہ ان میں کردے آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ان کو ان میں کردے الخ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۰۳ باب غزوۃ المرأۃ فی البحر، کتاب الجہاد)

یہ غزوہ جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی حضرت معاویہؓ کی قیادت میں ہوا۔ چنانچہ امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ۲۸ھ میں قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا اور قبرص آپ نے فتح کر لیا اور اس غزوہ میں آپ کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی زوجہ محترمہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا (جن کے لئے حضور اکرم ﷺ نے شرکت کی دعا فرمائی تھی) حضرت مقدادؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے کبار صحابہ بھی شریک تھے۔ (طبری ج ۳ ص ۳۱۵)

غرض کہ آپ نے بڑی بڑی خدمات کیں اور ایک وہ وقت آیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ نے آپ سے صلح فرمائی اور آپ کو اس وقت کی وسیع مملکت کا خلیفہ تسلیم کر لیا اس طرح پوری امت آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی۔ اور امام حسنؓ ۱۹۔۲۰ سال آپ کی خلافت میں رہے اور آپ نے ان کی طرف سے سالانہ وظیفہ قبول فرمایا۔ سید اشباب اہل الجنۃ امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کا آپ کی خلافت کو قبول کرنا اور آپ کی خلافت میں رہنا حضرت معاویہؓ کی خلافت حقہ ہونے کے زبردست شہادت ہے۔

خوف خدا:

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ تین شخص قیامت کے دن پیش ہوں گے۔ عالم قرآن، دولت مند، اللہ کی راہ میں مقتول آخر کار ان کی ریاء کی وجہ سے انہیں جہنم میں بھیجا جائے گا کہ ان کی یہ کام

اللہ کے لئے نہ تھے بلکہ دنیاوی شہرت کے لئے تھے۔ جب آپ کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو آپ اس قدر زار زار قطار روئے کہ ساتھ والے سمجھے کہ مرجائیں گے پھر ہوش میں آکر یہ آیت پڑھی۔ من کان یرید الحیوة الدنیا زینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون . اولئک الذین لیس لھم فی الا خرة الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون.

سادگی وزہد:

جب آپ پوری دنیائے اسلام کے امیر المؤمنین تھے اس وقت حضرت فاروق اعظم کی طرح آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے اور آپ اس طرح دمشق کے بازاروں میں گھومتے تھے، یونس بن میدہ فرماتے ہیں میں نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں دیکھا آپ کے گریبان پر پیوند لگے ہوئے تھے۔(البدایہ ج۸ ص ۱۳۴)ابوحملہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو خطبہ دیتے وقت دیکھا کہ آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔(البدایہ ج۸ ص۱۱۳)

عدل وانصاف:

حضرت سعد بن وقاصؓ ان دس خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو دنیا ہی میں لسان نبوت سے جنت کی بشارت مل چکی تھی۔وہ فرماتے ہیں۔ما رأیت احداً بعد عثمان اقضیٰ بحق من صاحب ھذا الباب۔یعنی میری نگاہوں نے حضرت عثمانؓ کے بعد اس دروازے والے (یعنی حضرت معاویہ سے زیادہ حق سے فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔(۱) البدایہ ۱۴ ص۱۳۳

امام اعمشؒ کے سامنے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل وانصاف کا ذکر کیا گیا تو فرمایا۔ فکیف لو ادرکتم معاویة قالوا فی حلمه بل فی عدله. یعنی حضرت معاویہؓ کو تم پالیتے تو ان کو دیکھتے، لوگوں نے کہا ان کی بردباری؟ فرمایا نہیں بلکہ ان کے عدل وانصاف کو دیکھتے۔(منہاج السنہ ج۳ ص۱۸۵)

حضرت قبیصہ بن جابرؒ کا قول ہے۔ ما رأیت احداً اعظم حلماً ولا اکثر سود داً والا ابعدا ناء ةً ولا الین مخرجا ولا ارحب با عاً بالمعروف من معاویة.

یعنی:۔میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو (حضرت) معاویہؓ سے بڑھ کر بردبار۔ان سے بڑھ کر سیادت کا لائق۔ان سے زیادہ باوقار۔ان سے زیادہ نرم دل،اور نیکی کے معاملہ میں ان سے زیادہ کشادہ دست ہو۔(البدایہ ج ۸ ص ۱۳۵ تاریخ الخلفاء ص۱۴۹ مطبوعہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا۔ایما افضل معاویة او عمر بن عبدالعزیز فقال واللہ لغبار الذی دخل انف فرس معاویة مع رسول اللہ علیه وسلم خیر من مأته واحد مثل عمر بن عبدالعزیز.

یعنی:۔حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز میں کون افضل ہیں؟ آپ نے جواب دیا قسم بخدا وہ غبار جو حضور اکرم ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بدرجہا افضل ہے۔(فتاویٰ حدیثیہ ص۲۶۱)

ایک شخص نے معانی بن عمران سے کہا کہ (عدل وانصاف میں) عمر بن عبدالعزیز کو حضرت معاویہؓ سے کیا نسبت ہے؟ تو ان کو غصہ آ گیا اور کہا کہ اصحاب نبی ﷺ پر کوئی دوسرا قیاس نہیں کیا جا سکتا اور حضرت معاویہؓ تو آپ کے صحابی ہیں اور صہر (سالے) بھی ہیں اور کاتب بھی ہیں اور وحیٔ الٰہی پر آپ کے امین بھی ہیں۔ (شمیم الریاض ترجمہ شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۵۶)

علامہ شہاب الدین خفازیؒ فرماتے ہیں۔

ومن یکون یطعن فی معاویة
فذاک کلب من کلاب الھاویة

جو شخص حضرت معاویہؓ پر طعن کرتا ہو وہ ھاویۃ (جہنم) کے کتوں میں کا ایک کتا ہے۔ (شمیم الریاض)

ابراہیم بن سعد جوہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز ان دونوں میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:۔ **لا نعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم احداً** ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے افضل ہونا تو کجا؟ (الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ ص ۴۰۵ لابن تیمیہ، از مقام صحابہ ص ۲۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) حدیث میں ہے۔ **لا تسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احد ذہبا ما بلغ مد احد ھم ولا نصیفه متفق علیه** اور حدیث میں ہے **اکرموا اصحابی فانھم خیارکم، رواہ النسائی** اور حدیث میں ہے۔ **لا تمس النار مسلماً رانی او رأی من رانی** ۔رواہ الترمذی، اور حدیث میں ہے **فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم رواہ الترمذی**، اور حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ۔ یقیناً صحابی ہیں اس لئے احادیث مذکورہ ان کو شامل ہوں گی پس ان کا اکرام اور محبت واجب ہوگی اور ان کو برا کہنا اور ان سے بغض ونفرت رکھنا یقیناً حرام ہوگا اور ان سے جو کچھ منقول ہے بعد تسلیم صحت نقل ان اعمال پر ان کے حسنات بلکہ خود ایک وصف صحابیت غالب ہے جیسا کہ ارشاد نبوی **فلو ان احدکم الخ** اس پر دال ہے اور اسی بناء پر لاتمس النار الخ فرمایا ہے پس جو وسوسہ اور خطرہ بلا اختیار دل میں پیدا ہو وہ عفو ہے اور جو عقیدہ اور تعلق اختیار سے ہو اس کی اصلاح واجب ہے اور جو شخص باختیار بدگمانی یا بدزبانی یا بغض ونفرت رکھے گا۔ لامحالہ وہ احادیث نبویہ کا مخالف اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے جیسا کہ کتب اہل سنت سے ظاہر ہے اس لئے اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ اور اختلاط بلاضرورت ممنوع، **فی شرح العقائد النسفیه وما وقع بینھم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاویلات فسبھم والطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر کقذف عائشة رضی اللہ عنھا والا فبدعة وفسق.** (فتاویٰ اشرفیہ ص ۴۱، ۴۲ حصہ دوم)

یہ ہیں علماء حق کے بیانات حضرت معاویہ کے متعلق لیکن مودودی صاحب نے بالکل بے بنیاد باتیں ان کی طرف

منسوب کر کے ان کے مرتبہ کو کم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔

(۱) ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے گورنر، خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور (ﷺ) کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتے دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے بھی سخت گھناؤنا فعل تھا۔(۱) (خلافت و ملوکیت ص۱۶۲)

(۲) مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی، کتاب وسنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں چاندی سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۲ بار سوم)

(۳) زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی'' (خلافت وملوکیت ص۱۶۲)

(۴) حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۳)

(۵) یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۱)

(۶) حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آ کر اس بدعت کو موقوف کیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۱)

(۷) یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اور ان دونوں صاحبوں نے اس سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ (خلافت وملوکیت ص۱۴۱)

(۸) اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا'' اب تک میں تم لوگوں سے درگذر کرتا رہا ہوں، اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی۔ تلوار اس کی سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔ (خلافت وملوکیت ص۱۴۴)

اور بھی بہت کچھ بازاری الفاظ جو آج کل نفس پرست سیاستدانوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

---

(۱) یہ حضرت معاویہؓ پر سراسر بہتان ہے اور جو حوالے اس موقعہ پر دیئے گئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ماہنامہ الفرقان بابت جون ۱۹۷۹ء مطابق رجب ۱۳۹۹ھ جلد نمبر ۴۷ شمارہ نمبر ۶۔

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق لکھے ہیں۔ خلافت وملوکیت کے ان صفحات کے مطالعہ کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے حضرت امیر معاویہؓ کو آج کل جیسا ایک نفس اور موقع پرست، ابن الوقت اور ایک چالباز سیاسی سمجھ رکھا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

مودودی صاحب نے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے علماء حق نے ان کے جوابات لکھے ہیں۔ اور حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ تفصیلی جوابات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) اظہار حقیقت بہ جواب خلافت وملوکیت مصنفہ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقیؒ (۲) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق مصنفہ مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہ، وغیرہ۔

مودودی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی رحلت کے بعد ان پر تنقید وتبصرہ کا قلم خشک کر دیا جائے۔ اس لئے کہ حکم ہے کہ اموات کی برائی بیان نہ کی جائے بلکہ ان کی مدح وتعریف کی جائے۔ ان کا یہ کہنا خود ان پر حجت ہے اس لئے کہ مودودی صاحب نے بھی ان مقدس ذوات پر تنقیدیں کی ہیں جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اگر علماء حقہ مودودی صاحب کے متعلق کچھ تحریر کریں تو وہ برداشت نہیں ہوتا۔ اور مودودی صاحب صحابۂ کرام اور اسلاف عظام کے متعلق جو کچھ لکھیں وہ سب برداشت، آخر غیرت اسلامی کہاں چلی گئی؟ صحابہ واسلاف کی محبت کہاں دفن ہوگئی؟ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا یہ مطالبہ بہت نازیبا اور غلط اندیشی کا مظہر ہے اس لئے کہ مودودی صاحب کی ذات پر تنقید نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ (اگر بالفرض والتقدیر دشمنی ہوتی تو ان کے انتقال پر خوش ہونا دانشمندی اور عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

تنقید ان کے فکر، فاسد عقائد، اور گمراہ کن لٹریچر پر ہے۔ جو اہل سنت والجماعت سے مختلف مستقل ایک مکتب خیال کی صورت اختیار کر چکا ہے اور ان کے اس سرمایہ کو دریا برد نہیں کر دیا گیا بلکہ ان کے اس مسموم لٹریچر و خیالات کو پشت پر لے کر چلنے والے موجود ہیں اور ان کے نائبین ومحبین ان تمام باتوں کو حق سمجھ کر اس کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم عمل ہیں لہذا جب تک اس مردہ لاش کو لے کر چلنے والے موجود ہیں متوازن اور منصفانہ تنقید کا ہونا قابل طعن وتشنیع نہیں ہوسکتا بلکہ ضروری ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہم صرف مودودی صاحب کی تحریک کے حامی ہیں ہمارا ان کے افکار ونظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا مغالطہ ہے اگر حقیقت یہی ہوتی تو جب مودودی صاحب کے افکار ومسموم لٹریچر پر تنقید کی جاتی ہے اور ان کی گمراہی کو آشکارا کیا جاتا ہے تو ان کے ہم خیال ومتفقین کیوں چراغ پا ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف سے مدافعت کیوں کی جاتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کسی بھی تحریک کے بانی کے نظریات وافکار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے نظریات ہی تحریک کی روح ہوتی ہے۔ بقول مودودی صاحب کے۔

''کسی تحریک کے بانی اور لیڈر کے عقائد ونظریات کسی حال میں نظر انداز نہیں کئے جاسکتے اور درحقیقت یہی چیز ہر تحریک کی روح رواں ہوتی ہے۔'' (از ماہنامہ الفرقان ص ۱۱۹ خاکسار تحریک نمبر ۱۳۵۸ھ)

کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت ذکی وفہیم تھے۔ ہمیں بھی ان کی ذکاوت اور فطانت سے انکار نہیں مگر ذکی اور فہیم ہونا اہل حق ہونے کی دلیل نہیں ہے حدیث میں ہے۔ **یقال للرجل ما اعقله وما اظرفه وما اجلده وما فی قلبه مثقال حبة من الایمان** . (بخاری شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۱ کتاب الفتن، فصل اول)

یعنی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کی نمائشی باتوں سے لوگ یہاں تک متأثر ہوتے ہیں کہ حیرت سے کہتے ہیں کتنا بڑا عقل مند ہے کیسا ذہین اور سخن شناس ہے کس قدر دلیر ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ان کی دینی معلومات بہت وسیع تھی ہم کو تسلیم ہے کہ "ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ لیکن اگر ان کا علم صحیح ہوتا تو سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے خلاف نہ کرتے اور شیعیت کی حمایت نہ فرماتے، کتب فقہ وعلوم شرعیہ کی تضحیک نہ کرتے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ذوات مقدسہ پر طعن وتنقیدیں نہ کرتے، متقدمین کی خدمات پر جرح نہ کرتے، اور ان کی برائی بیان نہ کرتے اور اس حدیث کا مصداق نہ بنتے" امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر بے لاگ تنقیدیں اور ان پر لعنت وملامت کرنے لگیں' لہٰذ حقیقت میں یہ علم نہیں جہل ہے۔ حدیث میں ہے۔ **ان من العلم لجهلاً** یعنی بعض علم جہل ہوتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

علمیکہ رہ بحق ننماید جہالت است۔ جو علم راہ حق نہ دکھلائے وہ علم نہیں۔ بلکہ جہالت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کی تحریروں سے لوگوں کو خصوصاً نئی نسل کے ان نوجوانوں کو جو جدید تعلیم یافتہ ہیں ان کو بہت دینی فائدہ ہوا ہے۔ اور اس طرح انہوں نے اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔ ہمیں بھی اس سے انکار نہیں کہ خدمت کی ہے مگر انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جو تنقیص کی ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جو تنقیدیں کی ہیں اس نے تمام خدمات کو ہباءً منثوراً کر دیا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان مبارک کو بھی پیش نظر رکھئے۔ فرماتے ہیں۔ **ان اللّٰه یؤید هذا الدین بالرجل الفاجر** . یعنی اس دین حق کی تائید اللہ تعالیٰ فاسق اور فاجر سے بھی کرا لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۴ باب فی المعجزات)

اور ہمیں یہ بھی تسلیم ہے کہ ان کی تحریروں سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو فائدہ ہوا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور اسلاف عظام کی جو عظمت ہونی چاہئے وہ باقی نہیں رہی اور ان حضرات سے جو مودودی صاحب کے لٹریچر کے مداح ہیں ہماری ایک درخواست ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں۔ (۱) کیا جماعت اسلامی میں داخل ہونے سے پہلے بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بالخصوص حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ سے متعلق آپ کو یہ بدظنی تھی جو اب ہے؟

(۲) علماء امت کے بارے میں جو بدگمانی آپ کو اب ہے کیا وہ جماعت کے ہم خیال ہونے سے پہلے بھی

تھی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہوگا۔ تو غور کریں کہ اس لٹریچر سے آپ کو فائدہ ہوا یا کچھ اور؟
انسان کی کامیابی اور سعادت مندی اسی میں ہے کہ وہ اپنے دل کو ہر قسم کی برائی اور کدورت سے پاک و صاف کرے اور قلب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اسلاف عظام سے محبت پیدا کرے اور انکی عظمت کرے۔
الٰہی! مجھ کو اور میرے جملہ احباب واقرباء کو اور تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور آپ کے تمام اصحاب اور اہل بیت کی محبت کاملہ عطا کر اور ان کے ساتھ حشر فرما۔ امین بحرمة سيد المرسلين صلی اللہ علیہ وسلم وصلی اللہ علیٰ خير خلقه ومحمد واله واصحابه وازواجه واهل بيته واهل طاعة اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين. فقط والله اعلم بالصواب وعلمه اتم واحكم. يكم ربيع الاول ۱۴۰۰ھ

رسالہ ”تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم“ کے متعلق حضرات

اصحاب فتاویٰ اور علماء کرام ذوی الاحترام کی آراء

(۱) استاذی المکرم حضرت العلام مولانا محب اللہ صاحب دامت برکاتہم سابق شیخ الادب والتفسیر مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر، سورت۔
”عزیز محترم! کچھ دن قبل تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم رسالہ دستیاب ہوا تھا کیا خوب جواب ہے۔ بیسا داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ فقط۔

بندہ محب اللہ۔ ۱۶ فروری ۱۹۸۱ء (بنگلہ دیش)

(۲) حضرت العلام مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم

مفتی دارالعلوم دیوبند

مکرمنا المحترم زادمجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اس وقت آنجناب کے مرحمت کردہ دو رسالے ”تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم اور تفسیر بالرائے کا شرعی حکم“ موصول ہوئے۔ ایجاز واطناب سے محفوظ بالکل معتدل اور اس طرح صاف وستھرے مدلل ومکمل طریقہ پر تحریر فرمائے گئے ہیں کہ وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ شروع کردینے کے بعد جب تک پورا پڑھ نہیں لیا۔ چھوڑنے کو جی نہیں چاہا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور عام وتام فائدہ لوگوں کو پہنچائیں۔ آمین۔

بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند ۲۴-۳/۱۴۰۱ھ

(۳) حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب دامت برکاتہم

صدر مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

محترم المقام زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت کی دوسری تالیف تنقید انبیاء...... دو مجلسوں میں سنی ابھی ختم ہوئی۔ اس کے مضامین عالیہ آیات مقدسہ احادیث مبارکہ اوران نفوس قدسیہ کے مقامات عالیہ سے واقفیت ہوئی۔ جن کا اس میں ذکر خیر ہے اوراس کو سر پر رکھ لیا۔ گستاخی کرنے والے سے سخت کبیدگی ونفرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبر میں پہنچنے تک صراط مستقیم پر ہم کو قائم رکھیں اور آپ کے درجات بلند فرمائیں۔

فقط والسلام خیر ختام محتاج دعا۔ یحییٰ غفرلہٗ ۳۔ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم

مرتب فتاویٰ دار العلوم مکمل ومدلل

حضرت المحترم مفتی صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کا فرستادہ رسالہ ''تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم'' آج ایک طالب علم دے گیا ایک نشست میں پورا پڑھ گیا۔ ماشاء اللہ آں محترم نے اس چھوٹے سے رسالہ میں وہ سارا مواد جمع فرمادیا ہے جس کی آئے دن ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے تو دراصل استفتاء کا جواب تحریر فرمایا ہے مگر اس میں اپنی تمام معلومات آپ نے یکجا جمع کر دینے کی سعی فرمائی ہے۔ جزاک اللہ خیر الجزاء کبھی فتاویٰ رحیمیہ کی پہلی جلد بھیجی تھی اس کے مطالعہ کے بعد سے ہی آپ کا معتقد ہو گیا تھا۔ اس ایک فتویٰ کو پڑھ کر اس اعتقاد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ سے علم ودین کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے اور صحت وسلامتی کے ساتھ عمر دراز فرمائے آپ کا علم بہت سنجیدہ واقع ہوا ہے جس کی آج کل کمی ہے۔ رسالہ پڑھ کر اس قدر مسرت ہوئی کہ بیساختہ یہ چند سطریں لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اخیر میں پھر اس خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت قبول فرمائے۔

طالب دعاء۔ محمد ظفیر الدین غفرلہٗ، دار العلوم دیوبند شب ۲۲۔۳۔۱۴۰۱ھ۔

(۵) حضرت علامہ رفیق احمد صاحب مدظلہٗ العالی

سابق شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد۔ ضلع مظفر نگر (یو، پی)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد،

سفر گجرات میں ایک رسالہ ''تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم'' مولانا موسیٰ کرماڈی نے دکھلایا او دو تین جگہ سے سرسری دیکھا حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب مدظلہٗ کی شان علم وفقاہت کا بندہ پہلے سے قائل تھا مگر اس رسالہ میں دلائل کی قوت اور بیان کی سنجیدگی سے بے حد متاثر ہوا۔ الخ۔

(مولانا علامہ) رفیق احمد صاحب (مدظلہ)

(۶) حضرت مولانا محمد ہاشم بخاری دامت برکاتہم

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند.

محترم سیدی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس عمر اور ضعیفی میں آپ نے عجیب وغریب کتاب تحریر فرمائی ہے جو مودودی جماعت کے لئے لا جواب ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دیں آپ کا سایہ تادیر قائم فرمائیں اور امت کو استفادہ کا موقع دیں آمین ثم آمین۔

طالب دعا۔ محمد ہاشم بخاری دار العلوم دیو بند۔ ۲۳۔۳۔۱۴۰۱ھ۔

(۷) جناب مولانا قمر الدین صاحب بڑودوی زید مجدہٗ

ناظم اعلیٰ اصلاح المسلمین بڑودہ

بخدمت گرامی محترم مفتی صاحب زیدت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد تسلیم...... سوال سے متعلقہ موضوع پر کتاب اپنی جامعیت اور حسن طباعت کے اعتبار سے لا جواب ہے۔ مودودی صاحب کے بارے میں جو لوگ تذبذب کا شکار ہیں اس کتاب کے مطالعہ کے بعد مبنی بر حق صحیح فیصلہ کے لئے ان کو راہ ملے گی اور ان کے لئے یہ باعث تشفیٔ قلوب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس عظیم خدمت اور سعی کو قبول فرمائے اور مخلوق کو اس سے نفع پہنچائے آمین۔

والسلام قمر الدین محمود ناظم اعلیٰ اصلاح المسلمین بڑودہ۔ ۲۲۔۳۔۱۴۰۱ھ۔

حضرات صحابہ معیار حق ہیں:

(سوال) کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس بارے میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیار حق ہیں یا نہیں؟ مودودی جماعت ان کو معیار حق تسلیم نہیں کرتی، سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ صحابۂ کرامؓ اگر معیار حق ہیں تو اس کے کیا دلائل ہیں تفصیل سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

ازبارہ مولا کشمیر،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الجواب) حامداً ومصلیاً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیار حق ہیں۔ اس کا معنی ومطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال افعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں ان حضرات نے جو فرمایا۔ یا جو دینی کام کیا وہ ہمارے لئے مشعل راہ حجت اور ذریعہ فلاح ہے اور ان کے معیار حق ہونے کے دلائل بے شمار ہیں:۔

قرآن میں ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساء ت مصیراً ..

ترجمہ:۔اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ امر حق ظاہر ہو چکا تھا۔اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔معلوم شد کہ ہر کہ خلاف راہ مومنان اختیار نمود مستحق دوزخ شد و مومنین در وقت نزول ایں آیت نبودند مگر صحابہ۔(تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۰)

یعنی معلوم ہوا کہ جس نے مومنین کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ مستحق دوزخ ہوا اور اس آیت کے نزول کے وقت مومنین صحابہ ہی تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کا طریقہ حق اور ہدایت کا طریقہ ہے اور وہ ہمارے لئے نمونہ ہے۔لہذا جو ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا۔وہ گمراہ ہو جائے گا۔

قرآن میں دوسری جگہ ہے۔**ھو الذی یصلی علیکم وملآئکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور** . وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مخاطب بایں آیت صحابہ اند و ہر کہ تابع ایشاں شد نیز از ظلمات برآمد......الخ۔(تحفۂ اثناعشریہ)

یعنی اس آیت کے مخاطبین صحابہ ہیں (کہ اللہ نے ان کو ظلمات سے نکالا) اور جو ان کے تابع ہوا وہ بھی اندھیریوں سے نکلا کیونکر ظاہر ہے کہ جو اندھیری رات میں مشعل لے کر نکلے تو جو اس کے ہمراہ ہوتا ہے وہ بھی تاریکی سے خلاصی پالیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو صحابہ کے طریقہ پر چلے گا راہ یاب ہوگا اور جو سر مو ان کے طریقہ سے ہٹے گا گمراہ ہو جائے گا۔

ایک جگہ صحابہ کے بارے میں قرآن میں فرمایا۔ **واولٰئک ھم المفلحون** اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں۔ **ولا شک ان تابع المفلح مفلح** ظاہر ہے کہ کامیاب کا تابع بھی کامیاب ہی ہے۔(تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۱) اور ایک جگہ فرمایا **واولٰئک ھم الراشدون** یہی لوگ راہ راست پر ہیں ۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں وتابع الراشد راشد بھلے کا تابع بھی بھلا ہی ہے۔(تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۱) ان مقدس ترین حضرات کے بارے میں قرآن میں کئی جگہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) آیا ہے۔علامہ ابن عبدالبر مقدمۂ استیعاب میں فرماتے ہیں۔ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً انشاء اللہ (از مقام صحابہ ص ۴۴) اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔انشاء اللہ۔چونکہ اللہ تعالیٰ کو اگلی پچھلی سب چیزوں کا علم ہے وہ راضی اس شخص سے ہوتے ہیں جو آئندہ زمانہ میں بھی رضائے الٰہی کی خلاف کام کرنے والا نہیں ہے۔اس لئے کسی کے واسطے رضائے الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا اس سے رضائے الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔پھر ایسے مقدس حضرات صحابہ ہمارے لئے کیونکر معیار حق نہ ہوں گے۔

قرآن میں ایک اور جگہ ہے۔**یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین**

ایدیھم و بایمانھم . دلالت می کند کہ ایشان رادر آخرت ہیچ عذاب نخواہد شد وبعد از فوت پیغمبر نور ایشاں ضبط وزائل نہ خواہد شد والا نور ضبط شدہ وزوال پذیرفتہ روز قیامت چہ قسم بکار ایشاں می آید۔

ترجمہ:۔یوم لا یخزی ...... وہ دن کہ رسوانہیں کرے گا اللہ نبی کواوران کی ساتھی مومنین کوان کا نور دوڑتا پھرے گا ان کے سامنے اوران کے دائیں جانب۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہیں ہوگا اور یہ کہ پیغمبر کی وفات کے بعد بھی ان کا نور زائل نہ ہوگا ورنہ زائل شدہ اور مٹا ہوا نور قیامت کے روز ان کے کیا کام آتا۔(تحفۂ اثناعشریہ ص۵۳۰)

حضوراکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو معیار حق بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے تھے میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (فرقہ) ناجی ہوگی۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے؟ ارشاد ہوا۔ ''ما انا علیہ و اصحابی'' یہ وہ ملت ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۰)

اس حدیث پاک میں حضوراکرم ﷺ نے مانا علیہ واصحابی فرمایا۔صرف ما انا علیہ نہیں فرمایا۔ کیا یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق قرار دینا نہیں ہے؟ نیز ارشاد فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنوا جذ اپنے اوپر میرے طریقہ کواور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم کرلواور دانتوں سے مضبوط پکڑلو۔(مشکوٰۃ شریف ص۳۰)

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو ''سنۃ'' کہنا اس کی دلیل ہے کہ جس طرح حضوراکرم ﷺ کی سنت حجت ہے اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت بھی حجت ہے۔ علامہ تورپشتیؒ اس حدیث کے شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔واما ذکر سنتھم فی مقابلةسنة لانہ علم انھم لا یخطؤن فیما یستخر جو نہ' ویستنبطونہ من سنته بالا جتھاد ولا نہ عرف ان بعض سنة لا تشتھر لا فی زمانھم فاضاف الیھم لبیان ان من ذھب الیٰ ردتلک السنة مخطئ فاطلق القول باتباع سنتھم سداً اللباب.(الفتوحات الوھبية ص ۱۹۸)

یعنی حضوراکرم ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت فرمایا اور ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی سنت سے تعبیر فرمایا یہ اس لئے کہ حضوراکرم ﷺ جانتے تھے کہ میرے خلفاء میری سنت کو سامنے رکھ کر جو کچھ استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے۔ یا پھر اس لئے ان کے طریقہ کو سنت فرمایا کہ حضور ﷺ کی بعض سنتیں خلفائے راشدین کے زمانہ میں مشہور ہونے والی ہیں پہلے ہی سے حضوراکرم ﷺ نے تنبیہ فرمادی اور سد باب کردیا کہ کوئی اس پر اعتراض نہ کرسکے اور نہ رد کرسکے۔(الفتوحات الوہبیہ ص۱۶۸)

اس سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ خلفائے راشدین کا طریقہ یقیناً ہمارے لئے حجت اور معیار ہے۔ اس کے بالمقابل مودودی نے جو لکھا ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔ حتیٰ کہ خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے جوانہوں نے قاضی کی حیثیت سے کئے تھے۔(ترجمان القرآن جنوری ۵۸ء بحوالہ مودودی مذہب ص۶۶)

خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق ان کے یہ خیالات ہیں کہ ان کے فیصلے اسلامی قانون اور معیار حق نہیں قرار پائے۔ اور اپنی جماعت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے جو گروہ قرآن کی نصوص قطعیہ سے مرتب کئے ہوئے اس دستور جماعت اسلامی کے اندر ہیں۔ انہیں ہم امت مسلمہ کے اندر شمار کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان حدود کو پھاند لیا ہے۔ انہیں دائرہ امت کے باہر سمجھنے پر مجبور ہیں۔" (ترجمان القرآن ص ۲۷ ج ۲۶)

کیا یہ اپنی جماعت کو معیار حق بنانے کا ادعا نہیں ہے؟ صحابہ تو معیار حق نہ بن سکیں لیکن یہ اور ان کی جماعت معیار حق ہے۔

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ.

نیز حضور اکرم ﷺ صحابۂ کرام کو معیار قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ **اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر۔** یعنی میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

حضور ﷺ تو اقتداء کرنے کی وصیت فرمائیں اور یہ جماعت اسے ذہنی غلامی بتاتی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا۔ **عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی** ...... حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے بعد اپنے اصحاب کے اختلاف کی بابت حق تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی فرمائی۔ **ان اصحابک بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقویٰ من بعض و لکل نور فمن اخذ بشئی مما هو علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی۔** یعنی میرے نزدیک آپ کے اصحاب کا رتبہ آسمان کی ستاروں کی طرح ہے کہ بعض ستارے بعض سے قوی ہیں لیکن ہر ستارہ کے لئے نور ہے۔ پس جو کوئی صحابہ کے اختلاف رائے سے کسی ایک جانب کو اختیار کرے گا۔ وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **اصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم،** یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی اقتدا کرو گے ہدایت کی راہ پاؤ گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴)

اس حدیث میں اللہ جل شانہٗ کی وحی کے الفاظ " **فهو عندی علی هدی.**" اور حضور اکرم ﷺ کے یہ الفاظ " **اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدتم** " کیا صحابہ کے معیار حق ہونے کی واضح اور بین دلیل نہیں ہے؟

نیز حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **ان اللہ نظر الی قلوب العباد** ..... **الخ** اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو قلب محمد ﷺ کو ان سب قلوب میں بہتر پایا۔ اس کو اپنی رسالت کے لئے مقرر کر دیا۔ پھر دوسرے قلوب پر نظر ڈالی تو اصحاب محمد ﷺ کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب کر لیا۔ پس ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی (ﷺ) کا وزیر بنا لیا۔ پس جس کام کو یہ مسلمان (صحابہ) اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے۔ (مؤطا امام محمد ص ۱۱۲) (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۸ جلد ۱۰)

نیز ارشاد فرمایا **ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً او نوراً الهم یوم القیامة** میرے صحابہ میں سے کوئی صحابی جس سرزمین پر وفات پائے گا۔ قیامت کے روز وہ اس سرزمین والوں کے لئے قائد

اور نور بن کر اٹھے گا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴۔ ترمذی شریف ص ۲۲۶)

نیز ارشاد فرمایا۔ ان اللہ جعل الحق علیٰ لسان عمرؓ و قلبه. رواہ الترمذی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷) معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی زبان مبارک سے حق کے خلاف کوئی بات نہیں نکل سکتی، پھر ان کی بات کیونکر معیار نہ ہوگی؟

نیز دوسری روایت میں ارشاد ہے۔ لقد کان فیما قبلکم من الا مم محد ثون فان یک فی امتی احد فانه. عمر۔ یعنی تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان میں محدث (جن کو حق باتیں الہام کی جاتی ہیں) گذرے ہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ روی ابو نعیم من حدیث عروبة الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ستحدث بعدی اشیاء فاحبها الی ان تلزموا ما احدث عمر. یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میرے بعد بہت سی باتیں ایجاد ہوں گی۔ مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہوگی جس کو عمرؓ نے ایجاد کیا تم سب اس کو لازم کر لینا۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹)

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری " بنایة شرح هدایه" میں فرماتے ہیں سیرة عمر لا شک ا ن فی فعلها ثواب وفی ترکها عقاب لا نا امرنا بالا قتداء بهما لقوله علیه الصلوٰة والسلام اقتدوا الذین من بعدی ابی بکر و عمر فاذا کان الا قتداء بهما ما موراً به یکون واجباً وتارک الواجب یستحق العقاب والعتاب، یعنی حضرت عمرؓ کی سیرت پر عمل کرنے میں بلاشبہ ثواب ہے اور اس کے ترک کرنے میں عقاب ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس قول مبارک " اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر " میں ہمیں آپ کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو جب ان دونوں حضرات کی اقتداء مامور بہ ہے تو ان کی اقتداء کرنا یقیناً واجب ہوئی اور واجب کا ترک کرنے والا عقاب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ قیام الملة والدین ص ۳۷۸)

یہ علمائے ربانیین تو ان کی اقتداء کو واجب اور ان کے قول وعمل کو معیار قرار دیں اور مودودی جماعت اسے ذہنی غلامی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی قرار دیتی ہے۔

"بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

نیز حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "رضیت لا متی ما رضی لها ابن ام عبد" یعنی میں نے اپنی امت کے لئے رضامند اور خوش ہوں اس چیز سے جس چیز سے ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) راضی ہوں (مظاہر حق ص ۶۹۰۔ ۶۸۹ ج ۴)

نیز ارشاد فرمایا:۔ تمسکوا بعهد ابن ام عبد، یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو لازم اور مضبوط پکڑو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۸)

نیز ارشاد فرمایا۔ لو کنت مؤمرا من غیر مشورة لا مرت علیهم ابن ام عبد رواہ الترمذی ۔

یعنی اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو ابن ام عبد کو بناتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۸)

کتنا اعتماد ہے حضور اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ پر کہ علی الاطلاق فرمایا کہ ابن مسعودؓ امت کے لئے جو پسند کریں میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔ اور ابن مسعودؓ تم کو جو وصیت کریں اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ ابن مسعود نے امت کو صحابہ کے متعلق کیا وصیت فرمائی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے سے ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:۔ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤ من علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابراهاقلو باً واعمقها علما واقلها تکلفاً اختار هم اللہ لصحبة نبیه ولا قامة دینه فاعر فوالهم فضلهم و اتبعو هم علی اٰثار هم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیر هم کانوا علی الهدی المستقیم. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲)

ترجمہ:۔ جو شخص کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرے کیونکہ یہ حضرات ساری امت میں سب سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک اور علم کے اعتبار سے گہرے اور تکلف کرنے میں بہت کرم۔ یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے تو تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے آثار کا اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ ہیں مستقیم پر ہیں۔

غور سے ملاحظہ کیجئے! حضرت ابن مسعودؓ کس درجہ صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو قابل اتباع فرمارہے ہیں لیکن مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال اسے ذہنی غلامی اور بت پرستی کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مارأیت قوماً کانوا خیراً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی جو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے بہتر ہو۔ (انصاف مع کشاف ص ۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں صحابہ کے مقام کی وضاحت فرمائی ہے یہ طویل مکتوب حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد میں سند کے ساتھ لکھا گیا ہے اس کے ضروری جملے یہ ہیں۔ فارض لنفسک مارضی به القوم لا نفسهم. فانهم علی علم وقفوا. الیٰ قوله فان الهدی ما انتم علیه لقد سبقتمو ه الخ. یعنی پس تمہیں چاہئے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کرلو جس کو قوم نے (یعنی صحابۂ کرامؓ نے) اپنے لئے پسند کرلیا تھا اس لئے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا ایک دور بین نظر کی بنا پر روکا اور بلاشبہ وہی حضرات دقیق حکمتوں ورعلمی باریکیوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں وہ تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے مستحق وہی تھے پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جائے جس پر تم ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے گئے۔ (جو بالکل ہی محال ہے) (ابوداؤد شریف ص ۲۸۵ جلد ۲)

غور کیجئے! حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سرمو ان کے طریقہ سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کو اپنا مقتدا، اور حق وباطل کا معیار سمجھ رہے ہیں مگر مودودی جماعت اس کی منکر ہے۔ آپؒ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وولاہ الا مر من بعده سنناً الا خذ بها تصدیق لکتاب اللہ

واستکمال لطاعة اللہ وقوة علی دین اللہ من عمل بها مهتدی ومن استنصر بها منصور ومن خالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین وولاہ ما تولی وصلاہ جهنم وساء ت مصیرا.

ترجمہ:۔رسول اللہ ﷺ نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ کے بعد حضور ﷺ کے جانشین اولوالامر حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں کہ ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اور اللہ کی اطاعت کو مکمل کرنا ہے اور خدا کے دین کی مدد کرنا ہے جو اس پر عمل کرے گا راہ یاب ہوگا اور جو اس سے قوت حاصل کرے گا مدد کیا جائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا اور ان کے طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف اس نے رخ کیا ہے۔ پھر اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بہت بری جگہ ہے)۔(جامع بیان العلم وفضلہ ج۲ ص ۱۸۷)

حضرت امام حسن بصری تابعی فرماتے ہیں:۔

''یہ جماعت (صحابۂ کرام) پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی۔اس کو دھن تھی تو اسی کی ،تلاش تھی تو اسی کی۔اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی۔(الموافقات ج ۴ ص ۷۸ بحوالہ ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۶)

جو جماعت ان قدسی صفات کی حامل ہو وہ ہمارے لئے معیار نہ ہوگی تو اور کون سی جماعت ہوگی؟

حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ (قرآن وحدیث کے) عالم تھے اور اگر ان کی ذاتی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے افضل ہے۔(جامع بیان العلم ص ۱۳۱ ج ۲)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:۔

یا بقیه العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم ما لم یجئی عن اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم فلیس بعلم، اے بقیہ! بس علم تو وہی ہے جو آپ کے صحابہ سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔(جامع بیان العلم ص ۲۹ جلد ۲)

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ما حدثوک عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فخذ به وما قالوا فیه برأیهم فبل علیه . ترجمہ:۔جو باتیں تمہارے سامنے آپ ﷺ کے صحابہ سے نقل کی جائیں۔انہیں اختیار کرلو۔اور جو اپنی سمجھ سے کہیں اسے نفرت کے ساتھ چھوڑ دو۔(جامع بیان العلم ص ۳۲ ج ۲)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو خیر ہے مثلاً ایمان واسلام، قرآن وعلوم ومعارف، عبادات ودخول جنت، جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ اللہ کے نام کی بلندی، وہ سب صحابۂ کرامؓ اور خلفائے راشدین کی کوششوں کی برکت ہے جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا اس پر

صحابہ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا۔ اور شیعہ وغیرہ (مودودی) جماعت کو بھی جو خیر حاصل ہے وہ صحابہ کرام کی برکت سے ہے۔ اور صحابۂ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی خیر کے تابع ہے۔ اس لئے کہ وہ دین ودنیا کی ہر خیر کے ذمہ دار وسر چشمہ تھے۔'' (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۴۵ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۷۔ ۳۰۶ حصہ دوم)

اور فرماتے ہیں:۔ صحابۂ کرام کا اجماع قطعی حجت ہے اور اس کا اتباع فرض ہے بلکہ وہ سب سے بڑی حجت اور دوسرے تمام دلائل پر مقدم ہے۔ (اقامۃ الدلیل ج ۳ ص ۱۳۰ بحوالہ انوار الباری ۴۸ ج ۱۰)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔ **پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰت افضلها و من التسليمات اكملها تميز فرقۂ ناجيه ازاں فرق متعدده فرموده است آن است الذين هم على ما انا عليه واصحابی** یعنی آن فرقۂ جنتی آنان اند کہ ایشاں بطریقے اند کہ من براں طریقم واصحاب من برآں طریق اند ذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تابد انند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشاں است ...... الخ۔

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔

ظاہراً اتنا فرما دینا کافی تھا کہ ''جس طریقہ پر میں ہوں'' صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ میرا جو طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی میں منحصر ہے الخ ۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۳، ص ۱۰۲)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:۔

''معرفت حق وباطل فہم صحابہ وتابعین است آنچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرائن حالی ومقالی فہمیدہ اند دراں تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است''۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۷ ج ۱)

ترجمہ:۔ حق وباطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے۔ جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرائن حالی ومقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

نیز آپ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' میں صحابہ کے مقام اور ان کے مرتبہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''بالیقین ایں جماعت ہم در حکم انبیاء خواہند بود'' (تحفہ اثناعشریہ ص ۵۲۹ فارسی) یقیناً صحابۂ کرام کی جماعت بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہوگی۔

پس جس طرح کسی نبی پر تنقید نہیں کی جاسکتی اور ان کی بات واجب التسلیم ہوتی ہے بوجہ دلائل قطعیہ یقینیہ کے۔ اسی طرح صحابۂ کرام پر بھی تنقید کرنے کی نیت کرنا بد دینی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے اور ان کا قول وفعل ہمارے لئے معیار حق ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔''

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تمام اہل سنت والجماعت غیر معصوم مانتے ہیں مگر یہ قابل تسلیم نہیں ہے

کہ معیار حق صرف معصوم ہی ہوسکتا ہے۔ جس سے اللہ نے اپنی رضا کا اظہار کردیا اس کے جنتی اور مخلد فی الجنۃ ہونے کا اعلان کردیا وہ کیوں معیار حق نہ ہوگا۔'' (فرمودات حضرت مدنیؒ ص ۱۴۵ مرتبہ (مولانا) ابوالحسن بارہ بنکوی)

نیز فرماتے ہیں:۔''صحابۂ کرام میں جو بھی کمالات اور بھلائیاں ہیں خواہ از قسم علم ہوں یا از قسم عمل وہ سب جناب رسول اللہ ﷺ ہی کے طفیل اور آپ ﷺ کے اتباع ہی سے ہے۔ بالذات کچھ نہیں ہیں مگر جب قرآن اور احادیث صحیحہ نے ان میں موجبات و معیاریت حقانیت کی خبر دے دی تو آج ہم کو ان کی معیاریت میں کلام اور تأمل کرنا یقیناً قطعیات کا انکار ہوگا۔ جو انکار کتاب اللہ ہے۔ (فرمودات حضرت مدنیؒ ص ۱۴۶)

نیز فرماتے ہیں:۔صحابہ کرام کا اتباع جناب رسول اللہ ﷺ ہی کا اتباع ہے جس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم پر واجب کیا ہے۔ ان کا اتباع بحیثیت رسالت نہیں ہے بلکہ بحیثیت نقل و فہم ارشادات نبویہ کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح بعد والے ائمہ کا اتباع بھی جناب رسول اللہ ﷺ ہی کا اتباع ہے جو کہ بحیثیت نقل و فہم ہی کیا جاتا ہے مطاع مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (فرمودات حضرت مدنیؒ ص ۱۴۶)

اور بھی بے شمار دلائل ہیں جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین امت کے لئے حق و باطل، خیر و شر، سنت و بدعت ثواب و عقاب وغیرہ امور کے پرکھنے کی کسوٹی اور معیار حق ہیں۔ جو کام انہوں نے کیا وہ حق اور سنت اور باعث نجات ہے اور ان کا ہر قول و فعل ہمارے لئے ذریعۂ فلاح اور وہی ہمارے لئے ترقی و سعادت کی راہ ہے۔ مگر مودودی جماعت اسے نہیں مانتی بلکہ اسے ذہنی غلامی اور بت پرستی قرار دیتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مودودی صاحب رسول خدا کے سوا کسی کو معیار حق ماننے کے لئے تیار نہیں مگر خود اپنی ذات کو اور اپنی جماعت کو معیار حق تسلیم کروانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ صحابۂ کرام کو معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہ مان کر ان کی ذات پر بے جا اور بے دھڑک تنقید کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:۔''ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہوجاتا ہے۔'' الخ۔ (تفہیمات ص ۲۹۴ طبع چہارم)

ان کے ایک رفیق نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

''مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابۂ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کرتے تھے'' (ترجمان القرآن ۵/۷ ص ۲۹۲ بحوالہ مودودی مذہب۔)

جنگ احد میں شکست کے اسباب شمار کراتے ہوئے لکھا ہے۔ جس سوسائٹی میں سودخوری ہوتی ہے اس کے اندر سودخوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں سود لینے والے میں حرص و طمع، بخل و خودغرضی اور دوسرا سود دینے والے میں نفرت، غصہ اور بغض و حسد پیدا ہوجاتے ہیں۔ میدان احد کی جنگ میں ان دونوں بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ (تفہیم القرآن ص ۲۸۸ ج ا سورۂ آل عمران)

اور اپنے بارے میں لکھا ہے:۔اللہ کے فضل سے مجھے کسی مدافعت کی حاجت نہیں۔ اور میرے رب کی مجھ پر خاص عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا ہے۔'' اور اپنی جماعت کے متعلق لکھا ہے۔'' سیدھی بات یہ ہے کہ جب ہم یقین سے یہ کہتے ہیں کہ حق صرف یہ ہے۔ (یعنی جماعت اسلامی) تو اس سے از خود یہ

بات اخذ ہوتی ہے کہ اس نظریہ کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے۔'' (ترجمان القرآن ص ۷۷ ج ۲۶)

گویا اپنی ذات اور اپنی جماعت کو تو معیار حق سمجھتے ہیں مگر صحابہؓ کرام کے معیار حق ہونے کو ذہنی غلامی قرار دیتے ہیں۔

ان کی اس باطنی خباثت کی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم واطلاق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے جس میں صحابہؓ سب سے پہلے شامل ہوتے ہیں۔ پھر ان پر جرح وتنقید کا عملی تجربہ بھی کرڈالنا حدیث رسول ﷺ کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیار حق ہونے کا ادعا ہے۔ جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی کوشش کرلی گئی گویا جس اصول کو شدومد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنی ہی بارے میں اسے سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف وخلف کے لئے رسول کے سوا خود معیار حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی۔ (مودودی دستور وعقائد کی حقیقت، مقدمہ ص ۱۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب وہوالحادی الی الصراط المستقیم ۱۷۔ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زلیخا سے نکاح ہوا یا نہیں؟:

(سوال ۴۰) حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت زلیخا سے نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا سبب یہ ہے کہ ایک قاضی صاحب نے نکاح کی بعد دعا میں یہ جملہ کہا اللّٰھم الف بینھما کما الفت بین یوسف وزلیخا تو نکاح ہوا ہے یا نکاح خوانوں نے اپنی طرف سے جوڑ ملا دیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعض معتبر تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح زلیخا سے ہوا ہے چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن میں ہے: ''بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں زلیخا کے شوہر قطفیر کا انتقال ہوگیا تو شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی شادی کردی'' الخ (معارف القرآن ج ۵ ص ۷۷)

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں ''عزیز مصر کے انتقال کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کردی جس سے دولڑکے پیدا ہوئے ایک افرائیم دوسرے میشا تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۱۳۔ وزاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۴، وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۲ (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۴۲ سورۂ یوسف مطبوعہ لاہور) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ۔ یوسف علیہ السلام نے ایک سودس سال یا ایک سوسات سال کی عمر میں وفات پائی، اور عزیز مصر کی عورت کے بطن سے ان کے دولڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی، لڑکوں کا نام افرائیم اور میشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئیں الخ (معارف القرآن ج ۶ ص ۲۷۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''قصص الانبیاء'' معتبر کتاب ہے یا نہیں:

(سوال ۴۱) کتاب ''قصص الانبیاء'' کا پڑھنا اور پڑھ کر لوگوں کو سنانا جائز ہے یا نہیں؟ دریافت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب غیر معتبر ہے، اب چند امور جواب طلب ہیں۔

(۱) معتبر یا غیر معتبر ہونے کا حکم علی الاطلاق ہے یا تعیین مواضع کے ساتھ؟ اگر مواضع متکلم فیہ کی نشاندھی فرمادیں تو ہم جیسوں کے لئے مفید ہوگا۔

(۲) فارغ التحصیل عالم معتبر کتب سنانے کے بجائے یہ کتاب پڑھ کر سنائے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کتاب قصص الانبیاء فارسی زبان میں ہے، تلاش کرنے کے بعد بھی فارسی نسخہ نہیں ملا، دارالعلوم اشرفیہ سے ترجمہ دستیاب ہوا ہے مگر مطالعہ کا وقت نہیں مل سکا، اتفاق سے ایک دوست نے کہا کہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور حصہ دہم میں بعنوان ''بعضی کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نفع ہے'' اس میں قصص الانبیاء کا بھی ذکر فرمایا ہے، جب حضرت محققؒ نے مفید بتلایا ہے تو اب مزید تحقیق کی ضرورت نہیں، تاریخ کی کتاب ہے عقائد و احکام کی کتاب نہیں ہے، اور پڑھ کر سنانیوالا جب عالم ہوگا تو غلط فہمی کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحابہ کرامؓ سے بدظنی سے احتراز:

(سوال ۴۲) ایک شخص نے اپنی تقریر میں یہ روایت بیان کی کہ ایک صحابی کا انتقال ہوگیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کی تجہیز و تکفین کے بجائے یہ چرچا رہا کہ اس شخص نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور نہ کسی کار خیر میں حصہ لیا حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور میت سے عدم توجہی کا سبب دریافت فرمایا صحابہ نے اپنی باہم گفتگو کا ذکر کیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ غور کرو ممکن ہے اس نے کوئی نیک کام ضرور کیا ہوگا، اس پر ایک صحابی نے کہا ایک مرتبہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامان وغیرہ کی رات بھر نگہبانی کرتا رہا اس پر حضور ﷺ نے اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ واقعہ جس میں بظاہر ایک صحابی رسول کے اعمال کی توہین نظر آتی ہے، یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مشکوٰۃ شریف میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے، حضرت ابن عائذؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ کے ہمراہ نکلے جب (نماز پڑھانے کے لئے) جنازہ رکھ دیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ اس کی جنازہ کی نماز نہ پڑھایئے یہ رجل فاجر (بڑا گنہگار) ہے رسول اللہ ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا **ھل رآہ احد منکم علی عمل الاسلام؟** کیا تم میں سے کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! حرس لیلۃً فی سبیل اللہ ایک رات انہوں نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیا تھا، یہ سن

---

(۱) کتاب قصص الانبیاء مفید ضرور ہے مگر اس کی سب روایات صحیح نہیں ہیں جیسے عوج بن عنق کا قصہ فرضی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مصنف کے پیش نظر ایسی تفاسیر بھی ہیں جو اسرائیلیات سے پاک نہیں ہیں جیسے ثعالبی کی العرائس ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

کر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس پر (اپنے دست مبارک سے) مٹی ڈالی اور فرمایا ''اصحابک یظنون انک من اھل النار وانا اشھد انک من اھل الجنۃ'' تیرے ساتھی یہ خیال کرتے ہیں کہ تو دوزخی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور فرمایا'' یا عمر انک لا تسأل عن اعمال الناس ولکن تسئل عن الفطرۃ '' اے عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا تم سے دین اسلام کے متعلق سوال ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۶ کتاب الجہاد۔ الفصل الثالث)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اے عمر تم کو ایسی جگہ مردوں کے اعمال بد کی خبر نہ دینی چاہئے بلکہ تم کو چاہے کہ ایسی موقعہ پر مردوں کے اعمال خیر کا تذکرہ کرو جیسے کہ ارشاد فرمایا اذکروا موتاکم بالخیر تم اپنے مردوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو۔ (یعنی ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرو) اس بناء حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ ایسے موقع پر اعمال بد کا ذکر مت کرو کہ مدار اسلام اور فطرہ پر ہے۔ (مظاہر حق بتغیر ج ۳ ص ۳۶۱)

اس حدیث سے بیش از بیش یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو ان کے کسی برے عمل کا علم ہوگا جس کی بنا پر آپ نے حضور اقدس ﷺ کو نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس کے بالمقابل ان کے کسی اچھے عمل کی تحقیق فرمائی چنانچہ جب ایک صحابی نے ان کے ایک اچھے عمل کی خبر دی تو حضور اقدس ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی بلکہ اس کے بعد فرمایا کہ تو جنتی ہے (تاکہ ان کے متعلق کسی کے قلب میں بدظنی نہ رہے) اور حضرت عمرؓ کو تنبیہ فرمائی کہ ایسے موقعہ پر اعمال بد کا تذکرہ نہ ہونا چاہئے بلکہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ صلوا علی کل برو فاجر ہر نیک و بد کی نماز جنازہ پڑھو۔ (الجامع الصغیر للعلامۃ السیوطی ج ۲ ص ۴۷)

اس واقعہ سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا (اور نہ خود اس واقعہ میں اس کا تذکرہ ہے) کہ ''انہوں نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور نہ کسی کار خیر میں حصہ لیا'' اور صحابی رسول ہو کر نہ کبھی نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں یہ بعید از عقل وقیاس ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ اصفر المظفر ۱۴۰۲ھ۔

نعل شریف کے متعلق فتویٰ پر اشکال اور اس کا حل:

(سوال ۴۳) فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم کا سوال نمبر ۱۰۵۶ جو صفحہ نمبر ۲۰۸، ص ۲۰۹ پر ہے (جدید ترتیب میں اس کو سنت و بدعت میں، نقش نعل شریف کو دعا کی قبولیت کے لئے سر پر رکھنا کیسا ہے؟ کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے ج ۱ ص ۶۷ از مرتب)

اس میں سائل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے رسالہ ''زاد السعید'' کے آخر میں ''نعل شریف'' کے متعلق اجابت دعا کے لئے جو عمل بتایا گیا ہے اسی

کے متعلق سوال کیا گیا ہے آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ بظاہر حضرت تھانویؒ کے بتائے ہوئے عمل کے معارض معلوم ہوتا ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ معارضہ اختلاف رائے پر مبنی ہے یا پھر تطبیق کی کوئی صورت ہے؟ امید ہے کہ مذکورہ اشکال کا حل فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے نعل شریف کے متعلق فتویٰ پر جو اشکال فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسی قسم کا سوال مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے کیا گیا تھا، آپ نے اسکا جواب تحریر فرمایا وہ ملاحظہ ہو۔

(۴۸) جواب۔ آنحضرت ﷺ کے آثار متبرکہ طیبہ سے برکت حاصل کرنا تو علماء متقدمین اور صحابہ وتابعین سے ثابت ہے لیکن آثار واشیاء متبرکہ سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ وہ حضور انور ﷺ کی استعمال کی ہوئی اشیاء (مثلاً جبہ مبارک یا قمیص یا نعل مبارک) یا حضور ﷺ کے جسم اطہر کے اجزاء (مثل موئے مبارک) یا حضور ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ مس کی ہوئی چیزیں ہیں ...... لیکن ان میں سے کسی چیز کی تصویر بنا کر اس سے برکت حاصل کرنے کا معتمد اہل علم وارباب تحقیق سے ثبوت نہیں۔

اگر تصویر سے تبرک حاصل کرنا بھی صحیح ہو تو پھر نعل مبارک کی کوئی تخصیص نہ ہوگی بلکہ جبہ مبارک، قمیص شریف ہوئے مبارک اور قدم شریف کا کاغذ پر تصویریں بنانے اور ان سے تبرک وتوسل کرنے کا حکم اور نقشہ نعل مبارک سے تبرک وتوسل کا حکم ایک ہوگا، اور ایک ماہر بالشریعۃ اور ماہر نفسیات اہل زمانہ اس کے نتائج سے بے خبر نہیں رہ سکتا، جن بزرگوں نے نعل مبارک کے نقش کو سر پر رکھا بوسہ دیا اس سے توسل کیا وہ ان کے وجدانی اور انتہائے محبت با لنبی ﷺ کے اضطراری افعال ہیں ان کو تعمیم حکم اور تشریع للناس کے موقع پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔

نیز اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ نعل مبارک کا یہ نقشہ فی الحقیقت حضور ﷺ کے نعل مبارک کی صحیح تصویر ہے، یعنی حضور ﷺ کے نعل مبارک کے درمیانی پٹھے (شراک) کے وسط میں اور آگے کے تسمون (قبالین) پر ایسے ہی پھول اور نقش ونگار بنے تھے جیسے اس نقشے میں بنے ہوئے ہیں اور بلا ثبوت صورت وہیئت کے حضور کی طرف نسبت کرنا بہت خوفناک امر ہے اندیشہ ہے کہ من کذب علی متعمدا الخ کے مفہوم کے عموم میں شامل نہ ہو جائے کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ اس کو مثال نعل مصطفےٰ ﷺ قرار دینے کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس کو مثال قرار دینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی نعل مبارک استعمال کی تھی جس کے پٹھوں اور اگلے تسموں پر اس قسم کے پھول بنے تھے اور اس طرح کے نقش ونگار بھی تھے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ یہ نقش ونگار ریشم سے بنائے گئے تھے یا کلابتوں اور زری کے تھے یا محض ٹھپہ تھا اور ان تمام امور میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت مہیا نہ ہوگا اور اختلاف اہواء سے مختلف حکم لگائے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال تصویر کو اصل کا منصب دینا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا احکام شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اگر

حضور ﷺ کی نعل مبارک جو حضور کے قدم مبارک سے مس کر چکی ہو کسی کو مل جائے تو زہے سعادت، اس کو بوسہ دینا، سر پر رکھنا سب صحیح، مگر نعل کی تصویر اور وہ بھی ایسی تصویر جس کی اصل سے مطابقت کی بھی کوئی دلیل نہیں اصل نعل مبارک کے قائم مقام نہیں ہوسکتی الخ۔ (کفایت المفتی ص ۵۹، ص ۶۰ جلد دوم)

اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔

(جواب ۹۴) اگر آنحضرت ﷺ کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا، سر پر اٹھالینا بھی موجب سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے، اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شئی کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ کے ست مبارک پائے مبارک موئے مبارک اور قمیص مبارک جبہ مبارک، کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور اگر انہیں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت قطع نظر کر لی جائے تو پھر آج ہی بیشمار تصویریں بن جائیں گی، اور ایک فتنہ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا، مگر دستور العمل قرار دینے کے لئے حجت نہیں ہوسکتا۔ (کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۱)

مذکورہ بالا دوفتوؤں کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں مختلف سوالات آئے، مفتی صاحبؒ نے دیکھا کہ اختلاف وشقاق بین المسلمین کا دروازہ کھل رہا ہے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے مناسب سمجھا کہ اسی وقت اس کا تدارک کرلیا جائے چنانچہ حضرت ممدوح نے اپنے یہ دونوں جواب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ روانہ کردیئے اس کے بعد جانبین سے خط وکتابت ہوئی، وہ خط وکتابت "اتمام القال فی بعض احکام التمثال" کے نام سے رسالہ کی صورت میں شائع ہوئی اور کفایت المفتی جلد دوم کتاب السلوک والطریقۃ کے فصل سوم "توسل" میں بھی شائع ہوگئی ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو جوابات تحریر فرمائے اختصار کے پیش نظر اس کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں، تفصیل درکار ہو تو کفایت المفتی کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱) بعد الحمد والصلوٰۃ احقر نے دونوں جواب پڑھے جو بالکل حق ہیں۔ اور صحت معنی کے ساتھ اسلوب کلام میں ادب کی رعایت خاص طور پر قابل داد ہے جس کی ایسے نازک مسائل میں سخت ضرورت ہے (بحوالہ کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۲)۔

(۲) یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے، ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو وہاں نقشہ تو کیا خود اصل تبرکات کا انعدام بھی بشرط عدم اہانت وبشرط عدم لزوم ابقاء مطلوب و مامور بہ ہوگا، جیسا حضرت عمرؓ کا قصہ قطع شجرہ کا منقول ہے۔

(۳) یہ تو طالب علمانہ کلام ہے جس میں جانبین کو بہت وسعت ہے ہر جواب پر شبہ اور ہر شبہ کا جواب ہوسکتا

ہے، لیکن شیخ شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے۔

ندانی که مارا سر جنگ نیست
وگرنه مجال سخن تنگ نیست

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا۔ چنانچہ مکتوبات خبرت کے حصہ سوم بابت ۳۳ کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاف ہوا ہے جس سے میرا ذہن خالی تھا مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دع مایریبک الیٰ مالا یریبک (الحدیث) اپنے رسالہ "نیل الشفا" سے رجوع کرتا ہوں، اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہو گیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں

علی اننی راض بان احمل الهویٰ
واخلص منه لا علی ولا لیا

(کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۸)

امید ہے کہ اب اشکال رفع ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۷۔ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

خواب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اللہ کی زیارت اور عذاب الٰہی سے نجات پانے کے متعلق آپ کا سوال اور حق جل مجدہ کا جواب:

(استفتاء ۴۴) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پروردگار کو خواب میں سو مرتبہ دیکھا اور آپ نے حق تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ قیامت کے روز مخلوق آپ کے عذاب سے کس چیز سے نجات پائے گی؟ فرمایا جو شخص صبح و شام یہ پڑھتا رہے گا وہ میرے عذاب سے نجات پائے گا، صبح و شام پڑھنے کی چیز یہ ہے۔ سبحان الابدی الا بد ...... الخ کیا یہ واقعہ مستند و معتبر ہے؟ اور کس کتاب میں لکھا ہے، حوالہ درکار ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) فقہ حنفی کی مستند کتاب طحطاوی علی الدر المختار ص ۳۶ ج ۱ اور فتاوی شامی ص ۴۸ ج ۱، اور غایۃ الاوطار ص ۲۱ ج ۱، میں مذکور واقعہ منقول ہے، ملاحظہ کیجئے شامی میں ہے۔ ان الامام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال رأیت رب العزة فی المنام تسعا وتسعین مرة فقلت فی نفسی ان رأیته تمام المائة لاسألنه بم ینجو الخلائق من عذابه یوم القیمة ؟ قال فرأیته سبحانه وتعالیٰ فقلت یارب عزجارک وجل ثناءک وتقدست اسماؤک بم ینجو عبادك یوم القیمة من عذابک ؟ فقال سبحانه وتعالیٰ من قال بعد الغداة والعشی سبحان الابدی الا بد ......

یعنی امام ابوحنیفہ نے اللہ رب العزت کو خواب میں ننانوے مرتبہ دیکھا پھر اپنے دل میں کہا اب اگر سویں بار دیکھوں گا تو سوال کروں گا کہ خلائق اس کے عذاب سے قیامت کے دن کس چیز سے نجات پائے گی ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے پروردگار عز جارک وجل ثناء ک وتقدست اسماء ک کس چیز سے نجات پائے گی خلائق تیرے عذاب سے قیامت کے دن تو فرمایا جو شخص صبح وشام یوں کہا کرے گا۔

سبحان الا بدی الابد سبحان الواحد الا حد سبحان الفرد الصمد.

پاکی ہے اس ذات کے لئے جو ہمیشہ ہمیشہ تک ہے پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جو ایک اور یکتا ہے پاکی ہے اس ذات کے لئے جو تنہا اور طاق اور بے نیاز ہے۔

سبحان رافع السماء بغیر عمد.

پاکی ہے اس ذات پاک کی لئے جو آسمانوں کو بغیر ستوں کے بلند کرنے والا ہے۔

سبحان من بسط الا رض علی ماء جمد.

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے بچھایا زمین کو برف کی طرح جمے ہوئے پانی پر۔

سبحان من خلق الخلق فاحصاھم عدداً.

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے پیدا کیا خلق کو پس ضبط کیا اور خوب جان لیا ان کو گن کر۔

سبحان من قسم الرزق ولم ینس احداً.

پاکی ۔ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے روزی تقسیم فرمائی اور نہ بھولا کسی کو بھی۔

سبحان الذی لم یتخذ صاحبةً ولا ولداً.

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے نہ اختیار کیا اور نہ بنایا (اپنے لئے) بیوی اور نہ لڑکے کو۔

سبحان الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له' کفوا احدا.

پاکی ہے اس ذات کے لئے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا اس کے لئے برابری کرنے والا کوئی۔

وہ میرے عذاب سے نجات پائے گا۔ (شامی مقدمہ ص ۴۸ ج ۱) (غایۃ الاوطار ص ۲۱ ج ۱)

ہر مسلمان مذکورہ دعاء کو اپنا وظیفہ بنالے اور صبح وشام پڑھتا رہے تو اس کے لئے بڑی سعادت مندی کی بات ہوگی ، مغفرت اور اللہ کے عذاب سے نجات کے لئے بڑا اچھا وظیفہ ہوگا۔

رسول مقبول ﷺ وفات سے پہلے اٹھتے بیٹھے چلتے پھرتے یہ کلمات طیبات پڑھا کرتے تھے۔ سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم اور کبھی سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ پڑھتے ، اور گاہے پڑھتے سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک. یہ تمام روایتیں تفسیر (درمنثور ج ۶ ص ۴۰۸) میں مذکور ہیں (سورۃ النصر) بحوالہ سیرت مصطفی ج ۳ ص ۱۵۶ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

ورد کے قابل ایک دعا یہ بھی ہے

دعائے حفظ الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انی اسئلک بعزتک یا عزیز وبقدرتک یا قدیر وبحمدک یا حمید وبحکمتک یا حکیم وبرحمتک یا رحیم وبعظمتک یا عظیم وبعفوک یا عفو وبفضلک یا رحمن وبمنک یامنان ان تحفظ علی الایمان فی انآء اللیل واطراف النھار قائما وقاعداً راکعاً وساجداً یقظاناً ونا ئماً حیاً ومیتاً وعلی کل حال یا ارحم الراحمین .(فقط واللہ اعلم بالصواب.

انبیاء علیہم السلام کی ہڈیوں کے متعلق:

(سوال ۴۵) ایک رسالہ میں امام حسن خالص عسکری کے حالات میں لکھا ہے کہ جب سر من رای میں قحط پڑا تو خلیفۂ وقت کے حکم کے مطابق بارش کی دعاء کی گئی پھر بھی بارش نہ برسی، لیکن ایک نصرانی راہب نے اس کے بعد دعا کی تو بارش ہوئی کیونکہ اس کے ہاتھ میں کسی مدفون نبی کی ہڈی تھی اس لئے شبہ پیدا ہوا کہ کیا واقعۃً نبی کی ہڈی تھی یا کسی اور انسان کی؟ اور اس راہب کے ہاتھ میں وہ ہڈی کہاں سے آئی؟ واقعۃً وہ ہڈی نبی کی ہو تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ ایسے اشکالات پیدا ہو رہے ہیں، لہذا تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

(جواب) حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں، نماز پڑھتے ہیں، ان کو رزق پہنچایا جاتا ہے، خدا تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بدن مبارک کو زمین پر حرام کر دیا فی حدیث ابن اوس قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الا نبیاء رواہ ابو دائود والنسائی وابن ماجۃ والدارمی والبیھقی فی الدعوات الکبیر و فی حدیث ابی الدرداء قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الا نبیاء فنبی اللہ حی یرزق فی حدیث مسلم وصح خبر الا نبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مشکوٰۃ مع ھامش ص ۱۲۰ وص ۱۲۱ باب الجمعۃ)

لہذا ذکر کردہ بات صحیح نہیں ہو سکتی، اگر سند صحیح اور معتبر روایت سے ثابت ہو جاوے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کی وفات سے قبل انگلی وغیرہ کٹ کر کسی کے پاس محفوظ ہو گئی ہو جیسا کہ آپ ﷺ کے بال مبارک اور ناخن مبارک وفات سے قبل بدن مبارک سے الگ ہوئے تھے، آج بھی لوگوں کے پاس وہ محفوظ ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی تاویل سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اعمال امت کی پیشی دربار نبوی میں:

(سوال ۴۶) تبلیغی حضرات بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) جی ہاں آپ ﷺ کے حضور میں آپ کے امتیوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں بایں طور کہ فلاں امتی

نے یہ کیا اور فلاں نے یہ، امت کے نیک اعمال پر آپ مسرت کا اظہار فرماتے ہیں اور معاصی سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے۔

وقال علیہ السلام تعرض الا عمال یوم الا ثنین ویوم الخمیس علی اللہ تعالیٰ وتعرض علی الا نبیاء وعلی الآباء والا مھات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسنا تھمْ ویزدا دون وجوھھم بیضاء ونزھۃ فاتقوا اللہ ولا تو ذوا موتاکم (نوادر الا صول ص ۲۱۳) مطبوعہ دار السعادۃ قسطنطنیۃ (شرح الصدور ص ۱۷۸-(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ابتداء عمر ہی سے کفر وشرک سے محفوظ ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقولہ ہذا ربی کی وضاحت:

(سوال ۷۴) حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں یا قرائن ودلائل دیکھ کر بعد میں توحید کے قائل ہوتے ہیں؟ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

بعض لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقولہ ''ھذا ربی'' (جو قرآن مجید میں ہے) سے اشکال ہوتا ہے اور وہ لوگ اس آیت کی وجہ سے اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتداء عمر میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) موحد نہ تھے، لہذا اس بارے میں وضاحت کی سخت ضرورت ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) باسمہ سبحانہ وتعالیٰ حامداً ومصلیاً ومسلما وھو الموفق.

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت کفر وشرک بلکہ شائبہ کفر وشرک سے بھی بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، فتاویٰ رحیمیہ میں ایک جگہ احقر نے تحریر کیا ہے۔ نبوت اور کفر آپس میں ضد ہیں یہ دونوں ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے، لہذا جو نبی ہوگا وہ کسی حال میں کفر کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا اور جو کافر ہوگا وہ کسی حال میں نبی نہیں ہو سکتا (فتاویٰ رحیمیہ ۳۹۱/۶) (جدید ترتیب میں اسی باب میں اس فتویٰ کو، کوئی شخص حضور کو نو مسلم لکھے تو کیا حکم ہے؟ عنوان سے دیکھے۔ از مرتب) یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جسے عقائد وکلام کی کتابوں میں بیان کیا ہے، چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ والانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ینزھون عن الصغائر والکبائر والقبائح یعنی قبل النبوۃ وبعدھا.

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل نبوت اور بعد نبوت صغائر، کبائر، کفر اور قبائح سے بالکل منزہ ہوتے ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۶، ۱۷)

شرح عقائد نسفی میں ہے: وفی عصمتھم عن سائر الذنوب تفصیل وھو انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالا جماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمھور (شرح عقائد نسفی ص ۹۸)

---

(۱) اس کے علاوہ مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے اعمال جمعہ کے دن مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علی. مشکوٰۃ باب الجمعۃ ص ۱۲۰)

عقائد اسلام میں ہے۔ (وہ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب راستباز اور نیکوکار اور کبیرہ وصغیرہ گناہ سے پاک تھے) تفصیل اس کی یہ ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام وحی آنے کے بعد یعنی نبی ہونے کے بعد کفر اور شرک اور جمیع کبائر سے خواہ عمداً ہوں خواہ سہواً ...... معصوم تھے ...... الیٰ قولہ ...... مگر کفر اور شرک سے بالاتفاق معصوم تھے کسی نبی سے قبل نبوۃ بھی کفر اور شرک سرزد نہیں ہوا الخ (عقائد اسلام ص ۳۸، ص ۳۹، باب نمبر ا فصل نمبر ۴ مصنفہ علامۂ زمن مولانا ابو محمد عبد الحق محدث دہلوی ومفسر تفسیر حقانی)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی مصنفہ ''عقائد اسلام'' میں ہے۔

عقیدۂ چہارم:

تمام انبیاء کرام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم تھے انبیاء کی عصمت اور طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزء ایمان ہے اگر انبیاء کرام معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مطلقاً اور بے چون وچرا ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور نہ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا اور نہ انبیاء کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیتا۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدھم.

جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

معصوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مصطفےٰ اور مرتضیٰ یعنی اخلاق اور عادات اور افعال اور ملکات اور تمام احوال میں من کل الوجوہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور اس کا باطن مادۂ معصیت سے بالکلیہ پاک ہو یعنی مادۂ شیطانی ونفسانی سے اس کا قلب بالکلیہ پاک اور منزہ ہو، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے، جس سے مراد من کل الوجوہ ارتضاء اور اصطفاء اور اخلاص کامل ہے اور من کل الوجوہ پاک وصاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلاشرکت غیر خالص اللہ کا بندہ وہی ہو سکتا ہے جس کا باطن نفس اور شیطان کی بندگی سے بالکلیہ پاک ہو، اس اسی مادۂ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نزاہت کا نام عصمت ہے۔ (عقائد اسلام ص ۴۵، ص ۴۶ حصہ اول)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ایک اور تصنیف ''علم الکلام'' میں تحریر فرمایا ہے۔

''ایمان واسلام سے ان کا قلب اس درجہ لبریز ہو کہ کفر ودجل کے لئے جزو لا یتجزیٰ کی مقدار بھی اس میں جگہ نہ ہو، حاشا ایسا ہرگز ہرگز نہ ہو کہ جس کو خود دجال کہتے ہوں اسی سے قتال وجدال کو حرام بتلاتے ہوں اور نہایت تضرع اور ابتہال سے اس کے بقاء کی دعا کرتے ہوں۔'' (علم الکلام ص ۲۰۱ خصائص نبوت)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتدا ہی سے کفر وشرک بلکہ شائبہ کفر وشرک سے بھی پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، اور یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عالم ازل میں اپنی عبادت اور توحید اور اس کی طرف دعوت دینے کا بہت

پختہ اور مضبوط عہد لیا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

واذاخذ نا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ بن مریم. واخذ نا منھم میثاقاً غلیظاً لیسئل الصٰدقین عن صدقھم واعد للکفرین عذاباً الیماً.

(قرآن مجید سورۂ احزاب آیت نمبر۷۔نمبر۸ پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر۱۷)

ترجمہ:۔اور(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا (کہ احکام الٰہیہ کی اتباع کریں جن میں خلق اللہ کو تبلیغ ودعوت اور باہمی تعاون وتناصر بھی داخل ہے)اور آپ سے بھی (اقرار لیا)اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے بھی اور (یہ کوئی معمولی عہد واقرار نہیں تھا بلکہ) ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تا کہ (قیامت کے روز) ان سچے لوگوں سے (یعنی انبیاء علیہم السلام سے) ان کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے جو صاحب وحی کی اتباع سے منحرف ہیں) اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(معارف القرآن، خلاصۃ تفاسیر ص۸۹ ج۷)

تفسیر جلالین میں ہے:(و)اذکر (اذا خذنا من النبیین میثاقھم) حین اخرجوا من صلب آدم کالذر جمع ذرۃ وھی اصغر النمل (ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم) بان یعبدوا اللہ ویدعوا الی عبادتہ وذکر الخمسۃ من عطف الخاص علی العام (واخذ نامنھم میثاقاً غلیظاً) شدیداً بالوفاء بما حملوہ وھو الیمین باللہ تعالیٰ...... الخ(جلالین مع صاوی ص ۲۵۲ ج۳)

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے: (قولہ بان یعبدوا اللہ) ای یوحدوہ وھو تفسیر للمیثاق(قولہ ویدعوا الی عبادتہ) ای یبلغو اشرائعہ للخلق فعھد الانبیاء لیس کعھد مطلق الخلق......(قولہ من عطف الخاص علی العام) ای والنکتۃ کونھم اولی العزم ومشاھیر الرسل وقدمہ صلی اللہ علیہ وسلم لمزید شرفہ وتعظیمہ (صاوی علی جلالین ص ۲۵۲ ج۳)

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو میثاق لیا اس کو بیان فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں بھی جو اولوالعزم اور مشہور میں ان کا خاص طور پر ذکر فرمایا جن میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں۔اب غور فرمائیے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہی مضبوط عہد لیا ہو (اور ان حضرات کا عہد عام مخلوق کی طرح نہیں ہے جیسا کہ صاوی کی عبارت سے واضح ہے) کیا دنیا میں تشریف آوری کے بعد اس کے خلاف ان سے متصور ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بدء خلقت سے موحد نہیں ہوتے ؟ حاشا وکلا اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا!

لہذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی بدء خلقت ہی سے موحد ہوتے ہیں اور ابتداء ہی سے کفر وشرک سے بالکل سے پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، توحید اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے لئے ان کو دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

لہذا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اولوالعزم نبی ہیں آپ بھی اپنی بدء خلقت سے موحد بلکہ موحد اعظم تھے۔ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین یہ آیت کریمہ بھی ایک تفسیر کے مطابق

اس پر دال ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے **اذ جآء ربہ' بقلب سلیم.** اور قلب سلیم کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ کفر سے پاک ہو (تفسیر رازی) یہ آیت بھی ہمارے دعویٰ پر دال ہے۔

روح المعانی میں ہے (**ولقد آتینا ابراھیم رشدہ) ای الرشد ، الا ئق بہ زبامثالہ' من الرسل الکبار وھو الرشد الکامل اعنی الا ھتداء الیٰ وجوہ الصلاح فی الدین والدنیا والا رشا د بالنوامیس الا لھیۃ......(من قبل) ای من قبل موسیٰ وھارون وقیل من قبل البلوغ حین خرج من السرب وقیل من قبل ان یو لد حین کان فی صلب آدم علیہ السلام الخ.(روح المعانی ۱.۷ /۵۸)**

تفسیر رازی میں ہے: **(الحجہ السادسۃ) انہ تعالیٰ قال فی صفۃ ابراھیم علیہ السلام اذ جاء ربہ' بقلب سلیم واقل مراتب القلب السلیم ان یکون سلیماً عن الکفر وایضاً مدحہ فقال ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین ای اتیناہ رشدہ من قبل من اول زمان الفکرۃ وکنابہ عالمین ای بطھارتہ وکمالہ ونظیرہ قولہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (تفسیر امام رازی ۴/ ۱۱۰ تحت الآیۃ فلما جن علیہ اللیل رأی کو کبا)**

سوال میں جس آیت کریمہ سے اشکال کیا گیا ہے وہ آیت اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے اور معاذ اللہ آپ نے اعتقاداً ''ھذا ربی'' نہیں فرمایا ہے، مفسرین نے اس کے مختلف جواب تحریر فرماتے ہیں، مثلاً آپ نے یہ بطور استفہام انکاری فرمایا ہے، اور حرف استفہام محذوف ہے، یا آپ نے بطور استہزاء فرمایا ہے، یا قوم کے اعتقاد اور زعم کے اعتبار سے فرمایا کہ تمہارے زعم کے موافق یہ کوکب میرا معبود ہے مگر ابھی تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے، چنانچہ جب وہ غروب ہوگیا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا ''**لا احب الا فلین**'' میں غروب ہونے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جسے خدایا معبود بنایا جائے وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہوتا ہے، جب آپ نے اس سے محبت کی نفی فرمائی تو مطلب یہ ہوا کہ میں اسے رب نہیں سمجھتا، اس لئے کہ جس چیز میں تغیر پیدا ہو اور وہ فنا ہوجائے وہ معبود بننے کے قابل نہیں۔

مناظرہ میں فریق مقابل کی بات کی تردید کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اولاً اس کی بات موافقت کے انداز میں نقل کی جائے پھر دلائل قائم کرکے اس کی تردید کی جائے، گاہے یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور فریق مقابل جلد اپنی بات سے رجوع کر لیتا ہے، یہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی طریقہ اختیار فرماتے ہوئے ''ھذا ربی'' فرمایا، پھر **لا احب الا فلین** فرما کر اس کی تردید فرمائی جیسا کہ آئندہ مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوگا۔

چاند اور سورج دیکھ کر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح ان کی تردید فرمائی اور آخر میں ''**انی بری مما تشر کون**'' (بے شک میں بیزار ہوں ان تمام چیزوں سے جن کو تم شریک کرتے ہو) فرما کر ان تمام سے براءت پیش فرمائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جملہ میں شریک کی نسبت قوم کی طرف فرمائی، ان کی طرف نسبت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قوم شرک میں مبتلا تھی، آپ شرک وکفر سے بالکل پاک وصاف تھے۔

قرآن مجید میں اس مناظرہ سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کی جو تردید فرمائی ہے اس کو بیان فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

واذ قال ابراھیم لا بیہ آزر اتتخذ اصناماً الھۃً انی ارک وقومک فی ضلال مبین ○ (قرآن مجید سورہ انعام پ ۷)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ تردید بھی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ''ھذا ربی'' کہنا اعتقاداً نہیں ہوسکتا، آپ کو اپنے رب کی معرفت اس سے قبل حاصل تھی، تفسیر رازی میں ہے۔

(الحجة الثانية) ان ابراهيم عليه السلام كان قد عرف ربه قبل هذه الواقعة بالدليل والدليل على صحة ماذكرنا ہ انه تعالىٰ اخبر عنه انه قال قبل هذا الوقعة لا بيه آزر أتتخذ اصناماً الهة انى اراک وقومک فى ضلل مبين (تفسير رازى ۴/۱۱۰)

اب مفسرین نے ''ھذا ربی'' کے متعلق جو جوابات تحریر فرماتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر امام رازی میں ہے:فثبت بهذه الدلائل الظاهرة انه لا يجوز ان يقال ان ابراهيم عليه السلام قال على سبيل الجزم هذا ربى واذا بطل هذا بقى ههنا احتمالان(الاول) ان يقال هذا كلام ابراهيم عليه السلام بعد البلوغ و لكن ليس الغرض منه اثبات ربو بية الكواكب بل الغرض منه احد امور سبعة (الا ول ان يقال ان ابراهيم عليه السلام لم يقل هذا ربى على سبيل الا خبار بل الغرض منه انه كان يناظر عبدة الكواكب وكان مذهبهم ان الكواكب ربهم والههم فذكر ابراهيم عليه السلام ذلك القول الذى قالوه بلفظهم وعبارتهم حتىٰ يرجع عليه فيبطله ومثاله ان الواحدمنا اذا نا ظرمن يقول بقدم الجسم فيقول الجسم قديم فاذا كان كذلک فلم نراه ونشاهده مركباً متغيراً فهو انما قال الجسم قديم اعادة لكلام الخصم حتىٰ يلزمه المحال عليه فكذا ههنا قال هذا ربى والمقصود حكاية قول الخصم ثم ذكر عقيبه ما يدل على فساده وهو قوله لا احب الا فلين وهذا الوجه هو المعتمد فى الجواب والدليل عليه انه تعالىٰ دل فى اول الا ية على هذه المنا ظرة بقوله تعالىٰ وتلک حجتنا اتينا ها ابراهيم عليه قومه (والوجه الثانى فى التاويل) ان نقول قوله هذا ربى معناه هذا ربى فى زعمكم واعتقادكم ...... (والوجه الثالث) ان المراد منه الاستفهام على سبيل الا نكار الا انه اسقط حرف الا ستفهام استغناءً عنه لد لا لة الكلام عليه (والوجه الرابع) ان يكون القول مضمراً فيه والتقدير قال " يقولون هذا ربى" واضمار انقول كثير. الى قوله (والوجه الخامس) ان يكون ابراهيم ذكر هذا الكلام على سبيل الا ستهزاء كما يقال لذليل ساد قوماً هذا سيد كم على سبيل الا ستهزاء...... الخ.

(تفسير اما م رازى ۴/۱۱۱.۱۱۲، تحت الا ية فلما جن عليه الليل رأ ى كو كبا)

چھٹا اور ساتواں جواب طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا، جن کو شوق ہو تفسیر میں مطالعہ فرمائیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے(قال هذا ربى) استئناف مبنى على سوال نشأ من الكلام السابق

وھذامنه عليه السلام على سبيل الفرض وارخاء العنان مجاراة مع ابيه وقومه الذين كانوا يعبدون الاصنام والكواكب. الىٰ قوله. وقيل فى الكلام استفها ما انكار يا محذوفاً رحذف اداة الاستفهام كثير فى كلامهم......وقيل انه مقول على سبيل الا ستهزاء كما يقال لذليل ساد قوما هذا سيدكم على سبيل الا ستهزاء وقيل انه عليه الصلوٰة والسلام ارادان يبطل قولهم بر بو بية الكواكب...... الخ .(تفسيرروح المعانى ۱۹۸/۷)

تفسیر تبصیر الرحمان وتیسیر المنان المعروف بہ ''تفسیر مہائمی'' میں ہے(فلما جن) اى اظلم عليه الليل رأى كوكباً) الزهرة اوالمشترى (قال) لقومه ارخاء للعنان معهم باظهار موافقته لهم اولاً ثم ابطال قولهم بالا ستد لال لانه اقرب لرجوع الخصم (هذا ربى.فلما افل) وهو د ناء ة تنا فى الا لهية بل تمنع من الميل الى صاحبها فضلاً عن اتخاذه الهاً او معبوداً فضلا عما يفتقر اليه .(تفسير مها ئمى ۲۲۵/۱)

تفسیر بیان القرآن میں ہے۔امر دوم ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے توحید کے عارف و محقق تھے۔الیٰ قولہ۔فلما جن......پھر جب رات کی تاریکی ان پر (اسی طرح اورسب پر) چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا کہ چمک رہا ہے، آپ نے (اپنی قوم سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور میرے احوال میں متصرف) ہے (بہت اچھا اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا، سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے (جو کہ ایسی حالت کے ساتھ موصوف ہوں کہ وہ حالت بوجہ حدوث کے خود دلالت کررہی ہے کہ یہ خود بوجہ محل حوادث ہونے کے محدث کامحتاج ہے محبت نہیں رکھتا (اور محبت لوازم اعتقاد ربوبیت سے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ میں رب نہیں سمجھتا، پھر (اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں) جب چاند کو دیکھا کہ چمکتا ہوا نکلا ہے تو (پہلی ہی کی طرح) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال ہے) (بہتر اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا، چنانچہ وہ بھی غروب ہوگیا) سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے ۔ (جیسا کہ اب تک ہدایت کرتا رہتا ہے) تو میں بھی (تمہاری طرح) گمراہ ہوجاؤں، پھر (یعنی اگر) چاند کا قصہ اسی قصہ کوکب کی شب کا تھا تب تو کسی اور شب کی صبح کو اور اگر چاند کا قصہ اسی قصہ کوکب کی شب کا نہ تھا تو قصہ قمر کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی اور شب کی صبح کو جب آفتاب کو دیکھا (کہ بڑی آب و تاب سے چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو (پہلی دوبار کی طرح پھر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال) ہے (اور) یہ تو سب (مذکورہ ستاروں میں) بڑا ہے اس پر خاتمہ کلام کا ہوجاوے گا، اگر اس کی ربوبیت باطل ہوگئی تو چھوٹوں کی بدرجۂ اولیٰ باطل ہوجاوے گی ،غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہوگیا) سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار (اور نفور) ہوں (یعنی براءت ظاہر کرتا ہوں) اعتقاداً تو ہمیشہ سے بیزار ہی تھے)

(بیان القرآن ص ۱۰۹ ج ۳ سورۂ انعام پ ۷)

تفسیر معارف القرآن میں ہے: فلما جن علیه اللیل رأی کوکباً قال هذا ربی . یعنی ایک رات جب تاریکی چھا گئی اور ایک کوکب یعنی ستارے پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو سنا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا رب ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات اور عقائد کی رو سے یہی میرا اور تمہارا رب یعنی پالنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ میں آیا، اور فرمایا لااحب الا فلین ، آفلین کا یہ لفظ افول سے بنا ہے جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جس کو خدایا معبود بنایا جائے، ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہونا چاہئے۔ الیٰ قولہ۔ اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ تمہارے عقائد کے مطابق یہ میرا رب ہے مگر اس کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آجائے گی، چنانچہ جب چاند غروب ہو گیا تو فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہو جاتا، اور چاند ہی کو اپنا معبود اور رب سمجھ بیٹھتا، لیکن اس کے طلوع و غروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میرا رب کوئی دوسری شئی ہے جس کی طرف مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز آفتاب کو نکلتے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے مگر اس بڑے کی حقیقت وحیثیت بھی عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہو گیا تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت واضح طور پر بیان فرمادیا کہ یاقوم انی بری مما تشرکون، یعنی اے میری قوم میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بیزار ہوں کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدائی کا شریک بنا رکھا ہے......الخ۔

(معارف القرآن ۳/۳۸۱، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

عقائد اسلام میں علامہ ابو محمد عبدالحق صاحب تفسیر حقانی دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

''اول ابراہیم علیہ السلام نے ھذا ربی استہزاءً کفار کو الزام دینے کے لئے فرمایا تھا نہ کہ اعتقاداً، کما قال تعالیٰ ولقد اتینا ابراهیم رشده من قبل الایة کہ ہم نے اول عمر سے ابراہیم کو رشد عطا کیا تھا، پس رشد کی یہ منافی ہے کہ آفتاب کو خدا سمجھیں۔ (عقائد اسلام ص ۴۰ باب ۱، فصل نمبر ۴)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ''ھذا ربی'' کا مطلب واضح ہو گیا، لہذا اس آیت کے ذریعہ کسی طرح اشکال درست نہیں ہو سکتا اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد تھے، ادنی درجہ کا شک وشبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں رہی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت رکانہؓ کے صحابی ہونے کی تحقیق:

(سوال ۴۸) میں نے سنا ہے کہ رکانہ کی (جو پہلوان تھے) حضور ﷺ کے ساتھ دو تین مرتبہ کشتی ہوئی، کیا وہ صحابی

ہیں، اسلام قبول کیا تھا اور کیا ان کا انتقال حالت اسلام میں ہوا ہے، امید ہے کہ حوالوں کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے! بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت رکانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے، قبول اسلام سے پہلے دو تین مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ان کی کشتی ہوئی اور ہر مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو شکست دی، یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ کشتی میں شکست ہوئی مگر اس وقت اسلام قبول نہیں کیا، البتہ منقول ہے کہ یہی واقعہ ان کے قبول اسلام کا سبب ہوا، قبول اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، ان سے احادیث بھی مروی ہیں، کتب احادیث میں باب الطلاق میں ''طلاق البتہ'' سے متعلق ایک مشہور حدیث ہے، وہ واقعہ حضرت رکانہؓ ہی کا ہے اور وہ حدیث ''حدیث رکانہ'' سے مشہور ہے، حالت اسلام میں ان کی وفات ہوئی ہے لہذا ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں ہوئی، اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی، تہذیب التہذیب میں ہے۔

(رکانة) بن عبد یزید بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف المطلبی کان من مسلمة الفتح وهو الذی صارع النبی صلی اللہ علیه وسلم وذلک قبل اسلامه وقیل کان ذلک سبب اسلامه له احادیث وعنه نافع ابن عجیر وابن ابنه علی بن یزید بن رکانة وقیل عن یزید بن رکانة . قال الزبیر بن بکار نزل رکانة المدینة ومات بها فی اول خلافة معاویة ، قلت وقال ابن حبان یقال انه صارع النبی صلی اللہ علیه وسلم وفی اسناد خبره یعنی الذی رواه (ت) نظر وکذا قال ابن السکن وقال ابو نعیم سکن المدینة وبقی الیٰ خلافة عثمان ویقال توفی سنة (۴۱) (تهذیب التهذیب ص ۲۸۷ ج۳، للعلامة حافظ ابن حجر عسقلانی رحمه اللہ)

''اسد الغابة فی معرفة الصحابه'' میں ہے (رکانة) بن عبد یزید بن هاشم بن المطلب بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرة القرشی المطلبی. الی قوله. وهذا رکانة هو الذی صارعه النبی صلی اللہ علیه وسلم فصرعه النبی صلی اللہ علیه وسلم مرتین او ثلاثا وکان من اشد قریش وهو من مسلمة الفتح وهو الذی طلق امرأته سهیمة بنت عویمر بالمدینة. الی قوله. ثم اسلم بعد ونزل المدینة واطعمه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من خیبر ثلاثین وسقا ومن حدیثه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ان لکل دین خلقا وخلق هذا الدین الحیاء وتوفی رکانة فی خلافة عثمان وقیل توفی سنة اثنتین و اربعین اخرجه الثلاثة (اسد الغابة فی معرفة الصحابه ج۲ ص ۱۸۷ ،ص۱۸۸ للعلامة عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری المعروف بابن الاثیر م۶۳۰ھ باب الراء والکاف)

اکمال فی اسماء الرجال میں ہے: رکانة بن عبدیزید ، هو رکانة بن عبد یزید بن هاشم بن المطب القرشی کان من اشد الناس حدیثه فی الحجازیین بقی الیٰ زمان عثمان وقیل مات سنة اثنتین واربعین روی عنه جماعة رکانة بضم الراء وتخفیف الکاف والنون (اکمال فی اسماء الرجال ص ۱۰، حرف

الرواء فصل فی الصحابة رضی اللہ عنہ لصاحب المشکوٰۃ الشیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب رحمہم اللہ، (یہ رسالہ مشکوٰۃ شریف کے آخر میں ہے) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

شیعہ کا یہ کہنا کہ اگر حضرت علیؓ کو خلیفۂ اول بنایا جاتا تو جنگ جمل و جنگ صفین پیش نہ آتیں اس کا کیا جواب ہے؟:

(سوال ۹۴) کیا فرماتے ہیں علماء محققین اس اہم ترین مسئلہ میں کہ میرے ایک ملنے والے شیعی بھائی کا کہنا ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفۂ اول بنایا جاتا اور آپ کے بعد حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلیفہ بنایا جاتا تو جنگ جمل اور جنگ صفین کا واقعہ پیش نہ آتا اور ہزار ہا مسلمان اور صحابہ ان جنگوں میں قتل نہ ہوتے، صحابہ کرام نے صدیق اکبرؓ کو خلیفہ منتخب کیا، یہ مناسب نہیں تھا، اس کا کیا جواب ہوگا؟

(الجواب) علماء محققین رحمہم اللہ نے اس اعتراض کے تحقیقی جواب تحریر فرمائے ہیں اور دلائل سے اسے مبرہن کیا ہے اس موضوع پر جو کتابیں تصنیف فرمائی گئی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے، یہ بات خیال میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے اور جو اس کی مشیت ہوتی ہے وہی ہوکر رہتا ہے (ان الحکم الا للہ) اس میں بندہ کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرمادیا ہے کہ اتنے سال اس کی عمر ہوگی اپنی زندگی میں وہ ان کاموں اور خدمتوں کو انجام دے گا اور وقت موعود آنے پر وہ دنیا سے رحلت کر جائے گا اس میں ایک آن اور ایک گھڑی کا بھی فرق نہ ہوگا، قولہ تعالیٰ اذا جآء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون. جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

نیز ارشاد فرمایا ولن یؤخر اللہ نفساً اذا جآء اجلھا. ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کی میعاد (عمر کے ختم ہونے پر) آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ (قرآن مجید سورۂ منافقون)

آپ کے دوست کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اگر ''خلیفۂ اول'' منتخب ہوتے تو تینوں خلفاء خلافت سے محروم رہتے کیونکہ یہ تینوں بزرگ حضرت علیؓ کی حیات ہی میں وفات پاگئے، حضرت ابوبکر صدیق خلیفۂ اول کی وفات ۱۳ھ میں ہوئی اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت ۲۴ھ میں ہوئی اور خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت ۳۵ھ میں ہوئی اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی، اب آپ ہی بتلائیے کہ حضرت علیؓ خلیفۂ اول ہوتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کیسے خلیفہ ہوسکتے تھے جو اللہ کے فیصلے کے مطابق پہلے ہی وفات پاچکے ہوتے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو فیصلہ کیا تھا وہ الہامی اور مشیت خداوندی کے عین مناسب تھا، آپ کے شیعی دوست کی تجویز لغو ہے خدا کے فیصلہ میں دخل اندازی ہے، چار خلفاء کی خلافت اللہ کی عین مرضی کے مطابق ہے اور سرور کائنات ﷺ بھی اسی فیصلہ سے مکمل طور پر رضامند تھے روایات سے اس کے اشارے ملتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک بدوی سے چند اونٹ قرض خریدے

کہ قیمت فلاں وقت ادا کریں گے، حضرت علیؓ نے بدوی سے کہا کہ جا کر آنحضرت ﷺ سے دریافت کرے کہ اگر آپ کی وفات کے بعد آؤں تو میری قیمت کون ادا کرے گا اس نے جا کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا ابوبکرؓ ادا کرے گا، بدوی نے جا کر علیؓ سے خبر کی تو انہوں نے فرمایا کہ پھر جا کر دریافت کر کہ اگر ابوبکر کی وفات کے بعد آؤ تو قیمت کہاں سے پاؤں گا، اس نے جا کر یہی سوال کیا تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ ادا کرے گا بدوی نے علیؓ سے آکر بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مرتبہ جا کر پوچھ کر عمرؓ کی وفات کے بعد آؤں تو کون ادا کرے گا، اس کا جواب رسول مقبول ﷺ نے یہ دیا کہ عثمانؓ ادا کرے گا، بدوی نے آکر پھر علیؓ سے خبر کی تو آپ نے فرمایا کہ پھر جا اور عرض کر کہ اگر عثمانؓ کی وفات کے بعد آوں تو قیمت کون دے گا اس نے حاضر ہو کر یہ پوچھا تو حضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب ابوبکر و عمر عثمان مرجاویں تو اگر ہو سکے تو تو بھی مرجانا، یا یہ کہ اتنی مدت تو کہاں زندہ رہے گا مر ہی جائے گا، غرض اس مرتبہ بار بار سوال کرنے کے سبب سے آپ نے خفگی سے ایسا جواب دیا، رواہ اسمٰعیل فی معجمہ (از فتاویٰ محمدی ص ۴۷ مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبند) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کو تین چیزیں محبوب ہیں ان کی تفصیل:

(سوال ۵۰) رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو، عورت، نماز، اس کی تفصیل فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) خوشبو دل و دماغ کو معطر کرتی ہے۔ اور عقل میں اضافہ کرتی ہے اور عقل دین کو قائم رکھ سکتی ہے اس لئے خوشبو محبوب ہے۔ اور عورتیں مردوں کے لئے عفت و پاک دامنی اور امت میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے عورتیں محبوب ہیں۔ اور نماز اسلامی رکن اور دین کی بنیاد ہے۔ اور نماز کے وقت دربار خداوندی میں حاضری ہوتی ہے۔ اس لئے نماز محبوب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ما یتعلق بالعلم و العلماء

تعلیم نسواں کے متعلق

(سوال ۵۱) مسلمان لڑکیوں کو انگلش پڑھانا کیسا ہے؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) انگلش میں نام اور پتہ لکھ سکے اتنا سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کبھی شوہر سفر میں ہو اور اس کو خط لکھنے میں انگلش پتہ کی ضرورت ہو تو غیر کے پاس جانا نہ پڑے لڑکیوں کو اسکول اور کالج میں داخل کر کے اونچی تعلیم دلانا اور ڈگریاں حاصل کرنا جائز نہیں ہے کہ اس میں نفع سے نقصان کہیں زیادہ ہے (اثمهما اکبر من نفعهما) تجربہ بتلاتا ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول سے اسلامی عقائد و اخلاق و عادات بگڑ جاتے ہیں۔ آزادی، بے شرمی، بے حیائی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مرحوم اکبر الہٰ آبادی نے فرمایا ہے۔

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ "اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں، یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ (خطبۂ صدارت جلسہ افتتاحیہ مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڈھ ۱۹۲۰ء)

اور حکیم الأمت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "آج کل تعلیم جدید کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں، حالانکہ میں یہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے، جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں بہ استثناء شاذ و نادر ان کو نہ نماز سے غرض ہے، نہ روزے سے، نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔" (فضل العلم والعمل ص ۸)

اور فرماتے ہیں "مدارس اسلامیہ میں بیکار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجہ انگریزی میں مشغول رہنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہل علم سے محبت تو ہوگی، اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل، بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تزلزل ہو اور اللہ و رسول ﷺ اور صحابہؓ و بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانے میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے اور یہ ترجیح ایک محب دین کے نزدیک تو بالکل واضح ہے، ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے سو کہے۔ (حقوق العلم ص ۶۳-۶۴)

اور آپ کے ملفوظات میں ہے کہ "ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! علی گڈھ کالج میں لڑکوں کو داخل

کرتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دین سے برباد نہ ہوجائیں ،فرمایا" میاں ہوگا تو وہی جو اللہ کو منظور ہوگا،مگر ظاہری اسباب میں یہ داخلہ بھی ایک قوی سبب ہے بربادی کا۔اوراس بناپر کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے اس لئے کہ اس میں تو دین کا ضرر اوراس میں جسم کا ضرر،ان دونوں مرضوں میں حقیقی مرض وہی ہے جو کالج میں رہ کر پیدا ہوتا ہے۔(ملفوظات ج ۳ص ۱۰۷)

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ! کشمیر میں بھنگی کا پیشہ مسلمان کرتے ہیں ، بہت برا معلوم ہوتا ہے، اب کچھ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا ہے مطلب یہ کہ تعلیم کے بعد یہ پیشہ چھوڑ دیں گے۔فرمایا کہ کس قسم کی تعلیم؟ عرض کیا انگریزی ہی کی تعلیم کے اسکول کھولے گئے ہیں ،فرمایا کہ اگر یہ بھنگی کا پیشہ چھوٹ جائے گا تو یہ انگریزی تعلیم کا پیشہ اس سے بدتر ہے،اب تک تو ظاہری نجاست تھی اور یہ باطنی نجاست ہوگی، اکثر یہ دیکھا ہے کہ اس تعلیم سے عقائد خراب ہوجاتے ہیں۔(ملفوظات نمبر ۶ ۴۳ ملفوظات ص ۲۷۳ ج ۵)

(۱) ڈاکٹر ہنٹر کا قول ہے کہ" ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو(مسلمانان ہند ص ۱۴۲)۔

(۲) گاندھی جی لکھتے ہیں" ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے،جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو"(خطبہ صدارت مولانا شیخ الہندؒ جلسہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ۱۹۲۰ھ ص ۶)

(۳) سرسید مرحوم لکھتے ہیں" اسی طرح لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلادیا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے"(اسباب بغاوت ہند)

(۴) سرعبداللہ ہارون سند کی مسلمان طلبہ کی تعلیمی کانفرنس کی صدارتی تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"تعلیم کا موجودہ طریقہ جسے لارڈ میکالے نے رائج کیا تھا ہراس چیز کو تباہ کر چکا جو ہمیں عزیز تھی۔"

(روز نامہ"انجام" دہلی ۲۰ فروری ۱۹۴۱ء)

(۵) آنریبل مسٹر فضل حق وزیر اعظم صوبہ بنگال نے ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل منعقدہ پٹنہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ" جس قسم کی تعلیم (کالج اور اسکولوں میں ان کو دی گئی ہے دراصل اس نے ان کو نہ دنیا کا رکھا ہے نہ دین کا۔اگر ایک مسلمان بچہ نے اونچی سے اونچی تعلیم کی ڈگری حاصل کر بھی لی لیکن اس کوشش میں مذہب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کا ڈگریاں حاصل کرنا قوم کے لئے کیا مفید ہوسکتا ہے؟ مفید اس وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان رہ کر ترقی کرے۔کیا خوب کہا ہے اکبرالہ آبادی نے

فلسفی کہتا ہے کیا پروا گر مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں ، بھائی یہ گیا تو سب گیا

("مدینہ"(سہ روزہ) بجنور ۹۔اکتوبر ۱۹۳۸ء)

(۶) مسلم لیگی اخبار" منشور"(دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض ۹۔جون ۱۹۴۰ء کے اداریہ میں لکھتے ہیں کہ "گذشتہ تیس برس سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم پارہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے تعلیم یافتہ ہیں،وہ اسلامی کلچر،اخلاق اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلند ہیں۔"

(۷) علامہ ''اقبال'' مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں:۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ وتاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیٔ آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رورو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر زمیں تاز
بنیاد لرزجائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملازمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتوان بافت ازاں پشم کہ رشتیم

شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔
الاشباہ والنظائر میں ہے۔

قاعدہ خامسة وهی درأ المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا لان اعتناء الشرع المنهيات اشد من اعتناء ه بالمامورات ص (۱۱۴)

وضواور غسل میں غرغرہ کرنا سنت ہے، لیکن حلق میں پانی چلے جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے غرغرہ ممنوع ہے اسی طرح بالوں کا خلال سنت ہے مگر بالوں کے ٹوٹ جانے کے خوف سے حالت احرام میں خلال مکروہ ہے۔

حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت تھی، مگر بعد میں خرابی پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا اور حضرت عائشہؓ نے مذکورہ فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں نے جو حالت بنالی ہے اگر آنحضرت ﷺ نے اس کو ملاحظہ فرمایا ہوتا تو (پہلے ہی) ان کو مسجد سے روک دیتے (اجازت نہ دیتے) **ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماحدث النساء لمنعهن المسجد .(ابو داؤد شریف ج ا ص ۹۱ باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد)**

مذکورہ قانون کے مطابق جب عورتوں کے لئے مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ناجائز ٹھہرا۔ تو ان کو انگریزی پڑھانا اور کالجوں میں داخل کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ جب کہ یہاں دین کا ضرر کہیں زیادہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تعلیم دلانا جس سے دین وایمان پر برا اثر پڑتا ہو جو غیر اسلامی کلچر، غیر اسلامی اخلاق وعادات اختیار کرنے کا ذریعہ بنتی ہو ہر ایک کے لئے ناجائز ہے، لڑکی ہو یا لڑکا البتہ یہ فرق کیا جاسکا ہے کہ چونکہ لڑکیوں کی فطرت اثر بد کو جلد قبول کر لیتی ہے اور مذہبی لحاظ سے معاشی ذمہ داریاں بھی ان پر نہیں ہوتیں تو ان کو انگریزی تعلیم سے علیحدہ رہنا چاہئے اور انہیں انگریزی اسکول اور کالج کی ہوا بھی نہ لگنی چاہیئے، ہاں لڑکے اگر مذہبی بنیادی ضروری تعلیم پوری طرح حاصل کرلیں اور اسلامی تمدن، اسلامی اخلاق اور عادات پر بھی مضبوطی سے قائم رہیں تو بے شک ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ جتنی چاہیں انگریزی کی ڈگریاں حاصل کریں۔

بقول اکبر الہ آبادی۔

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پے جھولو
بس ایک سخن بندۂ نا چیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مگر موجودہ دور میں یہ گارنٹی بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے، پس اسلامی عقائد اور اسلامی اخلاق وغیرہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کا یقین نہ ہو اور اثر بد اور برے ماحول سے محفوظ رہنے کا بھی پورا اطمینان نہ ہو تو جس طرح مہلک مرض اور مفسد صحت آب وہوا سے اولاد کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح مذکورہ تعلیم اور کلچر سے بھی ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

اولاد کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کے دین کی درستگی کی فکر دنیا کی درستگی کی فکر سے زیادہ ہو بزرگان دین فرماتے ہیں۔ **صدیق الانسان من یسعی فی عمارة اخرته وان کان فیه ضرر، لدیناه وعدوه من یسعی فی خسارة اخرته وان کان فیه نفع لدیناه (مجالس الابرار م ۸۵ ص ۵۰۰)**

(یعنی) آدمی کا دوست وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی کی کوشش کرے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کو انگریزی تعلیم دلوانا کیسا ہے؟

(سوال ۵۲) آج کل ہمارے یہاں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو اپنی لڑکیوں کو کالج میں بھیجتے ہیں، اور دیکھا گیا ہے کہ کالج کے داخلہ کے بعد ان کے لباس، رہن سہن، چال ڈھال، غرض کہ ہر چیز میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے او پھر آہستہ آہستہ شرم و حیا بھی جاتی رہتی ہے اور اس سے والدین کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہماری لڑکی کوئی اونچی ڈگری حاصل کرے اور کوئی اونچی سے اونچی دنیوی ملازمت مل جائے تو اس غرض سے اپنی لڑکی کو اس تعلیم میں مبتلا کرنا کیسا ہے؟

(جواب) لڑکیوں کو کالج میں بھیجنے والے ماں باپ ان کے دشمن ہیں، دوست نہیں ہو سکتے "مجالس الابرار میں ہے۔ **فصدیق الا نسان من یسعی فی عمارة اخرته وان کان فیه ضرر لدنیاه وعدوه من یسعی فی خسار ة اخرته وان کان فیه نفع لدنیاه وقد قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البرو التقویٰ ولا تعاونوا علی الا ثم والعدوان.** (یعنی) آدمی کا دوست وہی ہے جو اس کی آخرت کی اصلاح اور درستی میں کوشاں ہو اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگر چہ اس میں اسی کی دنیا کا فائدہ ہو" م ۸۵ ص ۵۰۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے اس لئے کہ اس میں تو دین کا ضرر ہے اور اس میں جسم کا ضرر، ان دونوں مرضوں میں حقیقی مرض وہی ہے جو کالج میں رہ کر پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۱۰۷، ملفوظ نمبر ۳۲۱)

اس میں شک نہیں کہ کالج جانے والی لڑکی پہلے درجہ کی آزاد، بے پردہ اور بے حیاء و بے شرم بن جاتی ہے، یہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول کا اکثری نتیجہ ہے، مرحوم سرسید کو جو انگلش کے بڑے حامی تھے تجربہ نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ "لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلا دیا کہ عورتوں کو بد چلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے۔" (اسباب بغاوت ہند)

جب لڑکی کی حیا گئی تو سب کچھ گیا، حیا تو ایمان کی شاخ اور اس کا جزء ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے **ان الحیاء والا یمان قرناء جمیعاً فاذا رفع احدهما رفع الا خر** (رواه البیهقی فی شعب الایمان مشکوٰ ة باب الرفق والحیآء وحسن الخلق ص ۴۳۲) (یعنی) حیا اور ایمان یہ دونوں اکٹھے رہنے والے جوڑی دار ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔

اب آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ لڑکی کو کالج میں بھیجنے والے ماں باپ اس کے دوست ہیں یا دشمن؟ والدین کے لئے قرآن حکیم میں یہ تعلیم ہے۔ **قوا انفسکم واهلیکم نارا** (یعنی تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ

کی آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم) اور ماں باپ کا حال یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ میں جھونکے جارہے ہیں اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اولاد کے بگڑنے کی تمام ذمہ داری والدین پر ہے، اولاد کی زندگی بنانا بگاڑنا والدین کے ہاتھ میں ہے، اولاد کو جیسی تعلیم وتربیت دی جائے گی، اولاد ویسی ہی بنے گی، حدیث شریف میں ہے۔ **ما من مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهودانه اوینصرانه ویمجسانه** (یعنی ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے (کہ دین اسلام قبول کرنے کی بوجہ اتم اس میں استعداد ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (تعلیم وتربیت کے ذریعہ) اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱ باب الایمان بالقدر) مانا کہ کالج میں پڑھنے والی دنیا کے کاموں میں ترقی کر سکتی ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے یقیناً وہ خسارہ میں رہے گی۔ پس بمصداق **اثمهما اکبر من نفعهما** خسارہ والا عمل حرام اور ممنوع ہوگا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے۔" **من احب دنیاه اضر بآخرته ومن احب اخرته اضر بدنیاه فآثروا ما یبقی علی ما تفنیٰ**" (یعنی) جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہوگا، آخرت کے اعتبار سے وہ نقصان میں ہوگا اور جو آخرت ہی کی محبت میں لگا رہے گا وہ دنیا کے اعتبار سے نقصان میں رہے گا لہذا باقی چیز (آخرت) کو فانی (دنیا) پر ترجیح دو" حضرت سلیمان فارسیؓ نے فرمایا کہ "بندہ جس وقت دنیوی امور سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے تو اس کا قلب حکمت سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء عبادت الٰہی کے لئے مددگار بن جاتے ہیں لہذا باقی رہنے والی چیز (آخرت) کو فنا ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دینا چاہئے۔ (منهاج العابدین)

اگر لڑکی بالغ نہیں ہے، مراہقہ ہے تو وہ بھی بالغہ کے حکم میں ہے، اس کو بے پردہ باہر نکلنا پھرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے "**المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان**" (یعنی) عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ کتاب النکاح باب النظر الی الخطبۃ)

مطلب یہ کہ جیسے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے ویسے ہی عورت کا دیکھنا باعث وسوسہ اور موجب فساد ہے اور حدیث میں ہے **المرأة عورة فاذاخرجت استشرفها الشیطان**. (مشکوٰۃ ص ۲۶۷ ایضاً) یعنی "عورت ستر ہے (جس طرح ستر چھپایا جاتا ہے عورت کو بھی چھپائے رکھنا چاہئے اور جس طرح ستر کا کھلا رکھنا برا ہے عورت کا بے پردہ رہنا اور پھرنا بھی برا ہے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے" (اور گناہ میں مبتلا کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے) اور حدیث میں **لعن الله الناظر والمنظور الیه** "یعنی" اللہ کی لعنت ہے اس پر جو (عورت کو بری نظر سے) دیکھے اور اس پر بھی جس کی طرف دیکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ ایضاً) اور حدیث میں ہے **العینان زنا هما النظر والا ذنان زنا هما الا ستماع واللسان زناه النطق والیدان زنا هما البطش** یعنی آنکھیں (زنا کرتی ہیں) کہ ان کا زنا دیکھنا اور کان (زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا سننا ہے اور زبان (زنا کرتی ہے) کہ اسکا زنا بولنا ہے اور ہاتھ (بھی زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا پکڑنا ہے (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۶ باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ)

جب لڑکی بے پردہ پھرے گی تو یہ سارے منکرات پیش آئیں گے اور قدم قدم پر گنہگار ہوگی اور دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرے گی جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کے لئے حکم ہے وقرن فی بیوتکن (اور اپنے گھروں میں جمی رہو) اور طبعی اور شرعی ضرورت سے نکلنا پڑے تو یدنین علیھن من جلابیبھن (سر سے نیچی کرلیا کریں اپنے (چہرے کے) اوپر اپنی چادریں) تو عام عورتوں کو بے پردہ پھرنے کی اجازت کیسے ہوگی؟ جب بالغہ اور مراہقہ لڑکی کو جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں تو کالج جانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اور پھر ایسے لباس میں جو نہ پہننے کے برابر ہے کاسیات عاریات ممیلات مائلات الحدیث (یعنی) "بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑا پہنے ہوئے ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ننگی ہوتی ہیں، دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں" آگے سزا کے طور پر فرمایا کہ ایسی عورتیں جنت ہی سے محروم نہیں بلکہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہیں، آج کل کالجی لڑکیاں اس قدر تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں جس سے ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوتا ہے، عضو کی شکل اوپر سے بجنسہ معلوم ہوتی ہے اس قسم کا کپڑا اور فیشنی لباس پہن کر غیر مردوں کے سامنے آنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ لقوله عليه الصلوٰة والسلام من تأمل خلف امرأة ورأى ثيابها حتىٰ تبين له حجم عظامها لم يرح رائحة الجنة. اقول مفاده ان رؤية الثوب بحيث لصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفا لا ترى البشر منه (یعنی) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی عورت کے پیچھے نظر ڈالے اور اس کے کپڑے اس طرح دیکھے کہ اس کی ہڈیوں کی ضخامت نظر آئے (یعنی بدن کا انداز نمایاں ہو) وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔" اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کپڑے کا اس طرح دیکھنا کہ عضو کی ضخامت (اور اس کا انداز) نمایاں ہو ممنوع ہے اگرچہ کپڑا ایسا گاڑھا ہو کہ اس سے بدن کی جلد نظر نہ آتی ہو (شامی ج۵ ص ۳۲۱ کتاب الحظر والاباحۃ)

دنیوی تعلیم کی کلاس جاری کرنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۵۳) دنیاوی علوم گجراتی، انگریزی حاصل کرنے کے لئے اسکول قائم کرنا اور ہنر سکھلانے کی کلاس جاری کرنا جائز و کار خیر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدر ضرورت گجراتی، انگریزی وغیرہ دنیوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا، جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے، بلاشبہ جائز اور کار خیر و موجب اجر و ثواب ہے لیکن دینی تعلیم کو اور دینی مدارس کی امداد کو مقدم سمجھا جائے۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

(مرحوم اکبر الہ آبادی)

دینی تعلیم سے اعراض کر کے اور دینی مدارس کو نازک حالت میں چھوڑ کر دنیوی تعلیم میں منہمک ہو جانا اچھا کام نہیں ہے، خدائے پاک کو ناراض کرنے کے مرادف ہے۔ قرآن شریف میں ہے:۔ بل تؤثرون الحیواۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی . (یعنی) بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ (دنیا کے مقابلہ میں) آخرت اچھی اور سدا باقی رہنے والی ہے (سورہ اعلیٰ)

اولاً بچوں کو قرآن پاک کی صحیح اور باقاعدہ تعلیم دی جائے، شرعی احکام اور ضروریات دین سے مناسب طریق سے واقف کیا جائے، ان کے قلوب میں اسلام کا ایک ایسا نقش جمایا جائے جس سے اسلامی جذبات اور ایمانی احساسات پختہ اور پائیدار ہوں تا کہ ان کو کوئی قوت سرد نہ کر سکے اور عملی حالت کو کوئی طاقت نہ بدل سکے۔ اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم بھی اسلامی اعمال، اسلامی خصوصیات، اسلامی کلچر کے برعکس اور مد مقابل ہے۔ اگر مسلمان بچے اسلامی تعلیم سے محروم یا کمزور رہیں گے تو اسکول وکالج کی زہر آلود تعلیم اور مخالف ماحول اور سوسائٹی ان پر ضرور اثر انداز ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عقائد اور اسلامی خصوصیات سے تنفر اور معاذ اللہ بد دین بن جائیں گے اس لئے اگر دین عزیز ہو تو اس میں پختہ اور مضبوط بنے، چاہے دنیوی نقصان ہوتا ہو، اولاد اور قوم کی صحیح خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کے دین کی درستگی اور آخرت کی خیر و خوبی کی فکر دنیوی فکر سے زیادہ رکھے "مجالس الابرار" میں ہے کہ "آدمی کا دوست وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو" (م۸۵ ص ۵۰۰)

بچوں کے سرپرستوں کا فرض ہے کہ بچوں کا دین درست رکھنے کی فکر بہ نسبت دنیوی درستگی کے زیادہ رکھیں، والدین پر بڑی ذمہ داری ہے، قرآن حکیم کا فرمان ہے۔ "یایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً (ترجمہ) اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (جہنم) سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ ۲۸) اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے پاس باز پرس ہوگی۔ فرمان نبوی ﷺ ہے الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (ترجمہ) یاد رکھو۔ تم میں سے ہر شخص نگران اور ذمہ دار ہے، ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم . (ترجمہ) ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی مجوسی بنا دیتے ہیں مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر، ص ۲۱۔"

ایک عبرت ناک سبق آموز قصہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ گوالیاء کی حکایت سنی ہے کہ ایک صاحب نے اپنے لڑکے کو بچپن ہی سے انگریزی میں ڈال دیا تھا اور اس کی تعلیم پر بہت روپے خرچ کئے تھے، لندن بھی پاس کرنے کے لئے بھیجا تھا وہاں سے آ کر وہ بیمار ہوا اور مرنے لگا تو ابا جان اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگے کہ ہائے بیٹا! میں نے تو تیری تعلیم پر بیس پچیس ہزار روپے خرچ کئے تھے، میں نے اپنی محنت کا پھل بھی نہ دیکھا، لڑکے نے آنکھیں کھول دیں اور کہا ابا جان! اب کیا روتے ہو، جب مجھ کو آخرت میں جہنم میں جلتا ہوا دیکھو گے اس وقت روؤ گے، کیونکہ آپ نے یہ بیس پچیس ہزار روپے خرچ کر کے مجھے جہنم میں پھینکنے کا انتظام کیا ہے، تم نے اس رقم سے میرے واسطے دوزخ خریدی ہے، کیونکہ مجھے تم نے دین کی تعلیم سے کورا رکھا، اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ میرا

سارا لکھا پڑھا بیکار ہے، موت کے فرشتے آنے والے ہیں تم نے اتنی بڑی رقم میرے اوپر خرچ کر کے میرے ساتھ دوستی نہیں کی بلکہ سراسر دشمنی کی ہے۔ (وعظ الهدی والمغفرہ ص ۳۳)

یہ ہے دنیوی تعلیم میں مشغول رہ کر دینی تعلیم سے محروم رہنے کا انجام! اسی لئے مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ''گو معاشی نقطہ نظر سے جدید تعلیم گاہوں کے پڑھنے والوں کی حالت بظاہر بہتر ہی کیوں نہ نظر آتی ہو لیکن دین کے متعلق ان کی کافی تعداد نے اپنے طرز عمل سے خود یہ ثابت کر کے دکھایا کہ اسلام کے لئے ان کا عدم ان کے وجود سے بہتر تھا جس قسم کے شکوک وشبہات کی چنگاریاں عام مسلمانوں میں ان کی طرف سے اڑائی گئیں، اسلامی عقائد و اسلامی اعمال کی تحقیر وتوہین کے سلسلہ میں جن ناگفتنیوں اور جن ناکردنیوں کے وہ مرتکب ہوئے، خود انہیں نے ان کو اسی فیصلہ کا مستحق بنادیا کہ اسلام کے ان کپوت فرزندوں کی نیستی ان کی ہستی سے یقیناً بہتر تھی۔'' (ماہنامہ الفرقان افادات گیلانی نمبر ص ۱۸۸) یہ ہے اسلامی تعلیم سے لاابالی اور بے پرواہی برتنے کا افسوسناک انجام!!

گجرات کے بڑے بزرگ، رنگون کے خطیب اور مفتی مولانا عبدالحئی کھلیتوی سورتیؒ پچاس برس پہلے قوم کے سامنے ڈنکے کی چوٹ گواہی دے گئے ہیں کہ ''البتہ اس تعلیم نے اکثر مسلمانوں میں اس قدر تو ضرور اثر کیا ہے کہ پابندئ شریعت کا ان کے پاس جو قابل قدر جوہر تھا وہ ان کے ہاتھوں سے ضائع ہوگیا، نہ ان کے دل میں ایمان کی حرارت باقی رہی نہ ان کے چہروں پر کوئی اسلام کی علامت (داڑھی) موجود، مسلمانوں کو اتفاق کے لئے ہدایت کرتے ہیں اور خود مسلمانوں سے صورت اور لباس میں مخالفت کرتے جاتے ہیں۔ (نسیم الصباص ۳)

اور مرحوم علامہ اقبال ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ وتاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیٔ آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رورو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیرد و زمیں تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی

ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کی ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پید ایں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتوان بافت ازاں پشم کہ رشتیم

اس سے ثابت ہو کہ خرابی کی اصل وجہ دینی تعلیمات سے بالکل محرومی یا اس میں کمزوری ہے، لہذا جس طرح مسموم ہوا کے ضرر سے بچنے کے لئے ہیضہ کا انجکشن لیا جاتا ہے اسی طرح دنیوی تعلیم کے ساتھ علم دین کی بھی اشد ضرورت ہے، لہذا سب سے پہلے اس کا انتظام ہونا چاہئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ”انتظام تو مسلمانوں میں ہے نہیں، اگر دینیات پڑھ کر ضرورت کے لئے انگریزی تعلیم ہو تب اندیشہ عقائد خراب ہونے کا بہت کم ہوتا ہے اور جب اپنے مذہب کے عقائد کی خبر نہیں ہوتی تو اکثر بگاڑ ہی ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد ۵ ملفوظ ص ۴۳۶)

لہذا دور حاضر میں بہ نسبت دنیوی تعلیم کے علم دین کی زیادہ فکر ہونی چاہئے، دنیوی تعلیم کے اسکول قائم کرنے والے اور صنعت وحرفت کے کلاسیں چلانے والے بہت ہیں، گورنمنٹ خود حمایت کرتی ہے، البتہ یہ ہمارے کمزور مذہبی ادارے (جو فی الحقیقت حفاظت اسلام کے قلعے ہیں) بہت ضروری ہے کہ ان کو مضبوط کیا جائے، ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ محلہ محلّہ گلی۔ گلی اور ہر مسجد میں دینی تعلیم کے مکتب ہونے ضروری ہیں۔ حکم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ”اس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (بڑھ کر) متصور نہیں، دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔ (حقوق العلم ص ۵۱)

حضرت مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ”سچ تو یہ ہے کہ مسلمان باپوں اور مسلمان ماؤں کے بچوں کو ان کی گود سے چھین چھین کر عصری جامعات اور یونیورسٹیوں میں داخل کر کے طغیان وسرکشی الحاد وارتداد کے کافرانہ جراثیم ان کے دل ودماغ میں ایک طرف جہاں پرورش کرنے والے کر رہے تھے تو دوسری طرف ان کے مقابلے میں ہمارے یہی کہفی (۱) مدارس تھے جنہوں نے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی و اخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی (ماہنامہ الفرقان افادات گیلانی نمبر ص ۱۸۸)

لہذا ایسے دینی مدارس کے باقی رکھنے، ان کو مضبوط بنانے اور ان کی تعداد بڑھانے کے لئے مالی قربانی میں سبقت کرنے کی ضرورت ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ): سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کی اشاعت اور اس کے احکام میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے

---

(۱) بظاہر کہف کی طرف نسبت ہے اور طلباء وعلماء کو اصحاب کہف کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ مولانا کی مخصوص اصطلاح ہے۔

میں کوشش کرے، بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ شعار دین مٹ گئے ہوں، کروڑوں روپے راہ خداوندی میں خرچ کرنا ایک مسئلہ کی اشاعت کے مثل نہیں، ان اموال کے خرچ کرنے میں جو تائید شریعت اور تبلیغ مذہب کے لئے ہیں بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت سے ایک پیسہ خرچ کرنا دوسری نیت سے لاکھ روپے خرچ کرنے کے مثل ہے۔ (مکتوب امام ربانی ج ا ص ۶۷ ۔ ۶۶ مکتوب نمبر ۴۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

علمائے حق کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۴) جاہل پیر رسمی واعظین اور مولود خواں حضرات نے ماہ محرم ربیع الاول اور ربیع الآخر میں علمائے حق کو بدنام کرنے اور ان سے عوام کو بدظن کرنے کے لئے وعظ وتقاریر اور مجالس میلاد کا سلسلہ جاری کردیا ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں میں عملی خرابی اور اعتقادی گمراہی کی اشاعت کر رہے ہیں۔ انجام کار عوام کے عقائد فاسدہ کو تقویت ملتی ہے اور وہ علمائے حق سے دور رہتے ہیں۔ اس بنا پر علمائے دیوبند کے ساتھ ربط وضبط رکھنے والے خوش عقیدہ حضرات ان مذکورہ مہینوں میں بھی دیوبندی خیالات کے علماء کو وعظ کے لئے دعوت دے کر وعظ کراتے ہیں جس کی وجہ سے عوام کے عقائد درست ہو رہے ہیں اور علماء کے بارے میں جو بدظنی و بدگمانی پھیلی ہے اس کا ازالہ ہو رہا ہے۔ اب جہاں دیکھئے دیوبندی علماء کے وعظ اور مجلس میں بڑے بڑے ذوق وشوق سے شرکت فرماتے ہیں اور فیضیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن بعضوں کا کہنا ہے کہ ان مہینوں میں تقریر و وعظ کرنا کرانا ہی بدعت ہے اور اپنے اسلاف واکابر کے مسلک کے خلاف ہے۔ دیوبندی علماء سفر خرچ لیتے ہیں، ٹیکسی میں بیٹھ کر جاتے ہیں، بعض عالم ہدیہ قبول کرتے ہیں، یہ سب نادرست ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ شرعی حکم اس بارے میں کیا ہے؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔ فجزاک اللہ فی الدارین خیرا لجزاء۔

(الجواب) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماہ ربیع الاول اسلام میں بڑا بابرکت مہینہ ہے کہ اس مہینہ میں آقائے نامدار سرکار مدینہ حضرت رسول مقبول ﷺ تشریف لائے جو منبع انوار اور فیوض و برکات کا سرچشمہ اور مرکز ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:۔

لھذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبة تفوق علی الشھور. ربیع فی ربیع فی ربیع. ونور. فوق نور فوق نورا (اس ماہ کی اسلام میں فضیلت ہے اور اس کی ایک فضیلت ایسی جو سب مہینوں پر سبقت لی جاتی ہے۔ ایک بہار ہے موسم بہار میں بہار کے وقت (صبح کے سہانے وقت میں) نور بالائے نور بالائے نور!)

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادیت باسعادت کا صحیح بیان (خواہ ربیع الاول میں ہو یا دوسرے مہینہ میں!) ثواب دارین اور فلاح دین کا موجب ہے جنہوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ دیوبندی علماء ولادت شریفہ کے بیان کے منکر ہیں یہ صریح کذب اور بالکل غلط ہے۔ (سبحانک ھذا بہتان عظیم)

ہمارے اسلاف واکابر علمائے دیوبند نے تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کا بیان کسی ماہ میں کسی دن بھی ہو مندوب و مستحب اور خیر و برکت کا باعث ہے جیسا کہ:۔

(۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس ذکر ولادت کو کوئی منع نہیں

کرتا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج اص ۰ ۷ مطبع ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی)

نفس ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب آئی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج اص ۱۰۹)

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۴)

(۳) حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسا کون مسلمان ہوگا جو حضور ﷺ کے وجود باجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے پس ہم پر یہ خالص تہمت اور محض افتراء اور نرا بہتان ہے کہ (توبہ توبہ نعوذ باللہ) ہم لوگ حضور ﷺ کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں۔ حاشاؤکلا، حضور ﷺ کا ذکر تو ہمارا جزو ایمان ہے۔ (وعظ السرور ص ۸۲)

(۴) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:۔

" اللہ علیم وخبیر شاہد ہے کہ ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر پاک دوسرے اذکار حسنہ کی طرح موجب رحمت اور باعث برکت ہے بلکہ حضور ﷺ کے بول وبراز بلکہ آپ کی سواری کے گدھے کے پسینہ وپیشاب کا ذکر بھی بلاشبہ باعث ثواب ہے۔ (سیف یمانی برفرقہ رضا خانی ص ۱۶-۱۷)

البتہ میلاد کی رسمی مجالس کو ہمارے بزرگوں نے بدعت لکھا ہے۔ جن کی خصوصیات یہ ہیں:۔

(۱) چند لوگوں کا حلقہ بنا کر آواز ملا کر خوش الحانی سے گانا۔

(۲) تداعی:۔ ایک دوسرے کو بلانے کا اور اجتماع کا اہتمام اس قدر ہوتا ہے کہ اتنا فرض نماز و جماعت کا بھی نہیں کیا جاتا۔

(۳) قیام۔ اس عمل کو بطور عقیدہ ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

(۴) میلاد کی ایسی مجلس ومحفل کے متعلق اہل بدعت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ لہذا ایک خاص وقت میں برائے تعظیم قیام کرتے ہیں اور آپ کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔

(۵) ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو یہ عمل بطور عقیدہ واجب اور ضروری قرار دیا جاتا ہے اور اس کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے اسی لئے یہ لوگ فرائض ونماز باجماعت کے پابند نہیں ہوتے۔ الا ماشاء اللہ!

(۶) مولود کے اس رواجی طریقہ کو ایک رکن عظیم اور شعار اہل سنت قرار دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس کے پابند نہیں ہیں انہیں بدعقیدہ، وہابی، بدمذہب، خارج از اہل سنت بلکہ خارج از اسلام تک کہا جاتا ہے۔ فرض نماز قضا ہو تو ہو مگر رسم مولود قضا نہ ہو۔ نماز باجماعت چلی جائے تو پرواہ نہیں مگر میلاد یا قیام فوت نہ ہونے پائے۔

(۷) میلاد خواں اکثر وبیشتر بےعلم وبےعمل فاسق ہوتے ہیں۔

(۸) من گھڑت روایتیں اور بےاصل واقعات اور قصص اور خلاف شرع امور سے ایسی مجلسیں خالی نہیں ہوتیں۔

(۹) شیرینی (مٹھائی) اس کے لئے ضروری ہے۔

(۱۰) روشنی وغیرہ میں فضول خرچی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔

(۱۱) مرد وزن کا اختلاط وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ عملی واعتقادی خرابیوں کی وجہ سے ہمارے بزرگوں نے رسمی مجلس مولود کو بدعت فرمایا ہے۔ان بزرگوں میں امام ابن الحاج (المتوفی ۷۳۷ھ) اور حضرت محبوب سبحانیؒ قطب ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب المدخل ج ۱ ص ۱۵۷۔ مکتوبات امام ربانی ج ۵ ص ۱۲۰)

مگر عدم جواز کا یہ حکم عارضی ہے اصلی ودائمی نہیں ہے۔ جب یہ غلط پابندیاں اور برائیاں جن کی وجہ سے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ نہ رہیں تو یہ حکم باقی نہ رہے گا جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص ربیع الاول ہی میں آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کے تعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

”حق تعالیٰ نے اس آیت کے جزء میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے حقوق اور برکات بیان فرمائے ہیں وجہ اس بیان کے اختیار کرنے کی اس وقت یہ کہ بعض محبین کی عادت ہے کہ وہ اس زمانہ (ربیع الاول) میں تذکرہ کیا کرتے ہیں حضور ﷺ کے فضائل کا، اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے مگر اس کے ساتھ جوان کو غلطی واقع ہوئی ہے اس کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ (ذکر الرسول ص ۲)

نیز فرماتے ہیں کہ چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں افراط وتفریط کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق کہا کرتا ہوں اور اس میں طبعاً واستطراداً فوائد علمیہ ونکات وحقائق کا بیان بھی آجاتا ہے۔

آج بارہ ربیع الاول ہے۔ اسی تاریخ میں لوگ افراط تفریط کرتے ہیں۔ اسی تاریخ کا بالتخصیص ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے بلکہ الحمد للہ ہم اس میں برکت کے قائل ہیں...... پس تاریخ اگرچہ بابرکت ہے اور حضور ﷺ کا ذکر شریف اس میں باعث مزید برکت کا ہے۔ لیکن چونکہ تخصیص اس کی اور اس میں اس ذکر کا التزام کرنا بدعت ہے اس لئے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کردیں گے۔ (واعظ السرور ص ۲)

حضرت حکیم الامت نے ماہ ربیع الاول میں بہت سے وعظ فرمائے ہیں ”الظہور“ نامی وعظ اسی ماہ میں فرمایا اور اس ماہ میں وعظ نہ کہنے کے معتقدین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:۔

”یہ ماہ ہے ربیع الاول شریف کا اور اس میں یہ مضمون بیان کررہا ہوں تو شاید پڑھے لکھے لوگوں میں شبہ ہو کہ ہم میں اور اہل بدعت میں کیا فرق رہا؟ وہ بھی بیان کے لئے اس ماہ کی تخصیص کرتے ہیں اور تم نے بھی کی! تو بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی تخصیص نہیں تخصیص کیسے؟ یہاں تو کوئی بیان اور کوئی وعظ اس سے خالی نہیں جاتا کہ آپ کی تشریف آوری کی حکمتیں اور غایات اور اسرار ومقاصد کہ ماحصل ان کا اتباع کامل ہے اس میں بیان نہ ہوں۔ لیکن اب بھی شاید کسی کو شبہ ہو کہ اور زمانوں میں تو اس خاص اہتمام کے ساتھ اس کا بیان نہیں ہوا اور اس طرح خاص اسی ماہ میں کیوں کیا گیا۔ تو اس لئے عرض ہے کہ ہم نے اس ماہ کو اس ذکر کے لئے ”من حیث انہ زمان الولادۃ“ مخصوص نہیں کیا۔ ”بل من حیث انہ یذکر فیہ اہل البدعۃ ذکر الولادۃ ولا یحترزون عن البدعات“ (یعنی اس وجہ سے تخصیص اس ماہ کی نہیں کی گئی کہ اس ماہ میں ولادت شریفہ ہوئی ہے اس لئے کہ شریعت میں تو اس کا پتہ نہیں بلکہ اس وجہ سے یہ تخصیص کی ہے کہ اہل بدعت اس ماہ میں ذکر ولادت شریفہ کی مجالس کیا کرتے ہیں اور ان میں بدعات سے

نہیں بچتے۔۱۲ جامع) جیسے حکیم صاحب اسی وقت دوا دیں گے جب دود ہو۔(الیٰ) پس درد اور مرض جب دیکھا جاتا ہے جب ہی دوا دی جاتی ہے اور وہ مرض اسی ماہ میں شروع ہوتا ہے اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا معالجہ اور اصلاح کی جائے۔'' (وعظ الظہور ص ۴۸)

النور نامی وعظ بھی ربیع الاول میں ہوا جس میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:۔

''.....مگر قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اس وقت (آداب متعلقہ ذکر نبوی ﷺ) بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی تو اول تو یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک ایسا نہیں کہ اس پر یہ سوال ہو سکے مگر یہ سوال ہمارے کم سمجھ مدعیان محبت اخوان کی بدولت پیدا ہوا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جو آج کل مولود میں تخصیصات کے پابند ہیں۔سوان حضرات نے حضور ﷺ کے ذکر کو خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے، جیسے بعض مدعیان محبت حضرت حسینؓ نے ذکر حضرت حسینؓ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ ایسا ہی ان مدعیان محبت نے حضور ﷺ کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور عجب نہیں کہ میرے اس وقت کے اس بیان سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ یہ بیان بھی شاید اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اس بیان کا ہے اور اس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو دو تعجب پیدا ہوئے ہیں۔''منہمکین فی التخصیصات'' کو تو یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ اس تخصیص پر کلام کرتے ہیں پھر خود اس کا ارتکاب کرنے کی کیا وجہ؟ کیا ان لوگوں کے قول وعمل مطابق نہیں ہوتے؟ اور مانعین تخصیصات'' کو یہ تعجب کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا؟ بہر حال چونکہ ایک خاص جماعت نے ذکر رسول ﷺ کو خاص کر دیا ہے خاص اوقات کے ساتھ! اسی لئے اس وقت میرے اس بیان پر سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ورنہ یہ سوال بالکل لا یعنی تھا الخ۔(وعظ النور ص ۴۰۳)

اور بعض خیر خواہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں بحث ومباحثہ کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے۔لیکن میں پوچھتا ہوں کہ ایسی بدنامی کے ڈر سے کب تک خاموش رہیں گے؟ اسی خاموشی کی وجہ سے تو منکرات بڑھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذکر شہادت اور ذکر ولادت باسعادت جب صحیح روایات اور جائز طریقہ سے ہو، تداعی واجتماع غیر معمولی اہتمام نہ ہو اور ضروری نہ سمجھا جائے تو محرم اور ربیع الاول میں بھی جائز ہے بشرطیکہ اہل بدعت کی مجالس کی طرح نہ ہو اور واعظین ومقررین محتاط علماء ہوں! یہ حکم میلاد وشہادت کی مجالس کا تھا۔لیکن سوال میں جن مجالس کا حکم دریافت کیا ہے وہ مجالس وعظ ہیں۔شہادت ومیلاد کی مجلس علیحدہ چیز ہے اور مجلس وعظ الگ! دونوں میں بڑا فرق ہے مجلس میلاد وشہادت سے اہل بدعت کی غرض وغایت تاریخ اور دن منانا اور یادگار تازہ کرنا ہے اور اس میں از اول سے انتہا تک ولادت، حسب نسب، صغر سنی، رضاعت، معجزات، ہجرت، جنگ وجہاد، شہادت ووفات کا بالترتیب بیان مقصود ہوتا ہے اور ہر سال اسی کا اعادہ کرتے ہیں اور قیام مجلس میلاد کا جز ولاینفک ہوتا ہے۔احکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مقصود نہیں ہوتے۔بلکہ ان سے روکا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے وعظ کی مجلس میں دن اور یادگار منانا مقصود نہیں، اس میں رسمی قیام نہیں ہوتا اسی طرح بیان کی نہ وہ ترتیب ہوتی ہے نہ وہ طرز ہوتا ہے۔ہمارے ہاں احکام دین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق شرعی قوانین وسنت کی اتباع اور بدعت کی مذمت اور بری رسموں کی تردید اور اہل بدع کے اعتراضات والزامات کے

مناسب جوابات اور صحیح طریق کی تعلیم اور تبلیغ ہوتی ہے اور واقعات وفضائل تمہیداً وضمناً بیان کئے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

''اصل میں اجتماع وعظ اور احکام سننے کے لئے ہوا اور اس میں یہ مبارک واقعہ اور فضائل کا بیان بھی آ گیا۔ یہ وہ صورت ہے جو بلا نکیر جائز ہے بلکہ مستحب اور سنت ہے۔'' (اصلاح الرسوم ص ۸۴)

وعظ کی مجلس کے لئے تداعی نیز اجتماع کا اہتمام اور اشتہار منع نہیں بلکہ مستحسن اور مطلوب ہے۔ معترض کے قول کے مطابق بیان کرنے والے اچھے دیوبندی علماء ہوتے ہیں، گجرات میں حضرت الحاج مولانا احمد رضا صاحب اجمیری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر ومہتمم، مولانا احمد اشرف صاحب اور مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر، ومہتمم مدرسہ جامعہ مولانا محمد سعید صاحب اور مولانا عبدالجبار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ آنند وغیرہ نیز بمبئی میں مولانا ابوالوفا صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری دامت برکاتہم وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام علماء کرام بدعات کا قلع قمع کرنے والے اور مسنون طریقہ کو رواج دینے والے ہیں۔ پس ان کے وعظوں کی مجالس کو بدعت ٹھہرانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ ''محققین کی عادت ہے کہ وہ ایک ہی فتویٰ سب کو نہیں دیتے۔ اس لئے طبیب سے جب حلوہ کھانے کی نسبت پوچھا جائے تو اس کو پوچھنا چاہئے کہ حلوہ کون کھائے گا؟ اگر معلوم ہو کہ مریض کھائے گا ناجائز کہہ دے اگر معلوم ہو کہ تندرست کھائے گا تو جائز کہدے۔ اب یہ ممانعت مریض کی سن کر اگر کوئی کہے کہ یہ تو حلوہ کے منکر ہیں تو کیسی بیوقوفی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نوعمر مولوی نے پوچھا کہ قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ مولانا نے فرمایا۔ کون فیض لینا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں۔ فرمایا کہ نہیں ہوتا تو یہ ہے محققین کی شان (رسالہ نفی الحرج ص ۳۱)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ فرماتے ہیں۔ باقی آپ کا یہ ارشاد کہ اہل سنت میں سے کچھ عالم ذکر شہادتین کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کے موافق ذکر شہادتین بروز عاشوراء کیا کرتے ہیں۔ اور بعض علماء جائز نہیں سمجھتے اور اس بنا پر اس ذکر کو منع کرتے ہیں۔ سو اگر یہ سچ ہے تو بیجا نہیں۔ اول ایک مثال عرض کرتا ہوں پھر اصل مطلب پر آتا ہوں۔ ایک ایک دوا اور ایک ایک غذا میں کئی کئی تاثیریں ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے کسی مرض میں مفید اور کسی مرض میں مضر ہوتی ہیں۔ سو اس بنا پر کسی مریض کو کوئی طبیب اس دوا کو بتلاتا ہے اور کسی مریض کو کوئی طبیب منع کرتا ہے۔ ظاہر میں اس کو اختلاف سمجھتے ہیں اور اہل فہم اس کو اختلاف رائے نہیں سمجھتے بلکہ اختلاف مرض اور اختلاف موقع استعمال سمجھتے ہیں۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو سنئے جو عالم ذکر شہادتین کرتے ہیں یا انہوں نے کیا ہے ان کی غرض یہ ہے کہ سامعین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دین میں جانبازی اور جاں نثاری اور پختگی اور ثبات واستقامت چاہئے۔ تقیہ اور نامردہ پن نہ چاہئے۔

حضرت امام علیہ السلام نے نہ جان و مال کا لحاظ کیا نہ زن وفرزند کا خیال کیا۔ نہ بھوک و پیاس کا دھیان کیا نہ اپنی بے کسی و بے سروسامانی کا لحاظ کیا۔ جان نازنین پر راہ خدا میں کھیل گئے اور خویش واقربا اور احباب کو قتل کرا دیا پر دین کو بٹہ نہ لگنے دیا۔ اور جو صاحب منع فرماتے ہیں وہ اس وجہ سے منع فرماتے ہیں کہ حضرات شیعہ کی روز کی شکوہ

وشکایت ونالہ وفریاد بے بنیاد سے اکثر عوام کے کان بھرے ہوئے ہیں اور تمام روایات صحیحہ اور سقیمہ کا ان کو سلیقہ نہیں اور شکر رنجی باہمی انبیاء واولیاء کی ان کو خبر نہیں۔ قصہ ماحوشی اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ اور حضرت خضرؑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات کہ جن سے قرآن شریف معمور ہے ان کو اطلاع نہیں۔ اس لئے یہ اندیشہ ہے کہ بوجہ کم فہمی ایسے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن کی مدح سے قرآن مالا مال ہے اور ان کی مغفرت اور عالی مراتب ہونے پر اور خدا کے ان سے راضی ہونے پر شاید بظن ہو کر اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ کیونکہ خدا کے دوستوں سے دشمنی ہوئی تو پھر خدا سے پہلے ہوگی۔ بالجملہ یہ اختلافات علماء کہ ایک ذکر شہادتین کو روا رکھتا ہے اور ایک ناجائز سمجھتا ہے اختلاف رائے نہیں! جو آپ یوں پوچھیں کہ تو کس کی طرف ہے؟ اختلاف امراض کے باعث یہ اختلاف علاج وپرہیز ہے میں دونوں کے ساتھ ہوں اور دونوں کو حق سمجھتا ہوں۔ (فیوض قاسمیہ ص ۸۔۹)

محدث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے پہلے زمانے میں عوام محتاج تھے اور نائبین رسالت محتاج الیہ! کہ جتنا بھی ان پر تشدد ہوتا وہ اس کا اثر لیتے، پریشان ہوتے اور توبہ ورجوع کیا کرتے تھے مگر اب تو وہ زمانہ ہے کہ خود طالب بن کر لگے لپٹے رہ زار کچھ کام اصلاح کا نکال لو تو نکال لو ورنہ عوام کو اصلاح کی پرواہ تو کیا حس بھی نہیں ہے پس اصلاح امت کے لئے اللہ اور رسول کی خوشی کی خاطر سب ہی رنگ بدلنے پڑیں گے کہ۔

"ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دیگر"

"ہاں معصیت کا ارتکاب کسی حال جائز نہیں"

(کتاب تذکرۃ الخلیل پریس میرٹھ)

اس زمانہ میں ہر جگہ مجالس وعظ کے انعقاد کی خاص ضرورت ہے۔ لادینی حکومت ہے، دنیوی تعلیم میں زیادہ منہمک ہونے کی وجہ سے عوام اور خواص دینی تعلیم سے محروم ہو رہے ہیں نہ وہ مدرسہ کا قصد کرتے ہیں نہ کتابیں پڑھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اس لئے عوام کے لئے اسلامی تعلیم سے واقفیت کے لئے وعظ ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دوسری طرف رضا خانی مولوی اہل حق کو بدنام اور ان کی تکفیر وتذلیل کرنے اور ان کے فیوض وبرکات سے عوام کو روکنے اور سنت کو مٹانے اور بدعت کو ترویج دینے کے سلسلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ بالخصوص محرم، ربیع الاول ربیع الآخر میں ان ایمان کے لٹیروں (ڈاکوؤں) کو گمراہ کرنے کا اچھا موقع ملتا ہے۔ بھولے بھالے عوام ان کی رنگ آمیزی میں پھنس کر علمائے حق سے بدظن ہو جاتے ہیں اور ان علماء کے فیوض وبرکات سے جو درحقیقت وارث الانبیاء ہیں، محروم رہتے ہیں اور ان کی بدعقیدگی میں اور پختگی ہوتی ہے۔ آہ! اس طرح سے ان مبارک مہینوں کو جو نیکیوں کا موسم بہار ہو سکتے ہیں، خرابیوں اور برائیوں کا وبائی موسم بنا دیتے ہیں۔ بنابریں ضرورت اور اشد ضرورت ہے کہ دین وشریعت کے اطباء حاذق یعنی علمائے حق جس وقت اور جہاں ضرورت محسوس کریں فوراً پہنچ جائیں وعظ ونصیحت کریں اور عوام کو بدعت پرست واعظوں اور گمراہ کن مرثیہ خوانوں کے مکروفریب کے کمند (جال) میں پھنسنے سے بچائیں۔ یہ بروقت دین کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ محرم، ربیع الاول میں لوگ بآسانی اور شوق سے جمع ہو جاتے ہیں اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ دور کے مفتی اعظم سید مہدی حسن صاحب مدظلہٗ زمانہ قیام راندیر۔ سورت میں محرم اور ربیع الاول میں بعض تاریخوں میں وعظ فرماتے تھے۔ بارھویں ربیع الاول کو آپ نے بھی کئی بار وعظ فرمائے ہیں۔

فی الحال محرم و ربیع الاول میں علماء دیوبند الگ الگ دنوں میں تقریر کرتے ہیں کسی جگہ دس بارہ روز تک ہوتی ہے اور وہ بھی ایک ہی آدمی تقریر نہیں کرتا، کسی نے دو دن، کسی نے چار دن، شاید ہی کسی نے پورے دس بارہ روز تقریر کی ہو، اگر پورے دس بارہ روز تقریر کریں جب بھی کوئی حرج نہیں یہ بدعت کے مقابلہ میں ہیں۔ اگر اہل بدعت پندرہ روز بیان کریں تو ہم بھی پندرہ روز بیان کریں۔ ماحصل یہ کہ جب تک سنت کی تردید ہوتی رہے گی بدعت کی تردید بھی ضروری ہوگی۔ تاہم اگر تشابہہ کا احتمال ہو تو ایک دو روز کم وبیش تقدیم وتاخیر کردی جائے۔

لکھنؤ میں قدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں مدح صحابہ کے اجلاس ہوئے اور جلوس نکلے اور دیوبندیوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ جب تک قدح صحابہ کا سلسلہ جاری رہے گا مدح صحابہ کا سلسلہ بھی جاری رہے گا جس کی سرپرستی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی اور مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہما اللہ فرما رہے تھے! کیا یہ بھی بدعت تھا اگر نہیں تھا تو اہل بدعت کے مقابلہ میں اہل سنت کے وعظوں کی مجالس کیوں کر بدعت ہوگئی؟ اس فرق کی وجہ کیا؟ البتہ محض یادگار منانے کے لئے اور رسماً ایصال ثواب کے ارادہ سے دسویں محرم اور بارھویں ربیع الاول اور گیارھویں ربیع الثانی وغیرہ کی تعیین وتخصیص کی جاتی ہو، جس طرح کہ تیجہ (سویم) چالیسواں یا برسی کی تقریبات ہوتی ہیں یہ بے شک ممنوع ہیں۔ ان میں شرکت بھی منع ہے۔ ہاں ان میں جو اعتقادی وعملی خرابیاں ہوتی ہیں ان کی اصلاح کی غرض سے کبھی کبھار کسی خاص موقع پر چلا جائے تو منع نہیں۔

شادی کے موقع پر رسمی وعظ ہوتے تھے وہ بھی بند ہوگئے تو ان کا مقام قوالی نے لے لیا ہے اگر ہم وعظ کہنا بند کردیں گے تو بدعت کا زور بڑھ جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ بدعتی عالموں کی رسائی وہاں بھی ہوجائے جہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ اہل حق کے وعظ کی مجلسیں نہ ہوں گی تو عوام اہل بدعت کی طرف مائل ہوجائیں گے۔

لہٰذا یہ وعظ سودمند ہونے کے ساتھ ساتھ رفع ضرر کے لئے بھی مفید ہیں اور ان میں نقصان سے بچنے کا پہلو بھی غالب ہے۔ اگر مجلس وعظ میں کوئی شے قابل اعتراض ہو تو اس کی برائی واضح کردی جائے اور اصلاح کی فکر کی جائے۔ وعظ کی مجلس ہر طرح منکرات سے پاک ہونے کا انتظار نہ کیا جائے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کام خود شرعاً ضروری ہو تو اس کو ترک نہ کیا جائے اور اس میں جو خرابی ہو اس کی اصلاح کی فکر کی جائے۔

وروی عن الحسن انه حضر هو وابن سيرين جنازة وهناک نوح فانصرف ابن سيرين فذکر ذلک الحسن فقال انا کنا متى رأينا باطلا ترکنا حقا اسرع ذلک فى ديننا لم نرجع وانما لم ينصرف لان شهود الجنازة حق قد ندب اليه وامر به فلا يترکه لا جل معصية وغيره .

یعنی حضرت بصریؒ اور ابن سیرینؒ ایک جنازہ میں شریک ہوئے وہاں نوحہ کرنے والی عورتیں بھی تھیں۔ حضرت ابن سیرین واپس لوٹ گئے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بات کہی گئی (کہ ابن سیرین واپس ہوگئے ہیں) تو آپ نے فرمایا۔ اگر یہ ہوا کہ جہاں ہم نے باطل کو دیکھا تو حق کو چھوڑ دیا (اور وہاں سے چلے آئے) تو یہ باطل بڑی تیزی اور پھرتی سے ہمارے دین میں پھیل جائے گا ہم تو واپس نہیں ہوں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ اس لئے واپس نہیں ہوئے کہ جنازہ میں شرکت کرنا تو حق بات ہے شریعت میں اس کی دعوت دی گئی ہے اور اس کی ہدایت کی گئی ہے تو اگر وہاں کوئی معصیت کرنے لگے تو اس کی وجہ سے حق کو اور فریضہ کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ (احکام

القرآن ج ۳ ص ۳۵۴)

رام پور میں ایک خوشی کے موقعہ پر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ مدعو کئے گئے تھے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دعوت کے مجمع میں بہت اہتمام ہے اور فخر و تفاخر کا رنگ ہے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ واپس لوٹ گئے اور بقیہ دونوں حضرات شریک ہوئے اور فرمایا کہ ایسے موقع پر مولانا تھانویؒ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ہم فتویٰ۔ (لمعات الدین ص ۲۴)

واعظ سفر خرچ ضرورۃً لے سکتا ہے۔ اس کو ٹیکسی میں سفر کرنا بھی جائز ہے اگر اس کو بلایا جائے اور وہ اپنا مکان اور کاروبار چھوڑ کر سفر کرے اور اس میں اس کو حرج ہوتا ہو اور وہ حاجت مند بھی ہو تو اس کے لئے ہدایا لینے کی بھی گنجائش ہے۔ تاہم اپنے علماء میں استطاعت ہوتی ہے تو بچتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی واعظ کسی وجہ سے کبھی لینے کے لئے مجبور ہو تو اس کو عوام کے سامنے بدنام کرنا اور عوام کو اس طرف وقتاً فوقتاً متوجہ کرنا ایک نہایت ہی خلاف شان اور ذلیل حرکت ہے اور علماء کے اعزاز و اکرام کو گھٹانا ہے۔ اگر کسی سے کچھ لغزش ہوگئی تو اس کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے۔ ایک بار مجمع میں حضرت فضیلؒ سے شکایت ہوئی کہ حضرت سفیان بن عینیہؒ نے شاہی تحفہ قبول کیا۔ شیخ نے مجمع میں یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ ''جی نہیں'' سفیان نے اپنا حق وصول کیا ہوگا! اور وہ بھی ناقص!! پھر خلوت میں حضرت سفیان کو قریب بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحتاً فرمایا کہ اے ابوعلی ہم اور تم اگرچہ بزرگ نہیں لیکن ان کے محبوب اور صحبت یافتہ ضرور ہیں! مطلب یہ کہ ہم کیونکہ اس گروہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ لہذا ہم کو ایسے فعل سے بچنا چاہئے جس کو لوگ دلیل بنالیں اور اس کے حوالہ سے بزرگوں کے نام پر عیب لگادیں۔

وقال بعضهم للفضيل ان سفيان بن عينيه قبل جوائز السلطان فقال ما اخذ منهم الا دون حقه ثم خلى به وعا تبه' بالرفق يا ابا على ان لم نكن من الصالحين فانا نحب الصالحين الخ. (کتاب الاربعین امام غزالی ص ۳۷)

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ' شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی و بے توجہی ہی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جارہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ (فضائل تبلیغ فصل نمبر ۶ ص ۲۶)۔

حضرت سعید بن مصعب تابعی فرماتے ہیں۔ شریف اور عالم آدمی میں کچھ نہ کچھ عیب تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ حضرات جن کے عیوب کا تذکرہ مناسب نہیں ایسے لوگ ہیں جن کے فضائل اور نیکیاں ان کی برائیوں اور عیوب کے مقابلہ میں زیادہ ہوں ان کی خرابیوں کو ان کی بعض خوبیوں اور قابلیتوں کی وجہ سے قبول کرلو۔ (صفتوۃ الصفوۃ)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ سخی کے گناہ نیز عالم کی لغزش اور سلطان عادل کی ترشی و تیزی سے درگذر کرو۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۳۹۳) فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

وعظ کہنے کا کون حق دار ہے؟:

(سوال ۵۵) ہمارے اطراف اور دیہات میں برسہابرس سے محرم شریف کے وعظ کے لئے مولوی صاحب آتے

ہیں مگر کچھ اصلاح نہ ہوئی۔ سچ پوچھئے تو خود ان کا بھی اصلاح کا ارادہ وخواہش نہیں ان کو تو حلوہ مالیدہ سے کام ہے۔ قصہ گوئی کر کے عوام کو خوش کرتے ہیں اور ہدیہ مقررہ لے جاتے ہیں۔ مسائل سے ناواقف ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم نہیں، عربی وفارسی کی تعلیم لی نہیں، قرآن کا اردو ترجمہ دیکھ کر وعظ کہتے ہیں۔ لہذا عربی وفارسی دان سندی عالم کو وعظ کے لئے بلانے کا ہمارا ارادہ ہے۔ مگر پرانے خیال کے چند اشخاص رضامند نہیں ہوتے۔ لہذا صریح شرعی بیان سے نوازیں تو وہ لوگ کچھ ہم خیال ہوں۔

(**الجواب**) وعظ کے لئے پہلی شرط عالم ہونا ہے۔ **الامر بالمعروف یحتاج الی خمسة اشیاء اولها العلم لان الجاهل لا یحسن الامر بالمعروف.** (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص۳۵۳) جو عالم نہ ہو اور عربی وفارسی کی تعلیم باقاعدہ حاصل نہ کی ہو، تفسیر قرآن اور اس کے اصول، علم حدیث اور علم فقہ اور اس کے اصول وقوانین سے واقف نہ ہو۔ وہ وعظ کہنے کا اہل نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ (القول الجمیل) میں فرماتے ہیں:۔ **محدثا مفسراً عالماً بجملة کافیة من اخبار السلف الصالحین وسیرتهم.** یعنی وعظ کے لئے ضروری ہے کہ قرآن، حدیث، تفسیر کا اچھی طرح عالم و ماہر ہو اور سلف صالحین، تابعین، تبع تابعین، صحابہ کرام کے صحیح حالات اور سیرت کا علم رکھتا ہو، صحیح، ضعیف اور موضوع حدیث میں امتیاز کر سکتا ہو اور یہ سب علوم کامل استاد کے پاس سے سیکھے ہوں۔ اور فرماتے ہیں کہ وعظ گوئی کا عہدہ معمولی نہیں۔ خدا پاک نے اپنی رسول ﷺ کو فرمایا:۔ **فذکر انما انت مذکر.** آپ ﷺ سمجھاتے رہئے آپ کا کام سمجھانا ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو فرمایا:۔ **وذکرهم بایام الله !** اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تذکیر اور وعظ دین کا بڑا اور عظیم الشان رکن ہے۔ دین کے معاملہ میں ہر کس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ دین، احکام پہنچانے کا معمولی کام نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ **التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبیاء والمرسلین وللریاسة والمال وقبول عامة من ضلالة الیهود والنصاریٰ** (درمختار مع الشامی ج۵ ص۳۷۲) یعنی وعظ ونصیحت کے لئے منابر اور تخت پر براجمان ہونا (تشریف رکھنا) تو انبیاء اور مرسلین کی سنت وطریقہ ہے۔ مگر ریاست ومال اور عزت وقبولیت عامہ اور ناموری کے لئے کرنا یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں میں سے ہے۔

حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ **ویحک کن عاقلا لا تزاحم القوم بجهلک بعد ما خرجت من الکتاب صعدت تتکلم علی الناس هذا امر یحتاج الی احکام الظاهر واحکام الباطن ثم الغنی عن الکل.** یعنی تجھ پر افسوس۔ سمجھدار بن، اپنی جہالت لے کر حکمائے امت واعظین کی صف میں مت آ، تو مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھا کہ لگا لوگوں کو وعظ کہنے، اس (وعظ گوئی) کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری اور باطنی مضبوطی کی (کہ اعمال وعقائد دونوں موافق شرع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی۔ (فتح ربانی م۵۹ ص۴۲۸)

اور فرماتے ہیں۔ **اعمیٰ کیف تداوی اعین الناس، اخرس کیف تعلم الناس، جاهل کیف تقیم الدین من لیس بحاجب کیف یقیم الناس الیٰ باب الملک.** تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کی آنکھوں کا

علاج کیونکر کرے گا۔ تو گونگا ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا اور جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کر سکے گا۔ جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کر سکتا ہے؟ (فتح ربانی م ۶۱ ص ۴۷۸)

نااہل واعظین کو قوم کی اصلاح کا کام سپرد کرنا، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق قیامت کی علامت میں سے ایک علامت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ'' یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو یعنی سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے۔ (بخاری پ ۱ ج ۱ ص ۱۴)

اور جو اختیاری فعل علامات قیامت ہو وہ موجب گناہ ہے۔ قوم مریض ہے اور جہالت تمام امراض میں خطرناک مرض ہے اس کے علاج کے لئے حکیم حاذق اور لائق طبیب کی ضرورت ہے طبیب لائق نہ ہوگا تو مرض دور کرنے کے بجائے اور بڑھاوے گا۔ اور مریض کو ہلاکت کے قریب پہنچادے گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو ہدایت و تعلیم دی کہ استعینوا علی کل صنعۃ بصالح اھلھا. ہر فن میں اس کے علم والے ماہر فن سے مدد لی جائے۔ (فتح ربانی م ۶۲ ص ۴۹۲)

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب تک لوگوں کے ساتھ کاملین کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے اور جب ناقصوں اور ناواقفوں کا علم شروع ہوگا تو برباد ہو جائیں گے۔ (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۵۹)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ کو بہت رونا آیا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس لئے رو رہا ہوں کہ دین کی باتیں جاہلوں سے پوچھی جارہی ہیں۔ اور یہی گمراہی کی علامت ہے۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۱۴۹)

جو باقاعدہ وکالت اور بیرسٹری کا امتحان دے کر کامیاب نہ ہوا ہو۔ یعنی جس نے وکالت اور بیرسٹری کی سند ڈگری حاصل نہ کی ہو اس کو آپ وکیل اور بیرسٹر ماننے کے لئے تیار نہیں اور اس کو اپنا مقدمہ سپرد نہیں کرتے، اسی طرح جس نے باقاعدہ ڈاکٹری نصاب اور طبی کورس ختم نہ کیا ہو اس کو ڈاکٹر و حکیم نہیں مانتے اور اپنی اور اپنے بچوں کی جان کے متعلق ان کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ نیم حکیم کو خطرۂ جان سمجھتے ہو پھر تعجب ہے کہ ایمان کے بارے میں ''نیم ملا'' اور نام کے مولویوں کو خطرۂ ایمان کیوں نہیں سمجھتے؟ یہاں صرف سبق آموزی کے لئے تین مشہور واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو جائے گا کہ ناواقفیت اور نیم ملائی کتنی خطرناک ہے۔

(۱) علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک ''نیم ملا'' نے آیت کریمہ یوم ندعوہ کل اناس بامامھم کا مطلب بیان کیا کہ یاد کرو اس دن کو جس دن کہ ہم ہر ایک کو ان کی ماؤں کے ساتھ بلائیں گے؟ امام کے لفظ کو لفظ ام (ماں) کی جمع سمجھا، حالانکہ امام ام کی جمع نہیں ہے۔ امام کا لفظ مفرد ہے، جس کا مطلب پیشوا، مقتدا، سردار ہوتا ہے نہ کہ ماں۔

(۲) ایک نیم ملاء ہمیشہ استنجاء کرنے کے بعد وتر پڑھتا تھا۔ اس سے پوچھا کہ مولانا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حدیث میں ہے کہ ''من استنجی فلیوتر'' جب آدمی استنجاء کرے تو اسے چاہئے کہ وتر پڑھے، لہذا مذکورہ حدیث پر میرا عمل ہے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کرے تو ڈھیلے طاق عدد لیوے۔ یعنی تین۔ پانچ سات وغیرہ۔

(۳) ایک ''نیم ملا'' کے دوست کو دشمن پٹینا چاہتے تھے۔ یہ بچاؤ کر رہا تھا۔ نیم ملا نے دوست کے ہاتھ پکڑ لئے۔ دشمن کو موقع مل گیا۔ کسی نے نیم ملا سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ جواب دیا کہ میں نے شیخ سعدیؒ کے قول پر عمل کیا تم

نے گلستان میں نہیں پڑھا؟

دوست آنباشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

یعنی دوست وہ ہے کہ پریشانی والا چاری کی حالت میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ اس پر میں نے عمل کیا۔ حالانکہ یہاں ہاتھ پکڑنے کا مطلب مدد کرنا ہے۔ نہ کہ ہاتھ پکڑ کر پٹوانا۔

بے شک جو عربی و فارسی نہ پڑھے ہوں اور اصطلاعات ومحاورات سے واقف نہ ہوں وہ ضرور اس قسم کی غلطیاں کریں گے اور قرآن وحدیث کا مطلب غلط سمجھیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ لہذا جاہل واعظین سے بچنا چاہئے۔ آنخضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قرآن کا مطلب اپنی رائے سے بیان کرے اگر صحیح بیان کرے گا تب بھی خطاوار ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵)

اپنی رائے سے بیان کرنے والا عالم فاضل بھی آنخضرت ﷺ کے نزدیک خطاوار ہے تو بسبب ناواقفیت قرآن وحدیث کا مطلب غلط اور خلاف مراد بیان کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہئے۔ مطلب یہ کہ نام کے مولوی اور پیشہ ور جاہل واعظین سے ضرور بچنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سنی مسلمان شیعہ بچوں کو تعلیم دے سکتا ہے؟:

(سوال ۵۶) اہل سنت والجماعت کے عقائد والا عالم شیعہ بچوں کو قرآن وغیرہ دینی تعلیم دے سکتا ہے؟

(الجواب) شیعہ لوگوں کے بچوں کو قرآن شریف اور دینیات کی ایسی تعلیم (جو اہل سنت والجماعت کے خلاف نہ ہو) دے سکتے ہیں۔ فقط۔

مدرسہ کی تعلیم اہم ہے یا تبلیغ ؟:

(سوال ۵۷) انگلینڈ میں مدرسہ ہے تین اساتذہ ہیں۔ ڈیڑھ سو بچے تعلیم پارہے ہیں۔ مدرسین کی یوئل چھٹیاں تین ہفتے کی ہیں۔ علاوہ اس کے مدرسین باری باری تبلیغی اجتماع میں جاتے ہیں۔ جس سے تعطیلات رہتی ہیں۔ غرض کہ سال میں تین سو تیرہ (۳۱۳) دن مدرسہ میں تعلیم کے ہیں۔ ان میں سے ایک سو چھپن (۱۵۶) دن تبلیغی پروگرام میں گذرتے ہیں۔ یعنی صرف تعلیم کے لئے ایک سو ستاون (۱۵۷) دن ہی رہتے ہیں۔ جس میں تعلیم پاتے ہیں۔ یہاں عیسائی ماحول اور کفرستان میں بچوں کو صرف پندرہ برس تک ہی دینی تعلیم کے حصول کا موقع ہوتا ہے۔ جس بنا پر دینی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ان کے اوقات ضائع کر کے تبلیغی جماعت میں جانا جائز ہے؟ دینی تعلیم دینا اہم ہے یا تبلیغی جماعت میں جانا؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب مدرسین مدرسہ کمیٹی کے قول وقرار کے مطابق عمل کرتے ہیں تو یہ ناجائز نہیں ہے اور کوئی حرج بھی نہیں، بچوں کی تعلیم کی طرح تبلیغی کام بھی نہایت اہم ہے جس کا بیان دشوار ہے۔ تبلیغی کام سے چھوٹے، بڑے، مرد، عورت میں دینی ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا ڈر، فکر آخرت عبادت کا شوق، اور دینداری بڑھنے کا موقعہ ہے۔

انگلینڈ کا ماحول اس قدر مخدوش ہے۔ جو بچوں اور بڑوں کے لئے بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے بے انتہا خطرناک ہے۔ ماں، باپ دیندار ہوں گے تو اولاد کی دینداری کی فکر ہوگی۔ ان کو علم دین سکھائیں گے (جس سے عوام عملاً نفرت کررہے ہیں) اور مدرسہ ومسجد آباد ہوں گے۔ آپ کے مدرسہ کا دستور العمل قابل تعریف اور قابل اتباع ہے۔ جس طرح علمائے کرام بچوں کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں، ایسے ہی تبلیغی کام کے ذمہ دار ہیں۔ یعنی ان پر دونوں کی ذمہ داری ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اس دور میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے تعلیم وتبلیغ رشد وہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہیں۔ جس بناء پر گنہگار ہیں۔ کہ شہر میں اکثر لوگ نماز کے شرائط واحکام سے ناواقف ہیں۔ تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟

لہذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلّہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی ہر ایک گاؤں میں بھی ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے۔ جو عالم اپنے فرض عین سے فارغ ہو اور فرض کفایہ کی فرصت ہو تو اس پر لازم ہے کہ قرب وجوار کی بستی میں جا کر لوگوں کو دین سکھائے اور شرعی احکام سے واقف کرے، اپنا کھانا ساتھ لے جائے، کسی کا کھانا نہ کھائے کہ وہ مشتبہ ہوتا ہے قرب وجوار میں کوئی عالم چلا جاوے تو دوسرے سبکدوش ہو جائیں گے! ورنہ عالم غیر عالم سب پر وبال آئے گا۔ عالم پر تو اس لئے کہ باہر جا کر جاہلوں کو دین نہ سکھایا۔ اور غیر عالم پر اس لئے کہ دین سیکھنے میں سستی کی، عوام جو شرائط صلوٰۃ سے واقف ہیں۔ ان پر ضروری ہے کہ ناواقف لوگوں کو سکھائیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے کہ وہ جانتے ہیں۔ ناواقف عوام کو سکھانے کی ان کو کافی فرصت ہوتی ہے اور یہ لوگ اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ زراعت، تجارت، ملازمت، چھوڑ کر تبلیغ میں جائیں گے تو ان کا کاروبار بند ہو جائے گا۔ بدنظمی ہو جائے گی۔ جس کے سنبھالنے کے ذمہ دار وہ ہیں۔ اقتصادی حالت کی درستگی بھی ضروری ہے۔ علماء کی شان اور ان کا کام یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو کچھ ان تک پہنچا ہے۔ وہ دوسروں تک پہنچادیں کہ علماء وارث انبیاء ہیں۔ (احیاء العلوم ص ۳۳۶ ج ۲)

بچوں کی تعداد زیادہ ہو اور مدرسین کم ہوں تو مدرسین بڑھائے جائیں۔ مدرسہ کی عمارت میں کافی سے زائد صرف کردیتے ہیں۔ حالانکہ مدرسہ کی عمارت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود اصلی تعلیم ہے تو پھر اساتذہ کے اضافہ میں اور ان کی تنخواہوں کے بارے میں کوتاہی کیوں کی جائے؟ خلاصہ یہ کہ تعلیمی کام کے ساتھ تبلیغی شغل ہونا چاہئے۔ دینی انجمن (کمیٹی) تبلیغی کام کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ لہذا تعلیمی کام کے ساتھ تبلیغی کام میں دلچسپی لیں۔ اور مدرسین کو جاری وظیفہ کے ساتھ تبلیغی کام کے لئے جانے کی اجازت دیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ ”مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوریٰ کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں۔ مسلمانوں کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمت انجام دینے کے لئے نہیں بنائے گئے۔ بلکہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی اور دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ جنگ روم وروس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز نے دورے کئے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کر کے ترکی کو بھیجی۔ اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں تعطل رہا (تعلیم بند رہی) اور

تنخواہیں دی گئیں۔

شدھی اور سنگھٹن وغیرہ کی نحوستوں کے زمانہ میں ملکانہ راجپوتوں وغیرہ کے علاقہ میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہیں جاری رکھی گئیں۔ ایسے اوقات میں کام کرنے والے اور حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہوسکتے ہیں۔ اگر ان کے اہل وعیال کی خبر گیری بند ہوجائے۔ تو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہوجاوے گا۔ مذہبی جلسوں اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاس وغیرہ میں علماء اور مدرسین کا شریک ہونا تدریسی خدمات کو معطل کرنا، نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہد ماضیہ سے چلا آتا ہے۔ پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارۂ اسلامیہ کے مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۳۵۶ ۳۵۲۔ مکتوب ۱۲۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لڑکی حفظ قرآن کرتے ہوئے بالغ ہوگئی تو اب اتمام کے لئے کیا تدبیر ہے؟:

(سوال ۵۸) ایک لڑکی نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ پھر اسی اثناء میں بالغ ہوگئی تو اب ایام حیض میں کیا کرے؟ کہ جس سے ساتھیوں کو خبر نہ ہو اور شرم کی وجہ سے حفظ نہ چھوڑ دے۔ اور قرآن پاک ختم کرلے۔ تو مناسب تدبیر بتلائیں! بینوا توجروا۔

(الجواب) جب لڑکی بالغ ہوگئی تو ایسے مدرسہ میں بھیجنا جائز نہیں جہاں لڑکے پڑھتے ہوں اور مرد پڑھاتے ہوں۔ اس کے لئے جداگانہ انتظام کیا جاوے۔ حفظ جاری رکھے۔ پڑھانے والا محرم ہو یا عورت ہو۔ غیر محرم کے پاس پڑھنا جائز نہیں۔ حیض کے ایام میں حفظ یا تلاوت نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اولاد کی دینی علم سے جاہل رکھنے کی ذمہ داری والدین پر ہے!:

(سوال ۵۹) محترم المقام واجب الاحترام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم، بعد سلام مسنون! آج کل لوگوں کا ذہن عام طور پر یہ بن رہا ہے کہ اپنی اولاد کے لئے دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں، بڑی بڑی ڈگریاں دلوانے کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور ان کو دینی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں نہ ان کے اخلاق کی اصلاح کی فکر ہے نہ ان کو دیندار بنانے کا خیال اس بارے میں شرعی ہدایات کیا ہیں؟ اولاد کو دیندار نہ بنانے کی ذمہ داری والدین پر ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مفصل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ فقط۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً:۔ اولاد ہمارے پاس خدائے تعالیٰ کی امانت ہے ہمیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو اس کی روحانی وجسمانی تربیت کے لئے ضروری ہے۔ بچہ کی پیدائش کی غرض حق تعالیٰ کی معرفت و اطاعت ہے اور اس کی تربیت کا مقصد دین اور روحانیت کا حاصل کرنا ہے، اولاد کو چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں کی تعلیم دینا اور ادب سکھانا ایک صاع (ساڑھے تین کلو غلہ) خیرات کرنے سے بہتر ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ لان یؤدب الرجل ولده، خیر له، من ان یتصدق بصاع (ترمذی شریف) یعنی! آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع (غلہ) خیرات کرنے سے بہتر ہے، ایک اور حدیث میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ما نحل والد ولده، من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی شریف) یعنی! کسی والد نے اپنی اولاد کو نیک

ادب سے افضل کوئی عطیہ عطا نہیں کیا، نیز ارشاد فرمایا۔ مروا اولاد کم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع (ابوداؤد شریف) اے لوگو! اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب سات برس کے ہوں اور انہیں ترک نماز پر مارو جب وہ دس برس کے ہوں اور اس وقت (یعنی جب دس برس کی عمر کے ہو جائیں) سونے کی جگہ الگ الگ کردو (یہ اس لئے کہ بچہ دس برس کی عمر کے بعد قریب البلوغ اور مراہق شمار کیا جاتا ہے اس وقت احتمال ہے کہ کسی کے ساتھ اس کا جسم مس کر جائے اور یہ خلاف ادب ہے) محسن انسانیت پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اولاد کی پیدائش سے بہت پہلے اس کے اخلاق اور اعمال کی درستی اور تربیت کا اہتمام فرمایا ہے، ہدایت ہے کہ باپ اولاد کے حصول کے لئے کسی ذلیل اور رذیل بداخلاق، بداطوار عورت کو پسند نہ کرے بلکہ شریف پاکباز دیندار عورت کو منتخب کرے، ارشاد ہے، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرأۃ لا ربع لما لھا ولحسبھا ولجما لھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷)

اسی طرح لڑکی کے والدین کو ہدایت ہے کہ فاسق وفاجر و بدچلن لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کرے، بلکہ دیندار، متقی، پرہیزگار سے کرے چنانچہ ارشاد ہے۔ اگر ایسے شخص کی طرف سے نکاح کا پیغام آوے کہ تم کو اس کا دین اور اس کے اخلاق پسند ہوں تو اس سے نکاح کردو ورنہ (اگر اس ہدایت پر عمل نہ کیا گیا تو) زمین میں فتنہ ہوگا اور فساد پھیلے گا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لا تفعلوہ تکن فتنہ فی الارض وفساد عریض .(مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷) جب اس پر عمل کر کے والدین نیک اور دیندار ہوں گے تو اولاد بھی صالح ہوگی۔ الا ماشاء اللہ)

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اولاد نیک پیدا ہو اس کی دوسری ہدایت:۔ مباشرت کے وقت یہ دعا پڑھی جائے بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا . میں اللہ کا نام لے کر یہ کام کرتا ہوں۔ اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو دے اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھ۔

تیسری ہدایت:

بچہ پیدا ہو تو نہلا دھلا کر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے، اذان میں پہلے چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر بچہ کے دل ودماغ میں یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت خدائے واحد وقہار کی طاقت سے بڑھ کر نہیں۔ وہی سب سے بڑا ہے۔ اور بڑی عظمت ورفعت والا ہے۔ اس کے بعد دو مرتبہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ کر خداوند قدوس کی وحدانیت کان میں پہنچا کر بچہ کے دل ودماغ کو اپیل کی جاتی ہے کہ مسلمان کو توحید کی تبلیغ میں کسی کا خوف مانع نہ ہونا چاہئے۔ اس اعلان توحید کے بعد دو مرتبہ اشھد ان محمداً رسول اللہ کہہ

کر اس ذات کی رسالت مقدسہ کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جن کی بدولت ہم کفر وشرک کی ظلمات سے نکل کر ایمان وتوحید کی دولت سے مالا مال ہوئے جو کچھ بھی ہے وہ انہیں کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ ان اعتقادی مسائل یعنی وجود باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ اور مسئلہ رسالت کے بعد حی علی الصلوٰۃ کہہ کر اسلام کی سب سے اہم عبادت جو نماز ہے دعوت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد حی علی الفلاح کہہ کر اس فلاح دائمی کی طرف جس میں دنیا وآخرت کی کامیابیوں کا راز مضمر ہے دعوت دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر دو مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ کر یہ بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان کی کامیابی اسی وقت ہے جب اس کے دل میں ابتداء میں بھی توحید۔ پناں گزین ہو اور آخرت میں بھی اس کی موت انہیں سچے اقوال وعقائد پر ہوگئی ہو۔

چوتھی ہدایت:

تحنیک اور برکت کی دعا کرائیں، عمل تحنیک میں بھی بچہ کی صلاح وفلاح مقصود ہوتی ہے کہ بچہ کو کسی بزرگ کے پاس لے جائیں کہ وہ اس کے حق میں صلاح وفلاح کی دعا کرے اور کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر بچہ کے تالو پر مل دے اور اپنا لعاب دہن منہ میں ڈال دے جو اس کی دینداری اور خیر وبرکت کا باعث ہے۔ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ سے تحنیک اور برکت کی دعا کرایا کرتے تھے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتی بالصبیان فیبرک علیھم ویحنکم ، رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲، باب العقیقہ)۔

پانچویں ہدایت:

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ (مشکوٰۃ ص ۲۷۱) جس کی یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور ادب سکھائے اس لئے بچہ کا نام مبارک ناموں میں سے رکھا جائے تاکہ موجب صلاح وفلاح اور باعث رحمت وبرکت ہو۔ حدیث میں ہے کہ تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبدالرحمٰن ہیں نیز ارشاد نبوی (ﷺ) ہے سموا باسماء الا نبیاء ، انبیاء علیہم السلام کے ناموں میں سے (نام) رکھو۔

چھٹی ہدایت:

جب بچہ کی زبان کھل جائے اور باتیں کرنے لگے تو اس کو کلمہ سکھائیں۔ اور عمر رسیدہ، دیندار، تعلیم کے طریقوں سے واقف کار خوش خلق شفیق استاد کے پاس بٹھائیں۔ استاد ایسا ہو کہ نرمی اور پیار ومحبت سے پڑھائے بد اخلاقی اور بری عادتوں پر مناسب تنبیہ کرتا رہے۔ ضروری علم سکھانے کے بعد دنیا کا علم بھی ضرور سکھایا جائے مگر علم دین کو مقدم رکھا جائے، عقل مند شخص وہی ہے جو اپنی اولاد کو مذہبی تعلیم سے آراستہ کرے اور دین کو عملاً مقدم رکھے، دنیوی زندگی بنانے میں اتنا مگر نہ مٹے کہ بچہ مذہبی تعلیم سے نابلد رہے اور دین برباد ہو جائے، رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے دنیا کو محبوب ومقدم سمجھا اس نے آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو دوست رکھا اس نے اپنی دنیا کا نقصان کیا پس فنا ہونے والی چیز پر (یعنی دنیا پر) باقی رہنے والی چیز (یعنی آخرت) کو ترجیح دو، (رواہ احمد) اس لئے

اولاد کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کے دین و مذہب کی درستی کی فکر دنیا کی درستی کی فکر سے زیادہ اور مقدم ہو چنانچہ بزرگوں کا مقولہ ہے۔ صدیق الانسان من یسعیٰ فی عمارۃ اخرتہ وان کان فیہ ضرر لدنیاہ و عدوہ من یسعیٰ فی خسارۃ اخرتہ وان کان فیہ نفع لدنیاہ، یعنی آدمی کا دوست اور خیر خواہ وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی میں کوشاں رہے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ فائدہ ہو (مجالس الابرار)

والدین اگر واقعی اپنی اولاد کے خیر خواہ ہیں تو مذہبی اور اسلامی تعلیم دینے میں پیش پیش رہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم تو یہ ہے۔ قوا انفسکم واھلیکم نارًا۔ تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اور ماں باپ کا حال یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ میں جھونکے جارہے ہیں اور دعویٰ ہے محبت کا العجب کل العجب۔

یاد رکھیں اولاد کے بددین ہونے اور بگڑنے کی تمام ذمہ داری والدین پر ہے۔ اولاد کو جیسی تعلیم و تربیت دی جائے گی اولاد ویسے ہی بنے گی۔ حدیث میں ہے ما من مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ، ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی دین اسلام قبول کرنے کی بوجہ اتم اس میں صلاحیت اور استعداد ہوتی ہے مگر اس کے والدین تعلیم و تربیت کے ذریعہ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کا ذہن، بچہ کے اخلاق، عادات واطوار رہن سہن اور اس کا دین ماں باپ کی تربیت اور تعلیم سے متأثر ہوتا ہے۔ والدین کا جیسا تعلیم و تربیت کا ڈھنگ اور طریقہ ہوگا۔ اسی طریقہ پر بچہ نشوونما پائے گا۔ قیامت کے روز باپ سے اولاد کے بارے میں سوال ہوگا! ماذا علمتہ وما ذا ادبتہ، تم نے اس بچہ کو کیا کیا تعلیم دی تھی اور کیسی تہذیب اور ادب سکھایا تھا؟ لہٰذا اولاد کی جسمانی پرورش کے بعد سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ خدا کی بارگاہ میں معزز ہوں۔ اور جہنم سے محفوظ رہیں۔ اور ایسی تعلیم و تربیت کریں کہ وہ سنت کے مطابق زندگی گذارنے کے عادی بن جائیں۔ اور نماز وغیرہ کے پابند ہو جائیں اور آخرت کی فکر ان کے اندر پیدا ہو جائے۔

اس کے برعکس آج کل ایک نہایت خطرناک طریقہ چل پڑا ہے وہ یہ کہ بچہ کے ہوش سنبھالتے ہی اس کو دنیوی تعلیم میں لگا دینا اور قرآن کی تعلیم اور دینیات کو پیچھے ڈال دینا یا ضمناً رکھ دینا، یہ انتہائی غلط طریقہ ہے اس طرح نہ تو بچہ کی دینی تعلیم مکمل ہوتی ہے اور نہ بچوں کے دل میں مذہبی تعلیم کی کوئی اہمیت اور وقعت باقی رہتی ہے، بالآخر وہ دینی تعلیم اور ضروریات دین سے جاہل رہ جاتے ہیں، بچوں کو الٹا سیدھا ناظرہ قرآن ختم کرا کر اور تعلیم الاسلام کے ایک دو حصے پڑھا کر یہ سمجھ لینا کہ بس فرض ادا ہو گیا زبردست غلط فہمی ہے۔ یاد رکھئے صرف ایسی اور اتنی تعلیم سے ہرگز دینی تعلیم کا وہ فریضہ ادا نہیں ہوتا جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ (ابن ماجہ) یعنی ہر مسلمان مرد اور عورت پر دین کا ضروری علم سیکھنا فرض ہے۔

اس لئے اگر والدین نے اولاد کو دین سے جاہل رکھا اور نماز وغیرہ کا پابند نہیں بنایا، اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا عادی نہیں بنایا۔ اور جہنم سے بچ کر جنت میں پہنچنے کا راستہ نہیں سمجھایا تو قیامت کے روز پھر یہی اولاد

اللہ تعالیٰ سے شکایت کرے گی۔

آخرت کی اس رسوائی اور مصیبت سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں والدین اولاد کی جسمانی تربیت کریں اسی کے ساتھ ساتھ انہیں (اور خود اپنی ذات کو بھی) دوزخ کی آگ سے بچائیں اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دلائیں اور بعد ازاں ان پر سختی سے عمل کرائیں۔ صحابۂ کرام اور بزرگان دین کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔ معمولی معمولی باتوں کی تعلیم دیتے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کا پابند بناتے تھے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ سر مبارک میں تیل لگانے کی عادت تھی۔ مگر یہ کوئی ایسی سنت نہیں ہے کہ جس کے ترک پر سزا ہو، عتاب ہو۔ البتہ اس پر عمل کرنے میں ثواب ہے کہ سنن عادی میں سے ہے مگر اس کے باوجود ایسی چھوٹی سنت پر بھی عمل کرنے کرانے کا صحابہ کرام کو بڑا اشغف تھا۔ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ نے اپنے لڑکوں کو بلا کر زیتون کا تیل پیش کیا اور فرمایا کہ سر پر اس کی مالش کرو، لڑکوں نے سر پر تیل لگانے سے انکار کیا۔ راوی کا بیان ہے۔ فاخذ عصا وجعل یضربھم ویقول اترغبون عن دھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہوں نے لاٹھی لی اور لڑکوں کو مارنا شروع کیا اور کہتے تھے کیا تم رسول اللہ ﷺ کے تیل لگانے کی سنت سے اعراض کرتے ہو؟ یہ ہے تربیت کا طریقہ اور سنت کی عظمت ، تربیت کی ذمہ داری ماں پر زیادہ ہے چونکہ باپ بیوی اور بچوں کی ضروریات پورا کرنے کی فکر میں کمانے کے لئے باہر چلا جاتا ہے ماں گھر میں رہتی ہے اس لئے ماں کو چاہئے کہ اولاد کی تعلیم وتربیت اور ان کی نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھے اور خود بھی دیندار بنے۔ اگر ماں نیک ہے۔ جھوٹ نہیں بولتی گالیاں نہیں بکتی، سویرے اٹھ جاتی ہے۔ نماز کی پابند ہے قرآن حکیم کی تلاوت کرتی ہے تو بچوں اور بچیوں کے اندر بھی اس قسم کے اوصاف حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ماں جھوٹ بولتی ہے۔ بدزبان ہے، بداخلاق ہے، گالی گلوچ بکتی ہے اور دین پر پابندی کا اہتمام نہیں کرتی، تو بچوں کے اندر بھی یہی بری خصلتیں پیدا ہوں گی اور بچپن کی یہ برائیاں آخیر عمر تک رہیں گی جن کے برے نتائج دنیا وآخرت میں انہیں بھگتنے ہوں گے اور یہ سب گھر کے ماحول کا ثمرہ ہے۔ عربی شاعر کہتا ہے۔

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا

فلا تلم الا ولاد فیھا علی الرقص

یعنی گھر کا ماحول غیر اسلامی ہے، اور گھر کے بڑے لوگ ڈھول بجاتے ہیں تو اولاد کو ناچنے اور گانے بجانے پر ملامت مت کر، خلاصہ یہ کہ بچہ جو سیکھے گا گھر سے سیکھے گا۔ گھر کا ماحول برا اور غیر اسلامی ہوگا تو اولاد بھی برائیوں کی عادی ہوگی۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ماں باپ خود بھی برائیوں سے بچتے رہیں اور اولاد کو بھی بچاتے رہیں۔

اولاد کی تعلیم وتربیت کا ایک اہم جز صحبت نیک کا اہتمام اور صحبت بد سے اجتناب بھی ہے۔ چنانچہ صحبت نیک کے متعلق شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے

رسید از دست محبوبے بد ستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری !!!

کہ از بوئے دلآویز تو مستم

بگفتا من گلے نا چیز بودم!
ولیکن مدتے باگل نشستم،
جمال ہمنشیں در من اثر کرد!
دگر نہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

یعنی! ایک دن ایک خوشبودار مٹی کا ڈھیلا حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ لگ گیا۔ خوشبو محسوس کر کے میں نے اس سے پوچھا بتا تو مشک سے بنا ہے یا عبیر سے۔ اس نے زبان حال سے جواب دیا میں تو ناچیز (حقیر) مٹی ہوں لیکن ایک مدت تک پھول کی ہمنشینی میں رہی ہوں۔ میرے ہمنشین کے جمال نے مجھ میں اثر کیا (اسی وجہ سے میں مہک رہی ہوں۔ ورنہ میں وہی حقیر مٹی ہوں جو پہلے تھی مطلب کہ نیکوں کی صحبت آدمی کو نیک اور اچھا بنا دیتی ہے جیسے مٹی میں پھول کی صحبت سے خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ (گلستاں، مقدمہ) اسی طرح بری صحبت کے متعلق ارشاد ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنادے گی اسی طرح بد بخت کی صحبت تم کو بھی بد بخت بنادے گی۔ اور فرماتے ہیں

تاتوانی دور شواز یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند
یار بد برجاں و بر ایمان زند

ترجمہ:۔ جہاں تک تم سے ہو سکے یار بد (برے دوست) سے دور رہو (اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھو) اس لئے کہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے (اس لئے کہ) سانپ کا حملہ تو صرف جان پر ہوتا ہے لیکن برے دوست کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص سے ثابت ہے کہ صحبت کا تمام اشیاء میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ جو چیزیں بزرگوں کے ہاتھوں میں رہی ہوں انہوں نے استعمال کی ہوں تو ان کو متبرک سمجھا جاتا ہے اور ارباب بصیرت ان میں انوار و برکات محسوس کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ اسی صحبت کا اثر اور نتیجہ ہے جو ان اشیاء کو ان بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوا ہے تو خوب سمجھ لیا جائے کہ جس طرح بزرگوں کی صحبت کے برکات استعمالی چیزوں میں ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح کفار یا فجار کے ہاتھوں میں یا استعمال میں رہی ہوئی چیزوں میں بھی تاریکی اور ظلمت ہوتی ہے جس کو ارباب بصیرت اکثر محسوس بھی کر لیتے ہیں لہذا صحبت نیک کا اہتمام اور صحبت بد سے اجتناب خود بھی کرنا چاہئے اور اپنی اولاد سے بھی کرانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

مدرسہ کی تعلیم شروع ہونے سے پہلے بچوں سے دعائیہ نظم پڑھوانا:

(سوال ۶۰) انگریزی اور ہندی اسکولوں میں اسکول کھلنے کے وقت طلبہ سے پرارتھنا اور پریر پڑھوایا جاتا ہے، ہمارے یہاں خالص دینی مدارس ہیں، یہاں کے منتظمین اصرار کے ساتھ تقاضا کررہے ہیں کہ جس طرح اسکولوں میں پرارتھنا ہوتی ہے اسی طرح مدارس میں بھی کوئی دعائیہ نظم پڑھانی چاہئے اور اس کے پڑھنے کی شکل یہ ہوگی کہ ایک بار دو طالب علم نظم کا ایک مصرعہ پڑھے گا اور بقیہ طلباء ترنم کے ساتھ اسی مصرعے کو دہراتے جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے۔

(۱) کیا اسلامی مدارس میں اسکولوں کی پرارتھنا کی طرح کوئی دعائیہ نظم طلبا سے اجتماعی طور پر پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض علماء انکار کرتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی طالب علم شریک نہ ہو یا کبھی غیر حاضر ہو جائے تو اس کو تنبیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی دعائیہ نظم جو اللہ تعالیٰ کی ثناء اور رسول مقبول ﷺ کی صحیح تعریف وتوصیف پر مشتمل ہو اجتماعی طور پر اسلامی مدارس میں بھی پڑھائی جاسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔

مثلاً یہ دعا پڑھی جائے۔

اے خدائے پاک رحمٰن و رحیم
قاضیٔ حاجات و وہاب و کریم
اے الٰہ العالمین اے بے نیاز
دین و دنیا میں ہمارے کار ساز
تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے
تیرے ہی ہاتھوں میں خیر و جود ہے
ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہے خدا
تو کریم مطلق اور ہم ہیں گدا
ہم گنہگار، اور تو غفار ہے
ہم بھرے عیبوں سے تو ستار ہے
ہم ہیں بے کس اور تو بے کس نواز
ہم ہیں ناچار اور تو ہے چارہ ساز
تو وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے
جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے

در تری رحمت کے ہر دم ہیں کھلے
تیری در پر ہاتھ پھیلاتا ہے جو
پا ہی لیتا ہے وہ ہر مقصود کو
مانگنا ہم پر کیا ہے تو نے فرض
اور سکھا ہم کو دیئے آداب عرض
مانگنے کو بھی ہمیں فرمادیا
مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلادیا
بلکہ مضمون بھی ہر اک درخواست کا
ہم کو یارب تو نے خود سکھلا دیا
ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے
جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے
ہر طرف سے ہو کے ہم خوار و تباہ
آ پڑے اب تیرے در پر یا الٰہ
گرچہ یاربّ ہم سراپا ہیں برے
اب تو لیکن آپڑے در پر ترے
دل میں ہیں لاکھوں امیدیں جلوہ گر
ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے مگر
تو غنی ہے اور ہم ہیں بے نوا
کون پوچھے گا ہمیں تیرے سوا
ہے تو ہی حاجت روائے دو جہاں
ہم تیرا در چھوڑ کر جائیں کہاں
صدقہ اپنی عزت و اجلال کا
صدقہ پیغمبر کا، ان کی آل کا
اپنی رحمت ہم پہ اب مبذول کر
یہ مناجات اور دعا مقبول کر

(مناجات مقبول)(آمین)

نیز مندرجۂ ذیل مناجات بھی بہت عمدہ ہے، یہ پڑھی جائے۔

مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات

بادشاہا جرم مارا در گذار
ما گنہگار یم وتو آمرزگار
تو نکوکاری وما بد کردہ ایم
جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم
سالہا دربند عصیاں گشتہ ایم
آخراز کردہ پشیماں گشتہ ایم
دائماً در فسق وعصیان ماندہ ایم
ہم قرین نفس وشیطان ماندہ ایم
روز وشب اندر معاصی بودہ ایم
غافل از امرو نواہی بودہ ایم
بے گناہ نگذشت بر ما ساعتے
باحضور دل نکر دم طاعتے
بردر آمد بندہ بگر یختہ
آبروئے خود زعصیاں ریختہ
مغفرت دار د امید از لطف تو
زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا
بحر الطاف تو بے پایا بود
نا امیداز رحمتت شیطاں بود
نفس و شیطان زد کریما راہ من
رحمتت باشد شفاعت خواہ من
چشم دارم از گنہ پاکم کنی
پیش ازیں کاندر لحد خاکم کنی
اندر آں دم کز بدن جانم بری
از جہاں بانور ایما نم بری

(پندنامہ) ۔

اس مناجات کا کسی نے اشعار میں ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

عفو کر میرے جرائم یا خدا
تو غفور اور میں ہوں گنہگار یا خدا
نیکی تو کرتا ہے اور میں کار بد
میرے جرموں کی نہیں اللہ حد
کی بسر جو معصیت میں زندگی
آخرش حاصل ہوئی شرمندگی
مبتلائے فسق وعصیاں میں رہا
ہم قرین نفس و شیطاں میں رہا
مبتلائے معصیت ہوں صبح و شام
تیرے امر و نہی سے غافل مدام
ایک ساعت بے گنہ گذری نہیں
اور حضور دل سے طاعت کی نہیں
بھاگ کر یہ بندہ آیا رُو بَرو
جرم سے اپنی مٹا کر آبرو
عفو کی کرتا ہے تجھ سے آرزو
کیونکہ تیرا قول ہے لا تقنطوا
ہووے کیونکر تجھ سے انسان نا امید
تیری رحمت سے ہوشیطاں نا امید
نفس و شیطاں نے کیا گمراہ مجھے
نیک ہے امید تیرے لطف سے
یا خدا مجھ کو گناہ سے پاک کر
قبل ازیں کہ دفن زیر خاک کر
جان میرے جسم سے جب ہو جدا
ہو نہ قید قلب سے ایمان رہا

آمین۔

یاان کے علاوہ اورکوئی دعائیہ نظم پڑھی جائے۔

(۲) ان کو سمجھا کر کام لیا جائے تشدد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

غیر عالم کا وعظ کہنا:

(سوال ۶۱) جولوگ عالم نہیں ہیں، کسی معتبر عالم سے قرآن وحدیث نہیں پڑھی ہے، وہ اگر علماء کی طرح وعظ کریں تو کیسا ہے؟ دلائل کی روشنی میں مدلل ومفصل تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) وعظ گوئی اور تذکیر دین کا عظیم الشان رکن ہے، جو شخص قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ اس منصب کا اہل نہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ **اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ** جب نااہلوں کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو (بخاری شریف ج ا ص ۱۴ پ ۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے **الامر بالمعروف یحتاج الی خمسۃ اشیاء اولھا العلم لان الجاھل لا یحسن الامر بالمعروف.** امر بالمعروف (وعظ گوئی) کے لئے پانچ شرطیں ہیں جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عالم ہو اس لئے کہ جاہل اچھے طریقہ سے امر بالمعروف نہیں کرسکتا (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۳۵ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر)

درمختار میں ہے **التذکیر علی المنابر للوعظ والا تعاظ سنۃ الانبیاء والمرسلین.** منبر پر بیٹھ کر نصیحت کرنا متأثر کرنے کے لئے اور متاثر ہونے کے لئے انبیاء ومرسلین کا طریقہ ہے (اوران کے بعد ان کے وارثین علماء امت کا منصب ہے) (درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۴۷۲ قبیل باب احیاء الاموات)

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:۔

ریحک کن عاقلاً لا تزاحم القوم بجھلک بعد ما خرجت من الکتاب صعدت تتکلم علی الناس ھذا امر یحتاج الی احکام الظاھر واحکام الباطن ثم الغنی عن الکل. یعنی تجھ پر افسوس سمجھدار بن۔ اپنی جہالت لے کر حکمائے امت کے سامنے صف میں مت آ۔ تو مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھا کہ لگا لوگوں کو وعظ کہنے، اس (وعظ گوئی) کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری اور باطنی مضبوطی کی (کہ اعمال وعقائد دونوں موافق شرع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی (فتح ربانی ص ۳۴۸ مجلس نمبر ۵۹)

اور فرماتے ہیں:۔ **اعمی کیف تداوی اعین الناس. اخرس کیف تعلم الناس جاھل کیف تقیم الدین من لیس بحاجب کیف یقیم الناس الی باب الملک** تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کے آنکھ کا علاج کیونکر کرے گا، تو گونگا ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا اور جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کرسکے گا جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کرسکتا ہے۔ (فتح ربانی ص ۴۷۸ مجلس نمبر ۶۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **فالتذکیر رکن عظیم الخ** یعنی وعظ گوئی دین میں رکن عظیم ہے، خدا تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ﷺ سے فرمایا **فذکر فانما انت مذکر**، آپ سمجھاتے رہئے آپ کا کام سمجھانا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **وذکرھم بایام اللہ** ان کو گذشتہ واقعات یاد دلایا کرو تو نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ تذکیر اور وعظ گوئی عظیم الشان رکن ہے۔ اور فرماتے ہیں **فاما المذکر فلا بد ان یکون مکلفاً عدلاً محدثاً مفسراً عالماً بجملۃ کافیۃ من اخبار السلف الصالحین وسیرتھم ونعنی**

بالمحدث المشتغل بکتب الحدیث و کذلک بالمفسر المشتغل بشرح غریب کتاب اللہ وتوحیا مشکلہ وبما روی عن السلف فی تفسیرہ یعنی واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکلّف یعنی مسلمان عاقل بالغ اور متقی وعادل ہو، قرآن وحدیث کے علوم کا ماہر ہو، سلف صالحین، صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے صحیح حالات اور ان کی صحیح سیرت کا علم رکھتا ہو، محدث سے مراد یہ ہے کہ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ (بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) وغیرہ سے شغل رکھتا ہو، صحیح ضعیف اور موضوع احادیث میں امتیاز کر سکتا ہو اور یہ علوم کامل استاد سے حاصل کئے ہوں اور مفسر سے یہ مراد ہے کہ قرآن کی تفسیر آیات مشکلہ کی توجیہ اور تاویل سے واقف ہو ۔(القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل ص ۱۳۸، تا ص ۱۴۰ فصل نمبر ۱۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''بعض لوگ جن کی تربیت نہیں ہوتی اور مقتدا بن جاتے ہیں، ان کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ چھوٹا ہونے کے قبل بڑے ہو جاتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
تا راہ بین نہ باشی کے رہبری شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

تو پسر بننے سے پہلے پدر بن جانا (متعلم بننے سے پہلے (معلم اور) علماء کا منصب اختیار کر لینا) بہت سی خرابیوں کا باعث ہے (الرفیق فی سوار الطریق ص ۱۸)

اور فرماتے ہیں:۔ سفیر (یعنی مدرسہ کا سفیر) اگر عالم نہ ہو تو اسے وعظ گوئی سے منع کر دیا جائے، محض ترغیب چندہ کا محدود الفاظ سے مضائقہ نہیں مگر غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے اس میں چند مفاسد ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اس حدیث کی مخالفت ہے رسول اللہ ﷺ کا امر ہے کہ ہر کام اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے اور آپ فرماتے ہیں اذا وسد الا مر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ. کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہیں اور یہ امر مصرح ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے، اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں یہ منصب صرف علماء کاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔(التبلیغ کا ۲۶واں وعظ المسمیٰ بہ الہدیٰ والمغفرۃ ص ۴۰ مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون)

آپ ''تفسیر بیان القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اور علم کی شرط ہونے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بیدھڑک روایات و احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔'' (بیان القرآن ج ۲ ص ۷۴ پارہ نمبر ۴ سورۂ آل عمران)

اسی بنا پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ لا یزال الناس بخیر ما اتاھم العلم من قبل

اکابرھم فاذا اتاھم من قبل اصاغرھم ھلکوا یعنی جب تک لوگوں کے سامنے کاملین کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے، اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہوگا تو برباد ہوجائیں گے۔ (جامع بیان العلم ج۱ص ۱۵۹) (ترجمان السنہ ج۱ص ۴۴ حاشیہ نمبر۲)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ کو بہت رونا آیا وجہ دریافت کی تو فرمایا اس لئے رورہا ہوں کہ دین کی باتیں جاہلوں سے پوچھی جارہی ہیں اور یہی گمراہی کی علامت ہے۔ (الاعتصام ج۱ص ۱۴۹)

خلاصۂ کلام یہ کہ جو دینی کام کیا جائے وہ اصول شرعیہ کے تابع رہ کر کرنا چاہئے خلاف اصول اگر کام ہوں گے تو اس میں خرابیاں ہی پیدا ہوں گی۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔ حضرت گنگوہیؒ نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نااہل کو مدرسہ کا (یا وعظ گوئی کا) کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نااہل کو کیوں سپرد کیا گیا اصل مقصود خدا کی رضا مندی ہے مدرسہ مقصود نہیں، اور رہا یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا یہ ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہنچے گا۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ کہ جتنا بھی کام ہو صحیح اصول کے تابع ہو۔ حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو مقصود خدا کی رضا ہے، مسلمان کے ہر کام کا مقصد خدا کی رضا ہونی چاہئے مدرسہ رہے یا جائے، مدرسہ ملک میں بدنام ہو یا نیک نام چندہ بند ہوجائے یا جاری رہے طلباء زیادہ ہوں یا کم، غرض کچھ بھی ہو، اصول صحیح کے تابع رہنا چاہئے۔ (ملفوظات حضرت تھانویؒ ج۵ص ۲۲۴ ملفوظ نمبر ۲۳۸)

علماء کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، جس طرح درس وتدریس ضروری ہے اسی طرح ان پر یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ وعظ وتبلیغ کے ذریعہ عوام کے عقائد واعمال کی اصلاح کریں، اس وقت جو صورت حال ہے وہ بمثل تقسیم کار کے ہے بعض نے درس وتدریس ہی کو اختیار کرلیا۔ اور دوسری ذمہ داری سے صرف نظر کرلی اور بعض نے دوسری شق اختیار کرکے پہلی صورت کو چھوڑ دیا، علماء کی اس ذمہ داری کے متعلق حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

"علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آج کل واعظ جہلاء زیادہ نظر آتے ہیں علماء واعظ بہت کم ہیں تو آپ نے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنایا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی، اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم ودرسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء تعلیم کریں گے؟ اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں اتخذوا رؤسا جھالا فضلوا واضلوا کہ یہ جہلاء مقتدا و پیشوا شمار ہوں گے لوگ انہیں سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ وتبلیغ کا کام بھی کرنا چاہئے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں اور سننے والا مجمع ہے یا ایک؟ (وعظ العلم والخشیۃ ص ۳۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی جماعت والوں کا چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر کام کرنا:

(سوال ۶۲) معظم ومحترم حضرت مفتی صاحب ادام اللہ ظلہم، بعد سلام مسنون! ''غیر عالم کا وعظ کہنا'' اس کے متعلق حضرت والا کا تفصیلی مدلل فتویٰ دیکھا ماشاء اللہ بہت مدلل اور بصیرت افروز ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ وعظ گوئی اور تذکیر صرف علماء کا منصب ہے، اس وقت مزید ایک دو باتیں حضرت والا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آج کل خدا کے فضل وکرم سے تبلیغی جماعت کا کام بہت وسیع ہو گیا ہے بہت سے لوگوں کو اس سے فیض پہنچا ہے اور ان کی زندگی میں انقلاب آیا ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوئی وہ لوگ اپنی اصلاح کی نیت سے وقتاً فوقتاً جماعت میں نکلتے ہیں، جماعت میں نکلنے والوں کے لئے جمات کے اکابرین نے چھ نمبر مرتب فرمائے ہیں اور ہر ایک کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ان چھ نمبروں کے دائرہ ہی میں رہ کر دینی دعوت کا کام کریں، دینی دعوت دینے کے لئے کچھ نہ کچھ بیان کرنا ہی پڑتا ہے تبلیغی کارکن ان ہی چھ نمبروں کے دائرہ میں رہ کر عوام الناس کو دین کی پابندی، فرائض کی پابندی، آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے کچھ بیان کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اعتراض کرتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر عالم کا وعظ کہنا ممنوع ہے لیکن تبلیغ جس کا دائرہ کار چھ نمبروں کے اندر محدود ہے اور ان چھ نمبروں سے متعلق جو کتاب تبلیغی اکابرین نے مرتب فرمائی ہے اسی کے اندر رہ کر دعوت دی جائے اس سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے اضافہ اور استنباط نہ کیا جائے تو یہ کام واقف مسلمان کر سکتا ہے اس کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں ہے ''تبلیغ علماء کا کام ہے جاہل کا نہیں'' اس اعتراض کا جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

''یہ اعتراض دراصل ''تبلیغ'' و ''وعظ'' میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے، جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں ہے، اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے، تا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو، کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جا سکے، اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں، کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں ہے نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں انہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور انہی کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے، ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں۔ (جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ص ۲۷۔۲۸)

تبلیغی کام کرنے والوں کی برائی کرنا مخالفت کرنا ان کو ذلیل کرنا قطعاً ناجائز اور حرام ہے اور نفس تبلیغ اور دین کو نقصان پہنچانا ہے البتہ اگر وہ کوئی شرعی غلطی کا ارتکاب کریں تو جس طرح ہم اپنے بھائی کو نصیحت کرتے ہیں اسی طرح ان کو بھی نصیحت کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیم نسواں کی اہمیت:

(سوال ٦٣) آج کل بڑی عمر کی لڑکیوں اور دین سے ناواقف عورتوں کی دینی تعلیم کا مسئلہ بہت اہم ہوگیا ہے، لڑکیاں عموماً اسکول اور کالج کی دلدادہ ہوتی ہیں اور ان کے ماں باپ کا رجحان بھی اسی طرف ہوتا ہے، اور اسکول وکالج کا ماحول کس قدر خراب ہے وہ بالکل ظاہر ہے لڑکیاں عموماً ضروریات دین سے ناواقف ہوتی ہیں، ان کے مخصوص مسائل سے بھی بے خبر ہوتی ہیں، ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم کسی طرح اسکول وکالج سے ان کی رغبت ہٹا کر دینی تعلیم کی طرف ان کو راغب کریں اور اس مقصد کے پیش نظر ہم نے محلّہ میں ان کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا ہے جس میں لڑکیاں پردہ کی پوری پابندی کے ساتھ آمدورفت کرتی ہیں اور سند یافتہ معلمات ان کو قرآن مجید یا تجوید اور ضروری مسائل کی تعلیم دیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری کھانا پکانا، سینا پرونا وغیرہ بھی ان کو سکھایا جائے تو اس طرح محلّہ میں ان کے لئے دینی تعلیم کا انتظام شرعاً کیسا ہے؟ اس میں تعاون کرنا چاہئے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں گے! بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں ہے: عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم طلب العلم فریضة علی کل مسلم وفی روایة مسلمة حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد (اور ایک روایت کے مطابق ہر مسلمان عورت) پر فرض ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ مع حاشیہ کتاب العلم)

التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ وقال البیضاوی المراد من العلم مالا مندوحة للعبد عن تعلمه کمعرفة الصانع اوا لعلم بو حدا نیة ونبوة رسوله وکیفیة الصلوٰة فان تعلمه فرض عین. (ص ۱۵۱ ج اول)

مظاہر حق میں مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ "اور طلب کرنا علم کا فرض ہے، مراد علم سے وہ علم ہے کہ جس کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً آدمی جب مسلمان ہوا تو واجب ہوا اس پر معرفت صانع کی اور اس کے صفات کی اور جاننا نبوت رسول کا، اور سوائے ان کے ان چیزوں کا کہ ایمان بدون ان کے صحیح نہیں اور جب وقت نماز کا آیا تو واجب ہوا علم احکام نماز کا سیکھنا، جب رمضان آیا تو واجب ہوا علم احکام روزوں کا، اور جب مالک نصاب کا ہوا تو واجب ہوا علم احکام زکوٰۃ کا، اور جب نکاح کیا تو حیض ونفاس اور طلاق وغیرہ کے مسائل کا علم حاصل کرنا جو شوہر و بیوی سے متعلق ہے واجب ہوا، اسی طرح بیع وشراء (خرید وفروخت) کرنے لگے تو اس کے مسائل سیکھنے واجب ہوں گے، اسی پر اور چیزوں کو سمجھ لے غرض کہ جو بات اس کو پیش آوے گی اس کا حاصل کرنا بھی فرض ہوگا اگر نہ کرے گا تو اشد گنہگار ہوگا۔" (مظاہر حق بتغییر یسیر ص ۹۶، ص ۹۷، جلد اول)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر اتنا دینی علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے ایمان کی بنیاد توحید و رسالت اور عقائد کی اصلاح ہو سکے، اسی طرح اعمال یعنی نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ درست اور صحیح طریقہ سے ادا کر سکے اور معاملات، معاشرت اور اخلاق درست ہو جائیں۔

لہذا ضروری علم کا حصول صرف مردوں پر ضروری نہیں عورتوں اور لڑکیوں پر بھی ضروری ہے اوراس کی بے حد اہمیت ہے، عورتیں اگر ضروری دینی علوم سے واقف ہوں گی اوران کا ذہن دینی علوم سے آراستہ پیراستہ ہوگا تو وہ اپنی زندگی بھی دین کی روشنی میں صحیح طریقہ سے گذار سکتی ہیں اوراپنی اولاد نیز اپنے متعلقین کی بھی بہترین دینی تربیت کرسکتی ہیں۔اور بچپن ہی سے بچوں کا ذہن دین کے سانچہ میں ڈھال سکتی ہیں، اوران کو دینی باتوں سے روشناس کراسکتی ہیں۔ اولاد کی تربیت میں ماں کا کردار بہت بنیادی ہوتا ہے، لہذا ہر عورت پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے وہ اپنے رب کو پہچان سکے اوراپنے عقائد کی اصلاح کرسکے اور غلط قسم کے عقائد رسوم ورواج سے محفوظ رہ سکے اوراپنی عبادت، نماز، روزہ، وغیرہ صحیح طریقہ پر ادا کرسکے اور عورتوں کے مخصوص حیض ونفاس اور استحاضہ کے مسائل سے واقف ہو سکے، اس کے برعکس اگر عورت دینی علوم سے واقف نہ ہوگی اوراس کا ذہن دین کے سانچہ میں ڈھلا ہوا نہ ہوگا تو نہ وہ خود اپنی زندگی دینی تقاضوں کے مطابق گذار سکتی ہے اور نہ اپنی اولاد کی صحیح دینی تربیت کرسکتی ہے۔

والدین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو بھی اوراپنی اولاد کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کریں، ارشاد خداوندی ہے یآ یھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً . اے ایمان والو تم اپنے کو اوراپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ نمبر ۲۸)

اور دوزخ کی آگ سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ ان کی دینی تربیت کریں، ضروری دینی علوم سے ان کو واقف کرانے کا پورا انتظام کریں، بچپن ہی سے ان کو نماز کا پابند بنائیں حلال وحرام سے واقف کریں اوراحکام الٰہیہ اور ضروریات دین سے باخبر کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: قوا انفسکم و اھلیکم : الآیۃ اس آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی......لفظ اھلیکم میں اہل وعیال سب داخل ہیں جن میں بیوی، اولاد، غلام، باندیاں سب شامل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام باندیوں کے حکم میں ہوں، ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔ (روح المعانی)

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اوراس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے......الیٰ قولہ......اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل وغافل ہوں (روح) (معارف القرآن ص ۵۰۲،ص ۵۰۳ جلد نمبر ۸ سورۂ تحریم آیت نمبر ۸ پارہ نمبر ۲۸)

آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر اولاد کی تعلیم وتربیت لازم اور ضروری ہے اور اولاد عام ہے لڑکے لڑکیاں سب اولاد میں داخل ہیں، لہذا جس طرح لڑکوں کی تعلیم وتربیت ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم وتربیت

بھی لازم اور ضروری ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصلاح انقلاب میں تعلیم نسواں کے متعلق بہت ہی مفید مضمون بعنوان ''اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسواں'' تحریر فرمایا ہے پورا مضمون قابل مطالعہ ہے (ملاحظہ ہو اصلاح انقلاب ص ۱۹۰ تا ص ۲۰۱) یہ مضمون بہشتی زیور حصہ اول میں بھی اسی عنوان سے ص ۹۵ تا ص ۱۰۷ پر چھپا ہوا ہے۔اس مضمون میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

''غرض عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں کہ بدون علم کے عمل کی تصحیح ممکن نہیں اور عمل کی تصحیح واجب اور فرض پس تحصیل علم دین کا فرض ہونا جیسا اوپر دعویٰ کیا گیا ہے عقلاً بھی ثابت ہوا اور سمعاً فرض ہونا اس سے اوپر بیان کیا گیا ہے تو دونوں طرح تحصیل علم دین فرض ہوا، پس ان لوگوں کا یہ خیال کہ جب عورتوں کو نوکری کرنا نہیں ہے تو ان کی تعلیم کیا ضروری ہے محض غلط ٹھہرا۔الیٰ قولہ۔ یہ بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضرورت دینیہ کے لئے کافی وافی نہیں دووجہ سے اولاً پردہ کے سبب (کہ وہ بھی اہم الواجبات ہے) سب عورتوں کا علماء کے پاس جانا قریباً ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جاوے تو بعض مستورات کو گھر کے ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے لئے سوال کرنے کا کیا اہتمام کریں گے، پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق از بس دشوار ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہوگئی یا کسی کے گھر میں باپ بیٹا بھائی وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں، ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہے تو سب شوہروں کا ایسا ہونا خود عادتاً ناممکن ہے تو ان کی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کرلیا کریں، پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف تعلیم دین دینا واجب ہوا۔'' (اصلاح انقلاب ص ۱۹۴) (بہشتی زیور ص ۹۹ حصہ اول)

مندرجہ بالا حوالوں سے عورتوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، لہذا ان کی تعلیم کی طرف توجہ دینا اور اس کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔

عورتوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر بستی میں مقامی طور پر ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ عورتیں اور لڑکیاں پردہ کے پورے اہتمام کے ساتھ آمدورفت کریں اور ایسی قابل اعتماد رفاقت اختیار کریں کہ وہ بدنامی سے بالکل محفوظ رہیں اور ان کی عصمت و پاکدامنی، عزت و آبرو پر کوئی داغ دھبہ نہ آنے پائے اور شام تک اپنے گھر واپس پہنچ جائیں، ان کے بڑے اور اولیاء بھی ان کی تعلیم اور آمدورفت کی پوری نگرانی کریں، عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا یہ طریقہ انشاء اللہ فتنوں سے محفوظ ہوگا۔

صورت مسئولہ میں آپ نے جو باتیں لکھی ہیں اگر وہ بالکل صحیح ہوں اور لڑکیاں پردہ کے مکمل انتظام اور اہتمام کے ساتھ آمدورفت کرتی ہوں، معلمات بھی صحیح العقیدہ اور قابل اعتماد ہوں تو بہت ہی قابل مدح وستائش اور لائق صد مبارکباد ہے، ہر مسلمان کو اپنی حیثیت کے مطابق اس میں تعاون کرنا چاہئے، لڑکیوں کے ماں باپ بھی اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ پیراستہ کرنے کی فکر اور سعی کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دینی تعلیم پر دنیوی تعلیم کو ترجیح دینے کی مذمت:

(سوال ۶۴) مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ دینی علوم اور اسی طرح دنیوی تعلیم سے بھی بے بہرہ ہے اور اس کا ان کو احساس بھی نہیں ہے اور جن لوگوں کو تعلیمی رغبت ہے ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو دنیوی تعلیم اور بڑی ڈگریوں کے حصول کو اپنی معراج سمجھتے ہیں، اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں اس کے بالمقابل دینی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں اور نہ اس کو کوئی اہتمام ہوتا ہے، برائے نام کچھ دینی تعلیم دلا دی جاتی ہے، آپ سے گذارش ہے کہ دینی تعلیم کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالیں، اور اہل ایمان کی رہنمائی فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، جو باتیں آپ نے سوال میں درج فرمائی ہیں وہ بہت ہی قابل افسوس اور لائق اصلاح ہیں، فی زمانناً یہ صورت حال صرف آپ کے یہاں نہیں ہے بلکہ عام مرض ہے جو ہیضہ اور طاعون کی طرح پھیلا ہوا ہے اور مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ اس مرض میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

یہ صورت حال ہماری نئی نسل کی ایمان کے بقاء اور حفاظت کے لئے بہت ہی خطرناک ہے، مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کی فکر اور اس اہم مسئلہ پر توجہ دینے کی فوری ضرورت ہے اور عملی قدم اٹھانا ہی ہوگا ورنہ ہمارے ملی تشخص کا بقاء اور ہماری نئی نسل کے ایمان کی حفاظت بڑے خطرہ میں پڑ سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی بری حالت اور سنگین نتائج سے پوری ملت اسلامیہ کی حفاظت فرمائیں اور دینی تعلیم کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائیں، آمین بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم۔

جو باتیں سوال میں ہیں وہ حقیقت اور بالکل صحیح ہیں، جب ہم اپنے معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو عام صورت حال یہی نظر آتی ہے کہ بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم برائے نام ہی ہے اور ایک رسم کے طور پر دینی تعلیم دلا دی جاتی ہے، جس قدر فکر اور توجہ دنیوی تعلیم کی طرف ہے اتنی فکر دینی تعلیم کی طرف نہیں ہے، حد تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ کی نوجوان لڑکیاں بھی اسکولوں اور کالجوں میں نظر آتی ہیں جب کہ یہی بچیاں عام طور پر دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہوتی ہیں، نہ قرآن مجید صحیح پڑھنا آتا ہے نہ ضروریات دین سے واقفیت ہوتی ہے ان کی زندگی میں نہ دین ہے نہ دین کی عظمت او رنہ دین پر عمل۔ دنیوی تعلیم میں اس قدر انہماک ہے کہ ایمان اور دین کی بیخ و بنیاد نکلتی جارہی ہے مگر اس کا احساس بھی نہیں، آج تقریباً ہر جگہ مسلمانوں کے معاشرہ کی یہی حالت ہے، مرحوم اکبر الہ آبادی نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

ہم دنیوی تعلیم سے منع نہیں کرتے مگر شکایت اور گلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے طرز عمل سے دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم پر فوقیت اور اہمیت دے رکھی ہے، دنیوی تعلیم غالب اور دینی تعلیم مغلوب ہے اور اس کی شکایت قرآن مجید میں بھی موجود ہے، ارشاد خداوندی: بل تو ثرون الحیوٰة الدنیا والاخرة خیر وابقیٰ. ترجمہ:۔ بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔
''یعنی یہ بھلائی (جس کا بیان اوپر کی آیات میں ہوا) تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و آرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے، پھر تعجب ہے کہ جو چیز کماً و کیفاً ہر طرح افضل ہوا سے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔(سورۂ اعلیٰ، پارہ نمبر ۳۰)

اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں ہر چیز کا تریاق رکھا ہے جو اس کے زہریلے اور خراب اثرات کو ختم کرتا ہے، دنیوی اور عصری تعلیم کے زہر کے لئے قرآن و حدیث دینی تعلیم اور اسلامی تربیت تریاق ہے، اگر ہمارے بچوں نے بنیادی دینی تعلیم ٹھوس طریقہ پر حاصل نہ کی اور اسلامی عقائد اور احکامات کا علم بقدر فرض بھی حاصل نہ کیا اور علماء کرام سے ربط وضبط اور دینی اور تبلیغی کاموں سے وابستگی نہ رکھی تو عصری (دنیوی) تعلیم ہم کو ضلالت اور ہلاکت تک پہنچا کر چھوڑے گی اور دنیا و آخرت میں اس کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑے گا، یہ بات احقر تنہا نہیں کہہ رہا ہے ہمارے اکابر اور سربراہوں نے بھی یہ بات کہی اور لکھی ہے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی کے مجاہد جلیل اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذاہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں، یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے [illegible]ل رہنا ہی اچھا ہے۔(خطبہ صدارت جلسہ افتتاحیہ مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۰ء، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۲۴۲ ج سوم)

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آج کل تعلیم جدید کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں، حالانکہ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے، لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے، جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں بہ استثناء شاذ و نادران کو نہ نماز سے غرض ہے نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس لئے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔(فضل العلم والعمل ص ۸)

سرسید مرحوم لکھتے ہیں ''اسی طرح لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلا دیا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے۔(اسباب بغاوت ہند، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اسی باب ۱۲۳ میں یہ حوالہ تعلیم نسواں کے متعلق کے عنوان سے دیکھو

مسٹر فضل حق وزیر اعظم صوبہ بنگال نے ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل منعقدہ پٹنہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جس قسم کی تعلیم (کالج اور اسکول میں) ان کو دی گئی ہے، دراصل اس نے ان کو نہ دنیا کا رکھا ہے نہ دین کا، اگر ایک مسلمان بچہ نے اونچی سے تعلیم کی ڈگری حاصل کر بھی لی لیکن اس کوشش میں مذہب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کا ڈگریاں حاصل کرنا قوم کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ مفید اس وقت ہو سکتا

ہے جب مسلمان رہ کر ترقی کرے، کیا خوب کہا ہے اکبرالہ آبادی نے۔

فلسفی کہتا ہے کیا پرواہ ہے گر مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں بھائی، یہ گیا تو سب گیا

(مدینہ، اخبار سہ روزہ بجنور ۹۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء رحیمیہ ۳/۱۲۵)

مسلم لیگی اخبار ''منشور'' (دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض ۹ جون ۱۹۴۰ء کے اداریہ میں لکھتے ہیں کہ ''گذشتہ تیس برس سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے تعلیم یافتہ ہیں وہ اسلامی کلچر، اخلاق اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلد ہیں۔

ڈاکٹر ہنٹر کا قول ہے کہ ''ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان، ہندو ہو یا مسلمان، ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔ (مسلمانان ہند ص ۱۴۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۵ ج ۳)

علامہ اقبال مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں ایک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیرازی
کچھ کیفیت مسلم ہندی کی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعزاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا پلٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

یہ ذکر حضور شب یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتوان یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

یہ ہیں عصری (دنیوی انگریزی) اعلیٰ تعلیم کے نتائج جس کا اعتراف ہمارے بڑوں اور قائدین قوم نے کیا ہے، لہٰذا اس کے غلط نتائج سے حفاظت کے لئے ہمیں تدبیر اختیار کرنا ہے اور اچھی طرح اس پر غور کرنا ہے کہ ہماری موجودہ اور آئندہ آنے والی قیامت تک کی نسلوں کے ایمان واعمال کی حفاظت ہو سکے اور دنیا کے ہر خطہ اور ہر علاقہ کے مسلمانوں کو اس کی فکر کرنا ہے اور میری یہ دعوت فکر صرف آپ حضرات کو نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر مسلمان سے ہے، اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ہمارے بچے دینی مذہبی بنیادی ضروری تعلیم پوری طرح حاصل کریں، اسلامی تعلیمات واحکامات کو اور ایمان کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اسلامی تمدن، اسلامی اخلاق اور عادات پر بھی مضبوطی سے قائم رہیں، علماء کرام سے ربط اور دینی وتبلیغی کام سے پوری طرح وابستگی قائم رکھیں، اور اس کے ساتھ عصری تعلیم حاصل کریں تو انشاء اللہ اس کے زہریلے اثرات سے حفاظت ہو سکتی ہے۔

اکبر الہ آبادی نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے ؎

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پے جھولو
بس ایک سخن بندہ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو علم درحقیقت وہی ہے جو انسان کے دل میں اللہ رب العزت کی معرفت اور اس کا خوف وخشیت پیدا کرے، انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور اس کے اندر عجز وتواضع اور اپنی خواہشات اور حرص ختم کرنے کا جذبہ پیدا ہو، قبر اور آخرت کی زندگی کا استحضار حاصل ہو، ایک فارسی شاعر نے اسی حقیقت کو کھولا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت
زنگ گمراہی زدل بزد ایدت
حرص و ہوس ازدلت بیروں کند
خوف وخشیت دردلت افزوں کند

یعنی: علم حقیقت میں وہ ہے جو تمہیں راست راہ دکھائے، گمراہی کے زنگ کو دل سے زائل کردے، حرص و خواہش کو دل سے باہر نکال دے، خوف وخشیت تمہارے دل میں زیادہ کرے اسے علم کہتے ہیں، ایک اور شعر ہے ؎

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

علم دین فقہ، تفسیر وحدیث ہے، جو شخص ان علوم کو چھوڑ کر محض دنیوی تعلیم پر اکتفاء کرے اور اس پر ناز کرے تو ایسا شخص عارف نہیں بلکہ خبیث بنے گا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی: جو علم راہ حق (صراط مستقیم) نہ دکھائے وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔

اپنی اولاد کو اسلامی اور دینی تعلیم دلانا از حد ضروری اور اسلامی فریضہ ہے، قیامت کے دن ہم سے اس کی باز پرس ہوگی، حدیث میں قیامت کے دن باپ سے سوال ہوگا ماذا علمته ' واما ذا ادبته' تم نے اس بچہ کو کیا تعلیم دی تھی اور اس بچہ کو کیا ادب سکھایا تھا؟

بچہ کے سدھرنے اور بگڑنے کی پوری ذمہ داری والدین پر ہے، بچہ بہت اچھی صلاحیت لے کر دنیا میں آتا ہے مگر والدین غلط تربیت سے اس کی صلاحیت کو خراب کر دیتے ہیں، حدیث میں ہے، محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا **ما من مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهود انه او ینصر انه او یمجسانه** ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اس کے اندر دین اسلام اور صحیح طریقہ قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (غلط تعلیم وتربیت سے) اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱)

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے یآ یها الذین امنوا قوا انفسکم واهلیکم ناراً ترجمہ: اے ایمان والوں تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ نمبر ۲۸)

معارف القرآن میں ہے: قوا انفسکم واهلیکم الآیة اس آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی ...... لفظ اھلیکم میں اہل وعیال سب داخل ہیں، جن میں بیوی، اولاد، غلام باندیاں سب شامل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام، باندیوں کے حکم میں ہوں ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہی کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا (روح المعانی)۔ الیٰ قولہ۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے۔ الیٰ قولہ۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل وغافل ہوں (روح)

(معارف القران ص ۵۰۲، ص ۵۰۳ جلد نمبر ۸، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

لہذا ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے کہ خود بھی ضروری دینی علم حاصل کرے اور اس پر عمل پیرا ہو، اور اپنے دل میں دین وشریعت کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اللہ ﷺ کی مبارک اور نورانی سنتوں کا احترام پیدا

کرے اور اس پر سختی سے) عمل کرے، اور سب سے بڑھ کر قرآن مجید سے تعلق پیدا کرے اور اپنی اولاد کو بھی دینی تعلیم قرآن وسنت سے آراستہ پیراستہ کرکے ان کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرے، ماضی میں مسلمان عروج وارتقاء کی جس بلندی پر پہنچے اس کا بنیادی سبب قران اور اسلامی تعلیمات سے بے پناہ لگاؤ تھا اور اس پر سختی سے عمل تھا، قرآن نے مسلمانوں کو جو تعلیمات دی تھیں مسلمان ان پر عمل پیرا تھے، جن راہوں کی طرف رہنمائی کی تھی ان پر چلنے کے لئے بے چین رہتے تھے، ہر معاملہ میں اپنی خواہشات کو پیچھے شرعی احکامات کو مقدم رکھتے تھے، آج بھی ہمارے اندر ایسے ہی بلند جذبات پیدا کرنے کی ضرورت ہے، آج تو ہم درحقیقت برائے نام مسلمان ہیں اسلامی تعلیمات، اسلامی تمدن، اسلامی وضع قطع اور اسلامی اخلاق وتہذیب سے ہم کوسوں دور ہیں اور ہمارا گلہ یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان پریشان ہیں، ان کا کوئی اثر نہیں، دنیا کی قومیں ان کو لقمۂ تر بنائے ہوئے ہیں، اگر ہمارے اندر ایمان کی حقیقت اور ایمانی قوت وحمیت ہو تو انشاء اللہ یہ حالت ختم ہو سکتی ہے، ایمان کامل اور ایمان حقیقی پر ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون ان كنتم مؤمنين O

ترجمہ: اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مؤمن رہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے جواب شکوہ میں اسی کا نقشہ کھینچا ہے۔

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اس لئے اب خواب غفلت سے بیدار ہونے کی سخت ضرورت ہے اور خود کو اور اپنی اولاد کو سچا پکا مسلمان بنانا ضروری ہے صرف اپنے آباواجداد پر فخر کرنا کافی نہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے خوب کہا ہے

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اس لئے اہل ایمان سے بہت واضح الفاظ میں عرض کرتا ہوں کہ ہماری کامیابی کا واحد راستہ صرف یہی ہے کہ قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات سے گہری دلچسپی پیدا کریں اور اپنی اولاد اور مسلمانوں کے بچوں کو بھی دینی علوم سے آراستہ پیراستہ کریں، اس نعمت سے اپنے بچوں کو محروم رکھنا بہت عظیم خسران ہے۔

ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے

لیــس الیتیم الـذی قـد مـات والـده
ان الیتیـم یتیـم الـعـلـم والادب

یعنی: وہ بچہ جس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو صرف وہی یتیم نہیں بلکہ وہ بچہ بھی یتیم ہے جو باپ کے ہوتے ہوئے بھی دینی علوم اور اسلامی ادب سے محروم رہا ہو۔

خلاصۂ کلام!:

ماں باپ پر اولاد کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے خوب اچھے طریقہ سے واقف کریں، صرف رسمی طور پر کچھ ابتدائی دینی تعلیم دلا دینا کافی نہیں بلکہ عصری علوم کی ساتھ دینی اور اسلامی تعلیمات، تہذیب واخلاق سے بھی ان کو آراستہ کیا جائے، یہ ان کا ماں باپ پر بہت بڑا حق ہے جسے پورا کرنا اور اس پر پوری توجہ دینا ہمارا دینی وملی فریضہ ہے اس کے بغیر ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، اسی طرح قوم کے سربراہ اور قائدین پر لازم ہے کہ جگہ جگہ اپنے علاقوں، اپنی بستی، اپنے محلوں میں بھی مدارس اسلامیہ اور مکاتب قرآنیہ قائم کریں اور مسلمانوں کے بچے اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کریں اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے والدین اور اولیاء سے بھی عرض ہے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلم کی پوری نگرانی کریں، بچہ کو پابندی کے ساتھ مدرسہ بھیجیں، بچہ نے سبق یاد کیا یا نہیں اس کی بھی فکر کریں، ہم اسکول کی تعلیم کے لئے کس قدر متفکر رہتے ہیں ہمیں یہ فکر سوار رہتی ہے کہ بچہ اسکول گیا یا نہیں؟ اس نے اسکول کا سبق (لیسن) یاد کیا یا نہیں؟ اسکول لانے لے جانے کا پورا انتظام، بلکہ اسکول کے ساتھ ساتھ ٹیوشن کا بھی انتظام کاش اتنی فکر اور توجہ قرآن مجید، دینی تعلیم کی طرف ہوتی جو ہماری اصل اور بنیادی چیز ہے۔

یاد رکھئے! ہم اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم اور اسلامی آداب وتہذیب سے بہتر کوئی چیز نہیں دے سکتے، اس سے انشاء اللہ ان کی دنیا وآخرت بنے گی، آپ کے انتقال کے بعد ایسے بچے آپ کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں گی۔ حدیث میں ہے ما نحل والدو لده' من نحل افضل من ادب حسن، کسی باپ نے اپنے بچہ کو اچھے ادب سے بہتر کوئی تحفہ اور عطیہ نہیں دیا، ایک اور حدیث میں ہے لان یؤدب الرجل ولده' خیر له' من ان یتصدق بصاع آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ اس سلسلہ کی مزید تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد سوم ص ۱۴۹ تا ص ۱۵۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، ایمان پر استقامت اور صراط مستقیم پر گامزن رکھیں اور پوری ہی نسل کے ایمان کی حفاظت فرمائیں اور ہر ایک کو اپنے اپنے وقت موعود پر حسن خاتمہ نصیب فرمائیں، اپنی رضا عطا فرمائیں اور ہمارے دلوں میں دینی علوم کی عظمت اور اس کی طرف توجہ دینے اور جگہ جگہ مکاتیب قرآنیہ مدارس اسلامیہ قائم کرنے کی توفیق سعید عطا فرمائیں، آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیه واله وسلم تسلیماً کثیراً. فقط واللہ اعلم بالصواب.

علما دین کی ذمہ داریاں:

(سوال ٦٥) علمائے دین کی ذمہ داریاں کیا ہیں، اختصار کے ساتھ بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام على سيد المرسلين و علىٰ اله و صحبه اجمعين ، اما بعد.

مدارس اسلامیہ اسلام کے قلعے ہیں اور اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ عقائد صحیح اور درست ہوسکتے ہیں اور علم ہی کی روشنی میں انسان صحیح اسلامی زندگی گذار سکتا ہے اس کی تمام عبادات معاملات لین دین وغیرہ وغیرہ علم ہی کی روشنی میں صحیح اور سنت کے مطابق ادا ہوسکتے ہیں، تعلیم و تعلم کے فضائل اور اس کی اہمیت اظہر من الشمس ہے، لہذا مدارس اسلامیہ مکاتب قرآنیہ میں جو طلبا حصول علم کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں اور جو معلمین ان کی تعلیم و تربیت میں شب و روز مصرف ہیں، اور مہتمم وغیرہ حضرات یہ سب کے سب سعادت مند اور صد بار قابل مبارکباد ہیں کائنات کی ہر مخلوق ان کے لئے دعا کرتی ہے، ملائکہ طلبۂ علوم کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور بلاشبہ طلبہ اضیاف الرسول (ﷺ) کہلانے کے مستحق ہیں اور معلمین بھی نہایت قابل احترام ہیں جو علم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، الغرض مدارس اسلامیہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس کی اہمیت سے کسی حال میں انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مدارس اور دار العلوم میں امت کا بہت ہی مختصر سا طبقہ پہنچتا ہے اکثریت مدارس کے باہر ہی ہے، لہذا امت کا وہ بہت بڑا طبقہ جو مدارس اور دار العلوم سے کوسوں دور ہے ان کو دین پہنچانے اور احکام و مسائل سے آگاہ کرنے اور ان کی اصلاح کی فکر اور اس کا انتظام بھی ضروری ہے، ان تمام کاموں کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی امت دعوت کو توحید اور دین کی دعوت دینا کس کے ذمہ ہے؟

بلا تکلف اور سیدھا جواب یہی ہے کہ یہ ذمہ داری بھی علماء امت پر ہے العلماء ورثة الانبياء لہذا جس طرح علماء کرام مدارس اسلامیہ اور دار العلوم کے طلباء کی علمی، دینی اصلاح کرتے ہیں اور علم کے زیور سے ان کو آراستہ پیراستہ کرتے ہیں۔ اسی طرح علماء امت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عوام تک دین پہنچانے کا جو راستہ اور طریقہ ہو وہ راستہ اور طریقہ اختیار کر کے عوام کو دین سے اور مسائل سے آگاہ کرتے رہیں اور ان کے دل و دماغ میں دین اور شریعت کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں چاہے وہ وعظ و ارشاد کے ذریعہ ہو یا دعوت و تبلیغ کے ذریعہ، اس اہم اور ضروری کام میں بھی علماء امت کو اپنا وقت لگانا چاہئے۔

مدارس اسلامیہ کے مہتمم حضرات پر بھی لازم ہے کہ وہ دل کھول کر علماء کرام کو اس کام میں حصہ لینے کا موقع فراہم کریں اور پوری بشاشت کے ساتھ ان کو باہر جانے کی اجازت دیں تا کہ علماء کرام کو ان کاموں کے لئے سفر کرنے اور ان میں عملی حصہ لینے میں کسی قسم کی جھجک اور رکاوٹ محسوس نہ ہو اور ان ایام کی تنخواہ بھی جاری رکھیں یہ بھی دین کا بہت اہم کام ہے، اور علماء امت پر ذمہ داری بھی ہی، علماء اس ذمہ داری کو انجام دیں گے تو دین کا یہ شعبہ صحیح طریقہ پر جاری رہے گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آج کل واعظ جہلاء زیادہ نظر آتے ہیں، علماء واعظ بہت کم ہیں تو آپ نے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنایا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم و درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء تعلیم کریں گے؟ اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں اتخذوا رؤساجھا لاً فضلوا واضلوا کہ یہ جہلاء مقتدا و پیشوا شمار ہوں گے لوگ انہیں سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ و تبلیغ کا کام بھی کرنا چاہئے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں؟ اور سننے والا مجمع ہے یا ایک؟ (وعظ العلم والخشیۃ ص ۳۳ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۸۰ ج ۶۔ (جدید ترتیب میں اسی باب کے اندر غیر عالم کا وعظ کہنا، کے عنوان سے دیکھئے ۱۵۶ از مرتب)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جان لو کہ اس دور میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے تعلیم و تبلیغ رشد و ہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہیں، جس بنا پر گنہگار ہیں کہ شہر میں اکثر لوگ نماز کے شرائط واحکام سے ناواقف ہیں تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟

لہذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلّہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے، ایسے ہی ہر ایک گاؤں میں بھی ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے، جو عالم اپنے فرض عین سے فارغ ہو اور فرض کفایہ کی فرصت ہو تو اس پر لازم ہے کہ قرب و جوار کی بستی میں جا کر لوگوں کو دین سکھائے اور شرعی احکام سے واقف کرے، اپنا کھانا ساتھ لے جائے، کسی کا کھانا نہ کھائے کہ وہ مشتبہ ہوتا ہے، قریب و جوار میں کوئی چلا جاوے تو دوسرے سبکدوش ہو جائیں گے، ورنہ عالم و غیر عالم سب پر وبال آئے گا، عالم پر تو اس لئے کہ باہر جا کر جاہلوں کو دین نہ سکھایا اور غیر عالم پر اس لئے کہ دین سیکھنے میں سستی کی، عوام جو شرائط صلوٰۃ سے واقف ہیں ان پر ضروری ہے کہ ناواقف لوگوں کو سکھائیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے کہ وہ جانتے ہیں، ناواقف عوام کو سکھانے کی ان کو کافی فرصت ہوتی ہے، اور یہ لوگ اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں، دوسرے لوگ زراعت، تجارت، ملازمت چھوڑ کر تبلیغ میں جائیں گے تو ان کا کاروبار بند ہو جائے گا، بدنظمی ہو جائے گی جس کے سنبھالنے کے وہ ذمہ دار ہیں، اقتصادی حالت کی درستگی بھی ضروری ہے، علماء کی شان اور ان کا کام یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو کچھ ان تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں کہ علماء وارث انبیاء ہیں۔

(احیاء العلوم ص ۶۶۳ ج ۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۱۹ (جدید ترتیب میں، اسی باب کے اندر مدرسہ کی تعلیم اہم ہے یا تبلیغ کے عنوان، سے دیکھئے ج ۳ ص ۱۴۴ از مرتب)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوریٰ کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات او رشبہات ہیں، مسلمانوں کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمات انجام دینے کے لئے نہیں بنائے گئے بلکہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جنگ روم وروس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز نے دورے کئے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کر کے ترکی کو

بھیجی، اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند میں تعطل رہا (تعلیم بند رہی) اور تنخواہیں دی گئیں۔

شدھی اور سنگھٹن وغیرہ کی نحوستوں کے زمانہ میں ملکانہ راجپوتوں وغیرہ کے علاقہ میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہیں جاری رکھی گئیں، ایسے اوقات میں کام کرنے والے اور حصہ لینے والے بھی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہوسکتے ہیں، اگر ان کے اہل وعیال کی خبر گیری بند ہو جائے گو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہو جائے گا، مذہبی جلسوں اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاس وغیرہ میں علماء اور مدرسین کا شریک ہونا، تدریسی خدمات کو معطل کرنا نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہد ماضیہ سے چلا آتا ہے پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارۂ اسلامیہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۵۲ ص ۳۵۶ ج ۳، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۵ ص ۱۴۶ ج ۳)

ان بزرگوں کی تحریر سے بات بہت واضح ہوگئی، اس لئے اگر کوئی اہم دینی اجلاس ہو جس کا تعلق اسلامی تعلیم اور عوام کی اصلاح سے ہو یا تحفظ شریعت سے ہو ایسی ضرورت کے موقع پر مدارس اسلامیہ کے مہتمم اور ذمہ داران کو اس پر عمل کرنا چاہئے، ذمہ دار اور قابل علماء کو اس میں شرکت کی اجازت دینا چاہئے، اگر تعلیم کے حرج کا اندیشہ ہو تو مدرسین کی تعداد بڑھادی جائے یا ایک دو مدرس زائد رکھے جائیں تاکہ جب کسی مدرس کو اس اہم اور ضروری کام کے لئے جانا پڑے تو ان کی غیر موجودگی میں یہ زائد مدرس ان کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

آج کل تبلیغی، جماعت کا کام بھی ماشاء اللہ بہت پھیل گیا ہے اور عالمی سطح پر یہ کام ہو رہا ہے اور اس سے عوام میں دینی بیداری، دین کا شوق دین کی لئے قربانی کا جذبہ اور آخرت کی فکر پیدا ہو رہی ہے، بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں، عوام تک دین پہنچانے کے لئے یہ بہت وسیع میدان ہے، علماء کو اس کام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ کام دراصل علماء ہی کا ہے، اس لئے علماء کو اس میں حصہ لینا چاہئے، علماء کے حصہ لینے سے اس کام میں اور مضبوطی پیدا ہوگی اور کام صحیح نہج اور اصولوں کے مطابق چلے گا انشاء اللہ، اتنی بڑی جماعت کو علماء ہی سنبھال سکتے ہیں، ورنہ اگر اس میں کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی تو علماء اس کے ذمہ دار ہوں گے، لہذا مہتمم اور مدرسہ کی ذمہ داروں کو چاہئے کہ مدرسین کو اس میں بھی عملی طور پر حصہ لینے کا موقع فراہم کریں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فرمایا......انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے ان کو بعد ہوتا تھا دینی امور (عبادات وغیرہ) اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہو کر ان کے ہاں محض "رسوم" کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک پڑی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی، اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لئے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو "امور دین" کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روح شریعت سے آشنا کرتے تھے۔

سب سے آخر میں جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی تھا تو اس کی حیثیت سے بھی چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی تھی، ان ہی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان "رسوم"

کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی۔

امت محمدی ﷺ بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے، اس کی عبادات تک میں یہ رسمیت آ چکی ہے حتیٰ کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہئے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک "رسم" سی ہی بن گئی ہے۔ لیکن چونکہ سلسلہ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امت کے "علماء" پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبی ﷺ ہیں تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فساد حال کے اصلاح کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں اور اس کا ذریعہ ہے تصحیح نیت، کیونکہ اعمال میں "رسمیت" جب ہی آتی ہے جب کہ ان میں للّٰہیت اور شان عبدیت نہیں رہتی اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رخ صحیح ہو کر اللہ ہی کی طرف پھر جاتا ہے اور "رسمیت" کے بجائے ان میں "حقیقت" پیدا ہو جاتی ہے ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبہ سے ہوگا ہے۔ الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں للّٰہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء امت اور حاملان دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۳، ص ۱۴، ملفوظ نمبر ۱) (مرتب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم)

نیز حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے ہیں:

"ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ۔ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم وذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جاسکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قومی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے، دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام وایمان محض رسمی اور اسمی ہیں اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلۂ کار بنالیتا ہے، لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدانکردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

(حضرت مولانا کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ ودعوت کے سلسلہ کی محنت ومشقت، سفر وہجرت اور ایثار وقربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے، بلکہ دین کے تعلیم و تعلم اور ذکر اللہ کی عادات ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں بہ الفاظ دیگر ان کو صرف "سپاہی" اور "والنٹیر" بننا نہیں ہے بلکہ طالب علم دین اور "اللہ کا یاد کرنے والا بندہ" بھی بننا ہے۔)

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۹، ص ۴۰، ملفوظ نمبر ۳۵۔ مرتب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم۔ ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی)

اللہ تعالیٰ دین اسلام کی اور امت کی ہر طرح حفاظت فرمائیں اور ہم سب کو دین کے ہر شعبہ کو اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ زندہ رکھنے کی توفیق سعید عطا فرمائیں اور دین کی فکر اور امت کا درد نصیب فرمائیں، آمین بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً فقط و اللہ اعلم بالصواب. احقر الا مم سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ' راندیر، ۱۴. ذی قعدة الحرام ۱۴۱۶ھ (۳/۴/۹۶)

بچوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت اور اس کا طریقہ:

(سوال ۶۶) اولاد کی تعلیم و تربیت کی کیا اہمیت ہے؟ کس طرح ان کی تربیت کی جائے کہ ان کی دل و دماغ میں اسلامی تعلیمات بچپن ہی سے رچ بس جائیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس اہم مسئلہ پر تحریر فرمائیں جزاکم اللہ خیر الجزاء فقط، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وھوالموافق۔

ایک عربی شاعر نے بہت اچھا کہا ہے۔

لیس الیتیم الذی قد مات والده'

ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی یتیم صرف وہ بچہ نہیں ہے جس کے والد انتقال ہوگیا ہو (بلکہ) یتیم وہ بھی ہے جو علم وادب سے محروم رہا ہو۔

ہمارے ذہنوں میں صرف یہ بات ہے کہ بچپن میں جس بچہ کے والد کا انتقال ہوگیا ہو وہ بچہ یتیم ہے، مگر شاعر یہ کہتا ہے کہ وہ بچہ بھی یتیم ہے کہ جس کا باپ زندہ ہے مگر وہ بچہ کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ نہیں دیتا اور اس کو علم ادب سے محروم رکھا ہے، بچہ میں نہ نماز کا شوق پیدا ہوا نہ قرآن پاک کی تلاوت کی طرف توجہ پیدا ہوئی، بچہ نہ مدرسہ جاتا ہے نہ دوسرے اسلامی آداب کا اسے علم ہے نہ بڑوں کا ادب واحترام جانتا ہے، تو اس بچہ کے حق میں باپ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، وہ بچہ بھی شاعر کی نظر میں یتیم ہے اس لئے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اور علم دین سکھانا اور اسلامی آداب سے مزین کرنا بہت ضروری ہے اور والدین پر اس کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، جس نے اپنی اولاد کو علم دین سے محروم رکھا اور ان کی دینی تربیت کی طرف توجہ نہیں دی اس نے اپنی اولاد کو دنیا اور آخرت کے بہت بڑے خیر سے محروم رکھا، قیامت میں باپ سے اولاد کے متعلق سوال ہوگا ماذا علمته وما ذا ادبته تم نے بچہ کو کیا تعلیم دی اور کیسا ادب سکھایا؟

قرآن مجید میں ہے۔ یا یھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارة.

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (سورۂ تحریم آیت نمبر ۶، پارہ نمبر ۲۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: لفظ اھلیکم میں اہل وعیال سب داخل

ہیں ..... نوکر چاکر بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں ایک روایت میں ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اپنے کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔ (روح المعانی)

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کوشش کرے..... الیٰ قولہ..... اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل اور غافل ہوں (روح) (معارف القرآن ص ۵۰۲ جلد نمبر ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ بہت اہم ہے اولاد والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم امانت ہوتی ہے والدین کو ان کی تعلیم وتربیت کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہئے۔

اولاد نیک، صالح، اطاعت گذار اور فرمانبردار ہو اس کے لئے مرد پر لازم ہے کہ دیندار پاکباز اور شریف عورت سے نکاح کرے، اسی طرح لڑکی کے والدین پر لازم ہے کہ فاسق فاجر بدچلن لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کریں بلکہ دیندار، متقی پرہیز گار لڑکے سے نکاح کریں۔

نکاح کے بعد حلال اور طیب روزی کا خاص اہتمام کریں، لہٰذا مرد کو چاہئے کہ اپنی آمدنی کے ذرائع کا جائزہ لے، استقرار حمل کے بعد عورت بھی خصوصاً حرام اور مشتبہ روزی سے بچے، اپنے خیالات نہایت پاکیزہ کرے، اخلاق حسنہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے، دین وشریعت کی اتباع کا اہتمام کرے اس کے بعد دوررس اور بہترین نتائج ظاہر ہوتے ہیں اولاد صالح اور نیک پیدا ہوتی ہیں ملاحظہ ہو خطبات حکیم الاسلام ص ۴۵۸ تا ص ۴۶۲ ج ۴۔ نیز تحفۃ الوالد والولد ص ۴۲ تا ص ۴۶ مصنفہ مولانا محمد ابراہیم پالنپوری صاحب۔

اسی طرح زوجین پر لازم ہے کہ بوقت مباشرت دعاؤں کا اہتمام کریں دعاؤں کی برکت سے بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔

صحبت کے وقت مرد وعورت یہ دعا پڑھیں۔

بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا .

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ ہمیں شیطان سے بچانا اور جو اولاد آپ ہم کو عطا فرمائیں اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھنا۔

جب انزال کا وقت ہو تو دل میں یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی نصیباً.

ترجمہ:۔ اے اللہ جو (بچہ) آپ مجھے عنایت فرمائیں اس میں شیطان کا کچھ حصہ مقرر نہ فرما ہر صحبت کے وقت دعاؤں کا اہتمام کریں۔

بچہ کی ولادت کے بعد اسے نہلا دھلا کر سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیں، اس کے بعد تحنیک اور برکت کی دعا کرائیں، تحنیک کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکے تو بچہ کو کسی بزرگ کے پاس لے جائیں کہ وہ بزرگ بچہ کے حق میں صلاح وفلاح کی دعاء کریں، اور کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر بچہ کے تالوں میں مل دیں، کوشش یہ ہو کہ بچہ کے پیٹ میں سب سے پہلے یہی چیز جائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بچوں کو تحنیک اور برکت کی دعاء کرانے کے لئے حضور اکرم ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے، رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات وامراض سے حفاظت کے لئے ساتویں دن لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بال کے ہم وزن چاندی غریبوں کو صدقہ کردیں اور بچہ کے سر پر زعفران لگائیں (یعنی پورے سر پر اتنا زعفران لگائیں جو بچہ کے لئے مضر نہ ہو) اور اسکا (اچھا) نام رکھ دیا جائے۔

حدیث میں ہے: **عن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغلام مرتھن بعقیقته یذبح عنه یوم السابع ویسمیٰ ویحلق رأسه (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۸۳)**

ترجمہ:۔ بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے لہذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈوایا جائے (تفصیل فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۱، ص ۹۲ جلد نمبر ۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(جدید ترتیب میں کتاب العقیقہ میں، بچے کے عقیقے کا شرعی حکم کیا ہے کے عنوان سے دیکھئے ۵۹ ازمرتب)

بچہ کا نام اچھا رکھیں اور اس کو ادب سکھائیں، حدیث میں ہے: **من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه** (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے۔

حدیث میں ہے: تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے **سموا** باسماء الانبیاء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے نام رکھو۔

آج کل نئے نئے نام رکھنے کا شوق ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام، صحابہ، صحابیات اور نیک بندوں، بندیوں کے ناموں میں جو برکت ہے وہ ان نئے نئے ناموں میں کہاں؟ نام کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے، اچھے جذبات اور نیک نیت کے ساتھ صلحاء وصالحات کے نام رکھو، انشاء اللہ برکت اور دینداری پیدا ہوگی۔

جب بچہ سمجھدار اور بڑا ہونے لگے اور اس کی زبان کھل جائے تو سب سے پہلے اس کو کلمۂ طیبہ سکھائیں، اللہ پاک اور مبارک نام اس کے زبان پر جاری کرائیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جس وقت حضور اقدس ﷺ کا دودھ چھڑایا تو یہ کلمات آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے: **اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً سبحان اللہ بکرۃ واصیلاً**، اور یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا (اخرجہ البیہقی عن ابن عباسؓ، کذا فی الخصائص ص ۵۵ ج ۱) بحوالہ سیرت خاتم الانبیاء ص ۱۲، از

حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ)

لہذا اپنے بچوں کو یہ مبارک کلمات بھی سکھائیں اور ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں، ان کو اسلامی آداب سکھائیں، ایک ایک ادب سکھانے پر انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا اور والدین کی طرف سے اپنی اولاد کو اسلامی آداب سکھانا سب سے بہتر اور افضل عطیہ اور تحفہ ہے۔

حدیث میں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نحل والد ولدہ افضل من ادب حسن** . ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بہتر کوئی عطیہ (تحفہ) نہیں دیا (ترمذی شریف ص ۱۷ ج ۲، باب ماجاء فی ادب الولد، ابواب البر والصلۃ)

نیز حدیث میں ہے **عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یؤدب الرجل ولدہ خیر من ان یتصدق بصاع.**

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مرد کا اپنے بچہ کو ادب سکھانا ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین کلو) غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے (ترمذی شریف ص ۱۷ ج ۲ باب ماجاء فی ادب الولد)

اللہ کی رحمت کی قدر کیجئے، آپ اپنے بچہ کو ایک ادب سکھائیں گے اس پر بھی آپ کو اجر و ثواب ملتا ہے۔

مثلاً والدین نے بچہ کو سکھایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، یہ ایک ادب سکھانا ہوا، اور یہ سکھانے پر ساڑھے تین کلو غلہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا، اور جیسے ماں باپ نے بچہ کو سکھایا بیٹھ کر پانی پیا کرو، تین سانس میں پیو، سیدھے ہاتھ سے کھاؤ، ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ، اپنے آگے سے کھاؤ، دستر خوان پر کھانا گر جائے تو اسے اٹھا کر کھالو، برتن صاف کر لیا کرو، بڑوں کو سلام کرو، ان کا ادب کرو، ان کے سامنے زبان درازی نہ کرو، گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرو، وغیرہ وغیرہ ایک ایک ادب سکھانے پر ساڑھے تین کلو غلہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔

اس طرح بچوں کو اسلامی آداب سکھائے جائیں، ہمارا معاشرہ اور ہر مسلمان کے گھر کا ماحول اسی طرح ہونا چاہئے، رہن سہن، کھانے پینے، لباس وغیر ہر چیز میں اسلامی طریقہ اور سنت کو اختیار کرنا چاہئے، بچوں کی تربیت اسی انداز سے کرنا چاہئے، اس کے برعکس آج کل مسلمانوں میں خاص کر انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں غیروں کی نقل کا طریقہ چل پڑا ہے۔ بچوں کی تربیت بھی اسی انداز پر کرتے ہیں جو غیروں میں رائج ہے، آپس میں ملنے جلنے کے وقت جو الفاظ اور اصطلاحات ان کے یہاں رائج ہیں جیسے گڈ مورننگ، گڈ نائٹ وغیرہ وغیرہ وہی الفاظ مسلمان بھی اپنے بچوں کو سکھاتی ہیں، جو لباس غیر اپنے بچوں کو پہناتے ہیں اسی انداز کا لباس مسلمان بھی اپنے بچوں کو پہنانے لگے ہیں خصوصاً جو بچے نرسری میں جاتے ہیں ان کی تربیت عموماً غیر اسلامی طریقہ پر ہوتی ہے، مسلمانوں کو اس پر خاص توجہ دینا چاہئے، ذہنی مرعوبیت ختم کر کے اپنا اسلامی طرز، معاشرہ تمدن اور ملی تشخص قائم رکھنے کا پورا عزم اور اس کے لئے پوری کوشش ہونی چاہئے، اور اپنے بچوں اور نئی نسل کی تربیت انہی بنیادوں پر کرنا چاہئے، جس طرح یہ مسلمان کا انفرادی مسئلہ ہے اجتماعی مسئلہ بھی ہے، لہذا انفرادی طور پر بھی اپنے گھروں کا ماحول اور طرز معاشرت اسلامی طریقہ پر بنانے کی ضرورت ہے، اسی طرح اجتماعی طور پر بھی اس کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

بچوں کا ذہن بہت صاف ستھرا ہوتا ہے ان کی جیسی ذہنی تربیت کی جائے گی اس کے مطابق بچوں کے ذہن

میں وہ باتیں جمتی جائیں گی ، اگر اسلامی انداز پر تربیت کی گئی تو انشاء اللہ وہ بڑا ہو کر بھی اسی انداز پر رہے گا ، اور اگر غیروں کے طریقہ پر اس کی تربیت کی گئی تو وہی طرز زندگی اس کے اندر آئے گی ، اس لئے بچہ کے دیندار بننے اور بگڑنے کی پوری ذمہ داری ماں باپ پر ہے ، حدیث میں ہے **مامن مولد الا یولد علی الفطرة فابواہ یھود انہ او ینصرانہ او یمجسانہ** ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ، ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے ، یعنی دین اسلام ، اور حق بات قبول کرنے کی اس کے اندر پوری صلاحیت ہوتی ہے مگر اس کے والدین (غلط تعلیم و تربیت سے) اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی (عیسائی) بنا دیتے ہیں یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱)

لہذا اگر ہم اپنی اور اپنے اہل وعیال کی آخرت بنانا اور ان کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو غیروں کے طور وطریق چھوڑ کر خود کو بھی سچا پکا مسلمان بنانا ہوگا اور بچوں کو بھی بچپن سے ہی ضروری دینی تعلیم اور اسلامی تہذیب و آداب سے روشناس کرانا ہوگا ، اور اپنا طرز معاشرہ اسلام اور سنت طریقہ کے مطابق بنانا ہوگا اور اپنے گھروں میں بھی سنت طریقوں اور اسلامی طرز زندگی کو اختیار کرنا ہوگا ، نمازوں کی پابندی ، قرآن مجید کی تلاوت اور سیکھنے سکھانے کا ماحول پیدا کرنا ہوگا ، اور صاف بات یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ناچ گانے ، ٹی وی ، وی سی آر ، سے پاک صاف کرنا ہوگا ، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ جس ناچ گانے کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے آج وہی ناچ گانوں کے سامان مسلمانوں کے گھروں میں ہے ، صحیح اور حق بات یہ ہے کہ ٹی وی ، وی سی آر ، اس قدر خطرناک اور نقصان دہ ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی تعلیم اور کوئی تربیت مؤثر نہیں ہوسکتی ، خدارا اپنے گھروں سے اس لعنت کو دور کرو جس نے اسلامی حیا کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے ، کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ گھر میں یہ باپ بیٹی ، ماں بیٹا ، بھائی بہن ایک جگہ بیٹھ کر ٹی وی پر انتہائی فحش اور حیا سوز مناظر دیکھتے ہیں ، بچے بچپن ہی سے جب اس قسم کے مناظر دیکھیں گے تو ان کے اندر حیا پیدا ہوگی یا بے حیائی ؟ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو صحیح بات سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔

حاصل یہ کہ بچوں کی تعلیم و تربیت از حد ضروری ہے اور گھروں کا ماحول سنت طریقہ کے مطابق بنانا ضروری ہے ، غیروں کی نقل کرنے کے بجائے اسلامی طرز زندگی کو اختیار کیا جائے ہم غیروں کے الفاظ اور ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ، اس کے بجائے حضور اکرم ﷺ نے مختلف اوقات اور مختلف احوال کی جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ دعائیں بچوں کو یاد کرانے اور ان پر عمل کروانے کا اہتمام کیا جائے ان دعاؤں میں بڑی برکتیں ہیں اور بہت جامع دعائیں ہیں بچپن ہی سے بچوں کو اگر دعائیں یاد ہو جائیں گی ، اور بچے ان کے پڑھنے کے عادی ہو جائیں گے تو بڑے ہو کر بھی انشاء اللہ وہ اس پر عامل رہیں گے اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہو جائے گا ۔

دعاؤں کے سلسلہ میں مختلف کتابیں علماء نے مرتب فرمائی ہیں ان سے استفادہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دعائیں یہاں نقل کر دی جائیں ، یہ دعائیں اگر والدین اور گھر کے بڑوں کو یاد نہ ہوں تو وہ خود بھی یاد کریں اور بچوں کو بھی یاد کرائیں ، دعاء یاد کرنے کرانے پر ہر ایک کو اجر وثواب ملے گا انشاء اللہ ، اور آپ خود اس کی برکتیں محسوس کریں گے ۔

جب کھانا شروع کرے

بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ.

میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔

اگر شروع میں بسم اللہ بھول گیا تو یاد آنے پر یہ پڑھے

بسم اللہ اولہ' واخرہ

ترجمہ: میں نے اس کے اول وآخر میں اللہ کا نام لیا۔

جب کھانا کھاچکے

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین.

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا۔

دعوت کا کھانا کھانے کے بعد

اللّٰھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی .

اے اللہ جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا، اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔

جب کوئی لباس پہنے

الحمد للہ الذی کسانی کا ماا واری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی .

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔

جب سونے لگے

(۱) اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک.

(۲) اللھم باسمک اموت واحییٰ.

اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے بچانا جس دن کہ آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں۔

اے اللہ تیرا نام لے کر میں مرتا اور جیتا ہوں۔

جب سوکر اٹھے

الحمد للہ الذی احیانا بعدما اماتنا والیہ النشور .

سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخشی اور ہم کو اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

جب بیت الخلاء جائے

اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث.

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہو یا عورت (گندے مرد اور گندی عورتوں یعنی شیاطین سے)

جب بیت الخلاء سے نکلے

غفرانک . الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی .

بخشش چاہتا ہوں، سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھ سے گندگی دور کی اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔

جب گھر میں داخل ہو

اللھم انی اسئالک خیر المولج وخیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا توکلنا .

اے اللہ میں تجھ سے اچھا داخل ہونا اور اچھا باہر جانا مانگتا ہوں، ہم اللہ کا نام لے کر داخل ہوئے اور اللہ کا نام لے کر نکلے اور ہم نے اپنے رب اللہ پر بھروسہ کیا۔

گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام ضرور کرو ، بچوں کو بھی اس کا عادی بناؤ۔

جب گھر سے نکلے

بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ.

میں اللہ کا نام لے کر نکلا میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہوں سے بچانا، اور نیکیوں کی قوت دینا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

مسجد میں داخل ہونے کے وقت کی دعاء

جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے حضور اقدس ﷺ پر درود شریف اور سلام بھیج کر یہ دعا پڑھے۔

اللھم افتح لی ابواب رحمتک.

اے اللہ میرے لئے اپنے رحمت کے دروازے کھولدیجئے۔

مسجد سے نکلنے کی دعاء

اللھم انی اسئالک من فضلک .

اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔

جب کوئی تمہارے ساتھ احسان کرے

جزاک اللہ خیراً.

اللہ تعالیٰ تم کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

جب چھینک آئے تو کہے

الحمد لله.

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

اس کو سن کر دوسرا مسلمان یوں کہے

یرحمک الله.

اللہ تم پر رحم کرے۔

اس کے جواب میں چھینکنے والا یوں کہے

یھدیکم الله ویصلح بالکم.

اللہ تم کو ہدایت پر رکھے اور تمہارا حال سنوارے۔

فائدہ:

جسے چھینک آئی ہو اگر وہ عورت ہو تو جواب دینے والا یرحمکِ اللہ کاف کے زیر کے ساتھ کہے۔
اور اگر چھینکنے والا الحمد للہ نہ کہے تو اس کے لئے یرحمک اللہ کہنا واجب نہیں ہے، اور اگر الحمد للہ کہے تو واجب ہے...... چھینکنے والے کو اگر زکام ہو یا اور کوئی تکلیف ہو جس سے چھینکیں آتی ہی چلی جائیں تو دو تین دفعہ کے بعد جواب دینا ضروری نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۵، ص ۴۰۶ باب العطاس والتثاؤب)

جب کسی بیمار کی عیادت کرے تو اس سے یوں کہے

لا باس طھور انشاء الله.

کچھ حرج نہیں انشاء اللہ یہ بیماری تم کو گناہوں سے پاک کرے گی۔

اور سات مرتبہ اس کے شفایاب ہونے کی یوں دعا کرے

اسأل الله العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک.

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو بڑا ہے، اور بڑے عرش کا مالک ہے کہ تجھے شفا دیوے۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مرتبہ اس دعا کے پڑھنے سے مریض کو شفا ہوگی ہاں اگر اس کی موت کا وقت آ گیا ہو تو دوسری بات ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۵ باب عیادۃ المریض، فصل نمبر ۲)

صبح کے وقت یہ دعا پڑھو

اللھم بک اصبحنا وبک امسینا وبک نحیٰ وبک نموت والیک المصیر.

اے اللہ تیری قدرت سے ہم صبح کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم جیتے ہیں اور تیری طرف جانا ہے۔

شام کے وقت یہ دعا پڑھو

اللھم بک امسینا وبک اصبحنا وبک نحییٰ وبک نموت والیک المصیر.

اے اللہ تیری قدرت سے ہم شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم نے صبح کی اور تیری قدرت سے ہم جیتے ہیں اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔

صبح وشام یہ دعا پڑھو

(۲)بسم اللہ الذی لا یضرمع اسمه شی فی الارض ولا فی السمآء وهو السمیع العلیم.

اللہ کی نام سے (ہم نے صبح کی یا شام کی) جس کے نام کے ساتھ آسمان میں یا زمین میں کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ دعا صبح وشام تین تین مرتبہ پڑھ لینے سے ناگہانی بلا سے حفاظت رہے گی۔ (مشکوۃ ص ۲۰۹)

(۳)رضیت باللہ ربا وبالا سلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیه وسلم نبیا وبالقران اماما وبالکعبة قبلة؟.

راضی ہوں میں اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو نبی ورسول مان کر اور قرآن کو امام مان کر اور کعبۃ اللہ کو قبلہ مان کر۔

صبح وشام یہ وظیفہ پڑھا کریں قبر میں بھی انشاء اللہ یہ وظیفہ کام آئے گا۔ (مجموعہ کمالات عزیزی ص ۲۷)

(۴)اللھم اجرنی من النار.

اے اللہ مجھے دوزخ کی آگ سے بچا۔

فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سات سات مرتبہ پڑھے اگر اس دن یا رات کو مر جائے تو دوزخ سے حفاظت ہوگی۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۱۰)

صبح وشام آیت الکرسی، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، قل ھو اللہ احد تین تین بار پڑھنے کی عادت بنائیں۔ بچوں کو بھی سکھائیں۔

سوار ہونے کی دعا

جب کسی سواری پر سوار ہونے لگے تو بسم اللہ کہہ کر سوار ہو اور جب جانور کی پشت یا سیٹ پر بیٹھ جائے تو

الحمد للہ کہے پھر یہ دعا پڑھے۔

سبحان الذی سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون.

اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور ہم اس کی قدرت کے بغیر اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔

بطور نمونہ چند دعائیں نقل کر دی گئیں، بچے ادھر ادھر کی بیکار چیزوں میں اپنا وقت گذاریں اس کے بجائے گھر میں ان کو بٹھا کر پیار محبت اور شفقت سے یہ دعائیں ان کو سکھائیں، اچھی اچھی کتابوں سے ایسے واقعات سنائیں جس سے ان کے اندر دیندار بننے کا جذبہ پیدا ہو، دین اسلام کی محبت اور اس کے لئے ہر چیز قربان کر دینے کی تمنا پیدا ہو جائے۔

یہ سطریں تحریر کی جارہی تھیں کہ حسن اتفاق سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی قابل قدر باتیں نظر سے گذریں بطور افادہ وہ پیش کی جاتی ہیں فرماتے ہیں۔

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں

اس آیت (**یآیها الذین آمنوا قوا انفسکم واهلیکم نارا**) میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہو جاتی کہ بس اپنے آپ کو آگ سے بچا کر بیٹھ جاؤ اور اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ بس میرا کام ہو گیا بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچانا ضروری ہے، آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دیندار ہے، نمازوں کا اہتمام ہے، صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اللہ کے راستہ میں مال خرچ کر رہا ہے اور جتنے اوامر ونواہی ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کے گھر کو دیکھو اس کی اولاد کو دیکھو، بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے، یہ کہیں جا رہا ہے وہ کہیں جا رہے ہیں، اس کا رخ مشرق کی طرف ہے ان کا مغرب کی طرف ہے، ان میں نہ نماز کی فکر ہے نہ فرائض دینیہ کو بجالانے کا احساس ہے، گناہوں کے سیلاب میں بیوی بچے بہہ رہے ہیں اور یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہوتا ہوں اور با جماعت نماز ادا کرتا ہوں، خوب سمجھ لیں جب اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کی فکر نہ ہو خود انسان کی اپنی نجات نہیں ہو سکتی، انسان یہ کہہ کر جان نہیں بچا سکتا کہ میں تو خود اپنے عمل کا مالک تھا اگر اولاد دوسری طرف جارہی تھی تو میں کیا کرتا، اس لئے کہ ان کو بچانا بھی تمہارے فرائض میں شامل تھا، جب تم نے اس میں کوتاہی کی تو اب آخرت میں تم سے مواخذہ ہوگا۔ الیٰ قولہ۔

آج دین کے علاوہ ہر چیز کی فکر ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی جو مثال دی جاتی ہے کہ ان کا بیٹا کافر رہا وہ اس کو آگ سے نہیں بچا سکے، یہ بات درست نہیں، اسلئے کہ یہ بھی تو دیکھو کہ اس کو انہوں نے راہ راست پر لانے کی نوسو سال تک لگاتار کوشش کی، اس کے باوجود جب راہ راست پر نہیں آیا تو اب ان کے اوپر کوئی مطالبہ اور کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ایک دو مرتبہ کہا اور پھر فارغ ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم نے تو کہہ دیا۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان کو گناہوں سے اس طرح بچاؤ

جس طرح ان کو (دنیا کی) حقیقی آگ سے بچاتے ہو (کسی جگہ آگ لگ جائے تو ہم خود کو اور بچوں کو آگ سے بچانے کی کیسی فکر اور کوشش کرتے ہیں ایسی ہی فکر دوزخ کی آگ سے (جو دنیا کی آگ سے کہیں درجہ بڑھ کر ہے) بچنے اور بچانے کی ہونا چاہئے) اگر اس طرح نہیں بچا رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریضہ ادا نہیں ہو رہا ہے۔ آج تو یہ نظر آ رہا ہے کہ اولاد کے بارے میں ہر چیز کی فکر ہے مثلاً یہ تو فکر ہے کہ بچے کی (دنیوی) تعلیم اچھی ہو، اس کا کیریئر اچھا بنے یہ فکر ہے کہ معاشرہ میں اس کا مقام اچھا ہو، یہ فکر تو ہے کہ اس کی کھانے پینے اور پہننے کا انتظام اچھا ہو جائے لیکن دین کی فکر نہیں۔

تھوڑا سا بے دین ہو گیا

ہمارے ایک جاننے والے تھے جو اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے، دیندار اور تہجد گذار تھے، ان کے لڑکے نے جدید انگریزی تعلیم حاصل کی جس کے نتیجے میں اس کو کہیں اچھی ملازمت مل گئی، ایک دن وہ بڑی خوشی کے ساتھ بتانے لگے کہ ماشاء اللہ ہمارے بیٹے نے اتنا پڑھ لیا اب ان کو ملازمت مل گئی اور معاشرہ میں اس کا بڑا مقام حاصل ہو گیا البتہ تھوڑا سا بے دین تو ہو گیا لیکن معاشرہ میں اس کا کیریر بڑا شاندار بن گیا، اب اندازہ لگایئے کہ ان صاحب نے اس بات کو اس طرح بیان کیا کہ...... وہ بچہ ذرا سا بے دین تو ہو گیا۔ مگر اس کا کیریر شاندار بن گیا۔'' معلوم ہوا کہ یہ دین ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بس ذرا سی گڑبڑ ہو گئی ہے، حالانکہ وہ صاحب خود بڑے دیندار اور تہجد گذار آدمی تھے۔

نئی نسل کی حالت

آج ہمارا یہ حال ہے کہ اور ہر چیز کی فکر ہے مگر دین کی طرف توجہ نہیں، بھائی، اگر یہ دین اتنی ہی ناقابل توجہ چیز تھی تو پھر آپ نے نماز پڑھنے کی اور تہجد گذاری کی، اور مسجدوں میں جانے کی تکلیف کیوں فرمائی؟ آپ نے بھی اپنے بیٹے کی طرح اپنا کیریر بنا لیا ہوتا۔ شروع سے اس بات کی فکر نہیں کہ بچے کو دین کی تعلیم سکھائی جائے، آج یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو ایسی نرسری میں بھیجدیا جاتا ہے جہاں اس کو کتا بلی تو سکھایا جاتا ہے لیکن اللہ کا نام نہیں سکھایا جاتا، دین کی باتیں نہیں سکھائی جاتیں، اس وقت وہ نسل تیار ہو کر ہمارے سامنے آ چکی ہے، اور اس نے زمام اقتدار سنبھال لی ہے زندگی کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں آ گئی ہے جس نے پیدا ہوتے ہی اسکول کالج کی طرف رخ کیا اور ان کے اندر ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کی بھی اہلیت موجود نہیں، نماز پڑھنا نہیں آتا، اگر اس وقت پورے معاشرہ کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو شاید اکثریت ایسے لوگوں کی ملے جو قرآن شریف ناظرہ نہیں پڑھ سکتے، جنہیں نماز صحیح طریقہ سے پڑھنا نہیں آتی...... وجہ اس کی یہ ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ نے یہ فکر تو کی کہ اس کو کون سے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کیا جائے، لیکن دین کی تعلیم کی طرف دھیان اور فکر نہیں الخ۔ (پورا وعظ قابل مطالعہ ہے) (اصلاحی خطبات ص ۲۶، ص ۲۹، ص ۳۰، جلد نمبر ۴)

اس سے اندازہ لگایئے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کس قدر ضروری ہے اس لئے اس اہم فریضہ سے تغافل نہ ہونا چاہئے، آپ خود نمازی ہیں تو بچے کو بھی بچپن سے نماز کا عادی بنایئے، حدیث میں اس کا حکم بھی ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع واضربوھم وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع ، رواہ ابو داؤد.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۸ کتاب الصلوٰۃ)

بچپن میں بچہ کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے، مکاتب قرآنیہ جگہ جگہ قائم کریں جہاں قرآن مجید صحت وتجوید کے ساتھ، نیز طہارت، نماز وغیرہ کے ضروری مسائل، نیز عقائد صحیحہ کی تعلیم کا انتظام ہو۔

اور اس کے ساتھ بچوں کے لئے اچھی صحبت کا اہتمام اور بری صحبت سے اجتناب کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جائے، یہ بہت ہی ضروری ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک شخص کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی، اسی طرح بد بخت کی صحبت تم کو بھی بد بخت بنا دے گی۔ (شیخ سعدیؒ) نیز فرماتے ہیں۔

تاتوانی دور شواز یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں برجاں زند
یار بد برجاں و بر ایماں زند

(ترجمہ): جہاں تک تم سے ہو سکے یار بد یعنی برے دوست سے دور رہو (اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھو) اس لئے کہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے (اس لئے کہ) سانپ کا حملہ تو صرف جان پر ہوتا ہے لیکن برے دوست کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔

اس لئے بچوں کو غلط صحبت اور گندے ماحول سے بچانے کی بھی فکر کی جائے اگر آپ علماء وصلحاء کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں اور رکھنا بھی چاہئے تو اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جایا کریں، بزرگوں سے ان کے لئے دعا کرائیں اور بچوں کو بزرگوں اور علماء کے پاس آمد ورفت کی تعلیم دیں۔

گھر میں غلط قسم کے فحش ناول، رسالوں اور کتابوں کے بجائے مستند دینی رسائل اور کتابیں جمع کی جائیں اور ان کے پڑھنے اور مطالعہ کا ماحول بنایا جائے، ایسی دینی کتابوں اور مضامین، اس طرح بزرگوں کے ملفوظات ومکتوبات کا مطالعہ کرنے سے، پڑھ پڑھ کر سنانے اور ان کی تعلیم کرنے سے گھر والوں کو بڑا فائدہ ہوگا، ممکن ہو تو اس کے لئے کچھ وقت مقرر کر لیا جائے۔ گھر میں انشاء اللہ دینی ماحول بنے گا اور اعمال کی طرف رغبت پیدا ہوگی، بے دینی، ذہنی گمراہی اور بدعملی سے حفاظت رہے گی اور گھر میں قرآن وحدیث اور دینی مضامین کی تعلیم اور مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں نازل ہوں گی، طمانیت اور سکون پیدا ہوگا اور اس کا فائدہ انشاء اللہ بہت جلد محسوس ہوگا۔

بچوں کی تربیت میں بچوں کی نفسیات کا بہت زیادہ لحاظ کیا جائے نہ بہت شدت اختیار کریں نہ بہت نرمی لاڈ اور پیار کا معاملہ کریں موقع کے اعتبار سے سختی بھی مفید ہوتی ہے اور نرمی وشفقت کا موقع ہو تو اس کا بھی اچھا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، علماء نے بچوں کی تربیت کے جو اصول اور طریقے بیان فرمائے ہیں ان کو پیش نظر رکھیں، بہشتی زیور چوتھے حصہ ص ۵۳ تا ص ۵۷ میں ''اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ'' نیز دسویں حصہ ص ۱۷ تا ص ۲۰ میں ''بچوں کی احتیاط کا بیان'' میں بہت عمدہ ہدایتیں بیان فرمائی ہیں، ان کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین بحرمة سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا کثیرا. فقط واللہ اعلم بالصواب ہے۔

ظالم ظلم سے باز نہ آئے تو کیا تدبیر کی جائے:

(سوال ۶۷) ایک ظالم لوگوں پر بہت ہی ظلم کرتا ہے۔ لوگوں کے منع کرنے پر بھی باز نہیں آتا تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسے شخص کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے کہ دونوں میں عداوت دور کرنے اور اتفاق وباہمی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور ایک گروہ ظلم زیادتی پر کمر کس لے تو دوسرے مسلمان خاموش ہو کر تماشہ نہ دیکھیں بلکہ جس کی زیادتی ہو تمام مسلمان متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں یہاں تک کہ ظالم مجبور ہو کر ظلم وزیادتی سے باز آجائے جب یہ باز آجائے تو عدل وانصاف کے تقاضے کو سامنے رکھ کر ان دونوں میں صلح وصفائی اور میل ملاپ کرادو۔ (سورۂ حجرات)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تمہیں نجات نہ ملے گی تاوقت یہ کہ ظالموں کو اپنے ظلم سے باز نہ رکھو، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تم ''امر بالمعروف'' کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح مسخ کردیئے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کردیئے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر ہوئی۔ (۱) اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انصر اخاک ظالماً او مظلوماً، تو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کر'' ظالم ہو یا مظلوم'' سوال کیا گیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کریں گے، مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ظالم کی مدد یہ ہے کہ) اس کو ظلم سے روک دو! (بخاری شریف ج ا ص ۳۳۱ پ ۹ ابواب المظالم والقصاص باب اعن اخاک ظالما او مظلوما۔)

سرراہ مجلس جمانا:

(سوال ۶۸) ایسے راستے پر جہاں مرد وعورت کی آمد ورفت رہتی ہے مجلس جمانا کہ اس سے عورتوں کو آمد ورفت

---

(۱) قال: فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وكان متكئا فقال لا والذی نفسی بيده حتی تاطروهم اطراً رواه الترمذی وابو داؤد وفی روايتی قال كلا واللہ لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتأخذن علی يدی الظالم ولتأطرن علی الحق اطرا ولتقصرنه علی الحق قصراً او ليضربن اللہ بقلوب بعضكم علی بعض ثم ليلعنكم كما لعنهم، مشكوٰة باب الامر بالمعروف الفصل الثانی ص ۴۳۸

میں حرج ہوتا ہے تو اس طرح مجلس جمع کر کے سر راہ بیٹھنا کیسا ہے؟
(الجواب) عورتوں کی گذرگاہ پر مجلس آراستہ کرنا لوگوں کو ایذا پہنچانا ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ایمان کا ایک جزو ہے اور علامت ایمان میں سے ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۱۲ .(۱)
راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کے بجائے خود تکلیف دہ بننا کس قدر برا فعل اور قبیح حرکت ہے۔
آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **لا خیر فی جلوس الطرفات الا لمن ھدی السبیل وردالتحیة وغض البصر واعان علی الحمولة** (مشکوٰۃ ص ۳۹۹ کتاب الاذان باب السلام الفصل الثانی) یعنی راستہ پر بیٹھنا اچھا نہیں مگر اس کے لئے جو راستہ بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ نیچی کرے اور بوجھ اٹھانے میں مددگار بنے!
سیدنا حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ راستوں پر بیٹھنے سے احتیاط برتو! راستہ کو نشست گاہ نہ بناؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہمارے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے (ہماری بیٹھکیں اور نشست گاہ نہیں ہے) ہم یہیں راستوں پر بیٹھ کر اپنی باتیں کیا کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں بیٹھنا ہی ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں ہے تو تمہارا فرض ہے کہ راستہ کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا نیچی نگاہ رکھنا۔ کسی کو تکلیف نہ دینا۔ سلام کا جواب دینا۔ اچھی بات کی ہدایت کرنا۔ بری بات سے روکنا۔ **عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ایا کم والجلوس علی الطرقات فقالوا و مالنا بد انما ھو مجالسنا نتحدث فیه قال فاذا ابیتم الا المجالس فاعطوا الطریق حقھا قالو اوما حق الطریق قال غض البصر و کف الا ذی ورد السلام وامر بالمعروف ونھی عن المنکر !** (بخاری شریف پ ۹ ج ۱ ص ۳۳۳ باب افنیة الدور والجلوس فیھا والجلوس علی الصعدات اور پ ۲۵ ج۲ ص ۹۲۰ کتاب الا ستذان باب یایھا الذی امنوا الخ. صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۲۱۳ باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام)
ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی آسان نہیں اور ان میں کامیاب ہونا ہر کس و ناکس کا کام اور بس کی بات نہیں۔ انؔ میں سے ایک حق غض البصر ہے نگاہیں نیچی رکھنا یعنی اجنبیہ عورت کو نہ دیکھنا۔ دور حاضر میں کون اس کی گارنٹی دے سکتا ہے؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) **ماترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال عن النساء متفق علیه** (مشکوٰۃ ص ۲۶۷ کتاب النکاح الفصل اول) (میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا)

(۲) **واتقوا النسآء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النسآء** (مشکوٰۃ ص ۲۶۷ ایضاً)
(یعنی عورتوں سے احتیاط برتو بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے پھیلا تھا۔

(۳) **عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان** (ایضاً ص ۲۶۸ ایضاً باب النظر الی المخطوبة وبیان العورات الفصل الاول)

---

(۱) الایمان بضع وسبعون شعبة فافضلھا قول لا اله الا اللہ ادنا ھا اماطة الا ذی عن الطریق ، کتاب الا یمان الفصل الاول.)

(عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان ہی کی صورت میں واپس لوٹتی ہے)

(۴) **عن ابن مسعود عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان (ایضاً ص ۲۶۹)** (عورت ستر کی طرح اس کا پردہ رکھنا ضروری ہے) جب وہ باہر نکلتی ہے تب شیطان اس کے انتظار میں رہتا ہے)

(۵) **عن الحسن مرسلاً قال بلغنی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ سلم قال لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیہ (مشکوٰۃ ص ۲۷۰)** (خدا کی لعنت ہے اس پر جو اجنبیہ کو دیکھتا ہے اور اس پر جو دیکھا جاتا ہے)

(۶) العینان تزنیان وزناھما النظر۔ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے ان احادیث پر غور کیجئے اور یاد رکھئے کہ جو کوئی شبہ کی چیز اور تہمت کی جگہ سے بچے گا وہ اپنے دین وآبرو کی حفاظت کر سکے گا اور جو شک کی چیز میں پڑے گا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس کے سامنے آنحضرت ﷺ کے یہ ارشادات ہیں اور جس کے دل میں خوف خداوندی ہے وہ کبھی ایسی جگہ بیٹھنے کو پسند نہ کرے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی قباحتیں ہیں مثلاً راہ گیر سے ہنسی کرنا، مذاق اڑانا، ان کی غیبت کرنا، ان پر غلط شبہات کرنا، ان کے راز فاش کرنا جن کو وہ ناپسند سمجھتے ہیں وغیرہ۔ لہٰذا گذرگاہ پر نشستگاہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ممنوع اور مکروہ ہے۔ (باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۱۳ عینی شرح بخاری پ ۲۲ ج ۲ ص ۲۳۳ باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا والجلوس علی الصعدات) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت خاوند کو ہم بستر نہ ہونے دے:

(سوال ۶۹) اگر عورت اپنے شوہر کو بلا وجہ محض ضد اور بڑائی کی بنا پر ہم بستری نہ کرنے دے۔ ایسی عورت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ ناشزہ اور نافرمان ہے۔ ناشزہ کے لئے قرآن پاک کی تعلیم وہدایت ہے، کہ اولاً نصیحت کرے (نہ سمجھے تو) بستر علیحدہ کردے (پھر بھی نہ سمجھے تو) زدوکوب کرے لیکن نہ اتنا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے اور منہ پر نہ مارے کہ یہ منع ہے (حدیث مذکورہ تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو میاں بیوی کے خاندان میں سے ایک ایک فیصل منتخب کر کے ان سے تصفیہ کرایا جائے (سورۂ نساء) خداء پاک نے مرد کو عورت پر بڑی فضیلت عطا کی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد، عورتوں کے حاکم ہیں۔ (سورہ نسائی)

اور حدیث شریف میں ہے:۔ **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لو کنت آمرا احداً ان یسجد لا حد لا مرت المرأۃ ان ان تسجد لزوجھا (رواہ الترمذی)**

یعنی غیر خدا کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں ضرور عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کریں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۱ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء وما لکل واحد من الحقوق)

خدا تعالیٰ نے شوہر کے بڑے حقوق رکھے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ای الناس اعظم حقا علی المرأۃ عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے۔ آنحضرت

ﷺ نے جواب دیا زوجھا (اللہ اور رسول کے بعد) اس کے خاوند کا حق ہے (بزاز۔حاکم) نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ عورت اللہ کے حق سے خلاصی حاصل نہیں کر سکتی تاوقتیکہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔ (ابن ماجہ)(۱)

حدیث میں ہے کہ جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہو تو نہ اس عورت کی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی (۲)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو جنت حاصل نہ ہوگی جب تک کہ وہ خاوند کا حق ادا نہ کرے گی۔ (طبرانی)

غرض یہ کہ شوہر کے بڑے حق ہیں اور بڑی فضیلت ہے۔ خاوند کی رضامندی بڑی عبادت ہے اور ناراضگی بڑا گناہ ہے۔ عورت مرد کی نافرمانی کرے گی اور تکلیف پہنچائے گی تو وہ غضب الٰہی اور ملائکہ کی لعنت اور حوران جنت کی بددعا کی مستحق بن جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ شوہر نے سونے کے لئے بلایا اور اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے خاوند نے غصہ میں شب گذاری تو صبح تک فرشتے عورت پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (بخاری شریف پ۱۳ ج۱ ص۴۵۹ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ الخ)

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس خاوند نے اپنی بیوی کو بستر پر بلایا اور اس نے انکار کیا تو جب تک مرد راضی نہ ہوگا اللہ تعالیٰ بھی ناراض رہیں گے۔ (مسلم شریف ج ا ص ۴۶۴ باب تحرم امتناعھا فراش زوجھا، عن ابی ہریرۃ) آنحضرت نے فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے کام کے لئے بلائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے پاس پہنچ جائے اگر چہ چولھے پر بیٹھی ہو (ترمذی شریف ج ا ص ۱۳۸ الرضاع والطلاق باب ماجآء فی حق الزوج علی المرأۃ) ایک حدیث میں ہے کہ عورت پر خاوند کا ایک حق یہ ہے کہ وہ اس کی طرف رغب کرے اور وہ اونٹ کی پشت پر ہو تب بھی انکار نہ کرے (مجالس الابرار ۹۸ ص ۵۶۷) غرض کہ عورت پر والدین کی بہ نسبت شوہر کے حقوق زیادہ ہیں۔ خاوند کی دل و جان سے عزت و تعظیم کرے۔ خاوند سے نفرت کرنا، جائز امور میں اس کی اطاعت نہ کرنا۔ ضد اور بڑائی سے ہمبستری سے انکار کرنا، ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر خاوند کے سر سے پیر تک پیپ بہے اور عورت اس کو زبان سے چاٹ بھی لے تب بھی اس نے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا (مجالس الابرار ۹۸ ص ۵۶۶)

اگر خاوند میں کوئی عیب اور خرابی ہو، بدشکل ہو تب بھی نفرت نہ کرے رضاء بالقضاء رہے کہ خدائے وحدہٗ لا شریک نے جو کچھ کیا اچھا کیا ہے (شرح شرعۃ الاسلام) میں ہے کہ اصمعی نامی بزرگ عالم نے جنگل میں ایک نہایت ہی خوبصورت عورت اور بے انتہا بدصورت مرد کو دیکھ کر کہا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تجھ جیسی خوبصورت عورت ایسے بدشکل مرد کے سات بڑی ہنسی خوشی سے رہتی اس نے جواب دیا میں سمجھتی ہوں کہ میرے خاوند نے کوئی نیکی کی ہے جس کے عوض میں اس کو مجھ جیسی حسینہ عورت ملی اور مجھ سے کوئی جرم ہوا ہوگا جس کی سزا اور نحوست میں مجھی ایسا بدصورت شوہر نصیب

---

(۱) (عن عبد اللہ بن أبی اوفی قال لما قدم معاذ من الشام ..... والذی نفس محمد بیدہ لا تؤدی المرأۃ حق ربھا حتی تؤدی حق زوجھا ولو سالھا نفسھا وھی علی قتب لم تمنعہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ص ۱۳۳۔)

(۲) (عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا یقبل لھم صلوۃ ولا یصعد لھم حسنۃ، العبد الأبق حتی یرجع الی موالیہ فیضع یدہ فی ایدیھم والمرأۃ الساخط علیھا زوجھا الخ باب النکاح باب عشرۃ النسآء ومالکل واحد من الحقوق مشکوۃ ص ۲۸۳)

ہوا۔ بہر حال یہ خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس پر میرا رضا مند رہنا ضروری ہے۔ اسی کتاب میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت اپنے بدصورت خاوند سے کہتی تھی کہ میں تم کو بشارت سناتی ہوں کہ ہم دونوں جنت میں جائیں گے۔ شوہر نے کہا تمہیں کیا خبر؟ عورت نے کہا کہ آپ کو بدصورتی میں میرا امتحان ہے، جس پر میں نے صبر کیا اور صبر کرنے والے کا مقام آخرت میں جنت ہے اور میری خوبصورتی میں آپ کی آزمائش ہے آپ نعمت خداوندی کے شکر گذار ہیں، اور شاکر کی جگہ بھی جنت ہے۔ لہذا ہم دونوں جنتی ہوئے۔ (شرح شرعۃ الاسلام ص ۴۳۱)

عورت بد دماغ یا سرکش بن جائے تو خاوند اپنے ہاتھ کی ہتھیلی عورت کے گردن کے نیچے دونوں کندھوں کے درمیانی حصے میں رکھ کر ایھا الرجس الخبیث المخبث اخز من حب وطیب کہے۔

غصہ میں عورت سے ناشائستہ حرکت پر قطع تعلق کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۷۰) شادی کے موقعہ پر عورتوں کے مجمع میں میری عورت نے ڈانس کر کے، مردوں کا لباس پہن کر مجمع کو ہنسایا۔ مجھے پتہ چلا تو اس کو ڈانٹا جس سے وہ ناراض ہوگئی وہ کہتی ہے کہ مجمع میں میری بے عزتی کی۔ اس نے تعلقات قطع کر دیئے۔ اور یہ اس کی قدیم عادت ہے۔ ہر وقت میں اسے مناتا تھا۔ لیکن اب میں نے طے کر لیا ہے کہ جب تک وہ پہل نہ کرے میں بات نہ کروں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ بچے چھوٹے ہیں ان کا بھی اس کو احساس نہیں۔ اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب) بے شک عورت کو اس کی بدکرداری پر تنبیہ کرنے، دھمکانے، مناسب کارروائی کرنے، اور سزا دینے کا شوہر کو حق ہے۔ قرآن میں ہے الرجال قوامون علی النسآء یعنی مرد عورت پر نگران۔ و ...

مجمع میں ناچنا اور مردوں کا لباس پہن کر ڈھونگ کرنا برا کام ہے۔ اس سے توبہ واستغفار کرے۔ "من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه." یعنی کسی شخص کے اسلام کی خوبی میں سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے (حدیث۔ ترمذی شریف رواہ مالک احمد ورواہ ابن ماجہ عن أبی ھریرۃ والترمذی والبیہقی فی شعب الایمان مشکوۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم الفصل الاول ج ص ۴۱۳) حدیث شریف میں ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهین من الرجال بالنسآء. وعن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم. الرجل یلبس لبسة المرءة والمرءة تلبس لبسة الرجل (دونوں حدیثیں ابوداؤد باب فی لباس النساء ج ۲ ص ۵۶۶ میں موجود ہے ابو داؤد شریف ص ۲۱۲ ج ۲) یعنی خدا کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کا لباس پہنیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کا لباس پہنیں (مشکوۃ شریف ص ۳۸۰ باب الترجل الفصل الاول) مالابد منہ میں ہے۔ "مرد را تشبه به زنان، وزناں را تشبه به مرداں و مسلم راتشبه به کفار و فساق حرام است." (ص ۱۳۱) حدیث شریف میں ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی عورت اچھی ہے؟ ارشاد فرمایا۔ وہ جو اپنے شوہر کو پسند آئے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھے۔ اور جب حکم کرے تو اطاعت کرے۔ اور اپنی ذات و مال میں شوہر کی مرضی کے خلاف نہ کرے (بیہقی) اس لئے مزاحاً بھی عورتیں، مردوں کا لباس نہ پہنیں اس سے احتراز لازم ہے شوہر کی

خفگی بے موقعہ نہیں ہے۔ لہذا عورت برانہ مانے البتہ شوہر کو بھی چاہئے کہ اس سے اقرار کرائے کہ ''اب ایسا نہ کروں گی۔'' تو معاف کردے۔ ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ اور میں تم سب کی بہ نسبت اپنی ازواج سے اچھا برتاؤ کرنے والا میں ہوں۔ عن الشعبی مرسلاً خیر کم خیر کم لا هله و انا خیر کم لا هلی ۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ شریف آدمی ہی عورت کی عزت وقدر کرتا ہے۔ اس کی بے عزتی اور اس کے ساتھ ذلت کا برتاؤ وضیع اور کمینہ آدمی کرسکتا ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنه خیر کم خیر کم لاهله وانا خیر کم لا هلی ما اکرم النساء الا کریم والا اھا نهن الا لیم. جامع صغیر ص ۹ ج ۲)(هکذا فی المشکوٰة المصابیح باب عشرة النسآء وما لکل واحد من الحقوق)

لہذا عورت کے قصور سے زائد سزادی ہو تو اس کو منانے میں پیش قدمی کی جائے اس میں شرمانا نہ چاہئے۔ لیکن عورت کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر کو منانے میں پہل کرے کہ شوہر کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو ضرور عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔

ایک حدیث میں ہے اگر شوہر کے سر سے پاؤں تک پیپ بہتا ہو اور عورت اسے چاٹے تب بھی شوہر کا حق ادا نہ ہوگا۔ لہذا عورت شوہر کو منانے راضی کرنے میں سبقت کرے گی تو وہ بڑی فضیلت کی حق دار ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

برادری کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے سے قطع تعلق کا قانون بنانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۱) علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ ایک جگہ ایک برادری ہے اس برادری کی ایک پنچ ہے، اس پنچ کے صدر اور ممبروں نے ایک دنیوی جھگڑے کی وجہ سے برادری کے ایک دیندار پابند شریعت شخص کا بائیکاٹ کیا ہے اور اس سے سلام وکلام بند کر دیا ہے اور اس کی خوشی وغمی میں شرکت ممنوع قرار دی گئی ہے، کیا ان کا یہ فیصلہ صحیح ہے؟ اور برادری والوں کا اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ بائیکاٹ کے خلاف اس برادری کے چند افراد نے اس شخص کے یہاں میت کے موقع پر سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو مدنظر رکھتے ہوئے جنازے میں شرکت کی اس کے بعد برادری کے صدر نے میٹنگ کی اور جن لوگوں نے جنازے میں شرکت کی تھی ان سے کہا کہ تم نے جماعت کے قانون کو کیوں توڑا؟ تم کو معافی نامہ لکھنا ہوگا، کیا ان کا یہ مطالبہ اور معافی نامہ لکھوانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ جماعتی پنچ کو لازم ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی فیصلہ مستند علماء سے تحریری فتویٰ حاصل کئے بغیر نہ کرے، دنیوی معاملات اور خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے مسلمان بھائی بہنوں سے بائیکاٹ کرنا اور ان کو جماعت (برادری) سے خارج کر دینا اور سلام وکلام بند کر دینا جائز نہیں، حرام ہے، حدیث میں ہے حق المسلم خمس، رد السلام، وعیادة المریض، واتباع الجنائز واجابة الدعوة، وتشمیت العاطس بخاری ج ۱ ص ۱۶۶ . (کتاب الجنائز باب الا مر باتباع الجنائز) . یعنی مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا۔ بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا

(یرحمک اللہ) کہنا (بخاری شریف وغیر)اورایک حدیث میں ہے لا یحل لمؤمن ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال مؤ من کے لئے حلال نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق رکھے۔اور ایک حدیث میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں(بخاری شریف کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ج۔ ۱ ص ۲) نیز ایک حدیث میں ہے لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کے درپے آزار نہ ہو وآپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو،اے خدا کے بندو سب بھائی بھائی بن کر رہو۔(بخاری شریف وغیرہ)ایک حدیث میں ہے لا یدخل الجنۃ قاطع قطع رحمی کرنے والا (رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا (بخاری شریف وغیرہ کتاب الادب باب ما ینھی عن التحاسدوا لتدابر الخ ج ۔ ۲ ص ۸۹۶)

بزرگان دین کا ارشاد ہے

وظلم ذی القربیٰ اشد مضارۃ
علی المؤمن قطع الحسام المھند

یعنی: اقارب اور رشتے داروں کا ظلم انسان کے لئے تلوار کے زخموں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں

مباش در پئے آزار وہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کسی کی ایذاءرسانی کے درپے نہ ہو واور جو چاہے کرو ہماری شریعت میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔

جنازے میں شرکت کرنا کوئی گناہ نہیں کہ اس پر مواخذہ ہو اور معافی کا مطالبہ کیا جائے اور معافی منگوائی جائے ،معافی مانگنا جرم کا اقرار کرنا ہے،حدیث میں ہے لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق. اللہ کی نافرمانی کی باتوں میں کسی کی اطاعت نہ ہونی چاہئے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔۲۸ جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ۔

بیوی سے دوسری بیوی کو دیکھتے ہوئے ہم بستر ہونا:

(سوال ۲۷)ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں اور وہ دونوں کو ایک ہی مکان میں رکھتا ہے اور رات کو بھی ایک ہی بستر پر سلاتا ہے اور گاہے ایک سے دوسرے کے دیکھتے ہوئے ہمبستری بھی کرتا ہے تو یہ حرکت کیسی ہے؟ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دوسری بیوی کو دیکھتے ہوئے صحبت کرنا بے حیائی ہے اور دوسری عورت کا دل دکھانا ہے،ایک عورت کو دوسری عورت کا ستر دیکھنا بھی گناہ ہے،لہذا یہ طریقہ واجب الترک ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے وطی زوجتہ بحضرۃ ضرتھا او امتہ یکرہ عند محمد رحمہ اللہ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۱۹ کتاب

الکراھیة)(الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر الیه) فقط و الله اعلم بالصواب.

زنا کی حرمت اوراس کے نقصانات:

(سوال ۷۳) ہمارے یہاں نوجوانوں کی عادت خراب ہوتی جارہی ہے، بہت سے نوجوان بلکہ بعض شادی شدہ بھی زنا میں مبتلا ہیں، اگرچہ سب جانتے ہیں کہ زنا بہت بڑا گناہ ہے مگراس سے اجتناب نہیں کرتے آپ تفصیل سے اس کی وعیدیں اوراس کے نقصانات تحریر فرمائیں، خدا کرے آپ کا فتویٰ ان کی ہدایت کا سبب بن جائے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) شریعت اسلامیہ میں زنا بالکل حرام قرار دیا گیا ہے اور شرک وقتل کے بعد اکبرالکبائر سمجھا گیا ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق ارشاد ہے ولا تقربوا الزنیٰ انه کان وفاحشةً وسآء سبیلاً اورزنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے، اور بری راہ ہے(قرآن مجید پارہ نمبر ۱۵ رکوع نمبر ۳)

اس آیت میں زنا کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں، اول یہ کہ یہ بے حیائی ہے اور انسان میں جب صفت حیا نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے پھراس کے لئے کسی اچھے برے کام کا امتیاز باقی نہیں رہتا، حدیث میں ارشاد ہے اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت جب تیرے اندر حیا باقی نہ رہی تو کسی برائی سے رکاوٹ کا کوئی پردہ نہیں رہا جو چاہو کروگے۔ دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں اوراس کے نتائج بد بعض اوقات پورے خاندان اور پوری قوم کو برباد کر دیتے ہیں، آج دنیا میں قتل و غارتگری جنگ وجدال کے جتنے واقعات رونما ہوتے ہیں، ان میں سے بیشتر کا سبب یہی زنا یا اس کے مبادی (چھیڑ چھاڑ، نظربازی وغیرہ) ہوتے ہیں۔ اسی لئے شریعت نے اس جرم کو تمام جرائم سے اشد قرار دیا ہے، اوراس کی سزا بھی تمام جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے، ارشاد خداوندی ہے۔ الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدة . زانی عورت اور زانی مرد سوان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اوراگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کو سنگسار کرنے کا حکم ہے۔

احادیث میں بھی زنا کے متعلق بہت سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور جہنم میں ایسے لوگوں کی شرم گاہوں سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی کہ اہل جہنم بھی اس سے پریشان ہوں گے اور آگ کے عذاب کے ساتھ ان کی رسوائی جہنم میں بھی ہوتی رہے گی (رواہ البزار عن بریدة۔ مظہری بحوالہ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحبؒ ج۔۵ ص ۴۶۳ ، ص ۴۶۴)(الترغیب والترھیب ج ۴ ص ۳۱۴)

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن الخ زنا کرنے والا زنا کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا، چوری کرنے چوری کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا۔ اور شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مومن نہیں رہتا الخ۔ (مشکوٰة شریف ص ۱۷ کتاب الایمان)

ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں۔ اذا زنی العبد خرج منه الایمان و کان فوقه کا لظلة فاذآ خرج من ذلک العمل رجع الیه الا یمان ۔ یعنی۔ بندہ جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر آ جاتا ہے اور جب اس عمل بد سے فارغ ہو جاتا ہے تب ایمان لوٹ آتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ باب الکبائر)

ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور مجھ کو ایک بہت سخت پہاڑ پر لے گئے اور مجھ سے کہا چڑھو...... الی قولہ...... پھر فرماتے ہیں ثم انطلق بی فاذا انا بقوم اشد انتفاخاً وانتنه ریحاً کان ریحهم المراحیض قلت من هؤلاء قال هو لا ء الزانون فرماتے ہیں پھر مجھ کو آگے لے چلے تو دیکھتا ہوں کہ ایک قوم ہے جن کا بدن بہت پھولا ہوا ہے اور پاخانہ کی بدبو کی طرح ان سے بدبو پھوٹ رہی ہے میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے کہا یہ زانی مرد اور زانی عورتیں ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اذا ظهرا لزنا والربا فی قریة فقد احلوا بانفسهم عذاب الله. جب کسی بستی میں زنا اور سودی لین دین ظاہر ہوتا ہے تو انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیا (یعنی اللہ کے عذاب کا مستحق بنالیا) (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۶)

زنا کی ایک دنیوی مضرت یہ بھی ہے کہ جب کسی قوم میں زنا پھیلتا ہے تو ان پر قحط نازل ہوتا ہے، امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول ما من قوم یظهر فیهم الزنا الا اخذو ابالسنة وما من قوم یظهر فیهم الرشا الا اخذوا بالرعب. یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں بھی زنا پھیلتا ہے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، اور جس قوم میں رشوت خوری شائع ہوتی ہے ان پر مرعوبیت ڈال دی جاتی ہے (یعنی دوسروں کا رعب ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے) (بحوالہ البصائر فی تذکیر العشائر ج ا ص ۸۴۸ عربی مع ترجمہ ناشر کفلیہ ضلع سورت)

اور زنا کا ایک برا نتیجہ یہ بھی ہے کہ زنا سے فقر پیدا ہوتا ہے، بزار نے روایت کی ہے اذا ظهر الزنا ظهر الفقر والمسکنة جب زنا ظاہر ہوتا ہے تو فقر اور مسکنت اس کو گھیر لیتی ہے۔ (بحوالہ البصائر فی تذکیر العشائر ج ا ص ۸۴۸)

حضرت انسؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں المقیم علی الزنا کعابد وثن ، زنا کا عادی بت پرست کی طرح ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۶)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعوا لله نداً وهو خلقک . یعنی کون سا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ فرمایا تو اللہ کے ساتھ شرک کرے حالانکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے، سائل نے دریافت کیا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا ان تقتل ولدک خشیة ان یطعم معک تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا، سائل نے پوچھا پھر کون سا گناہ؟ فرمایا ان تزنی حلیلة جارک تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی والذین لا یدعون مع

اللہ الیھا اخرو ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق والا یزنون ۔ الایۃ یعنی اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کو حق تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے ، (مشکوۃ شریف ص ۱۶ اص ۷ ا باب الکبائر)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زلزلہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: زنا، شراب رقص و سرود (گانا بجانا) لوگوں کا مذاق بن جائیں تو غیرت حق کو بھی جوش آتا ہے، اگر معمولی تنبیہ پر توبہ کرلیں ،تو فبہا ورنہ عمارتیں منہدم ،اور عالیشان تعمیرات خاک کے تودے کردیئے جاتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ کیا زلزلہ عذاب ہے؟ فرمایا مؤمن کے حق میں رحمت اور کافر کے لئے عذاب (معاذ اللہ) (اخبار زلزلہ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰ص ۲۳۴)

زنا کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے نسب برباد ہوتے ہیں اور جو بچے زنا سے پیدا ہوتے ہیں وہ حرامی کہلاتے ہیں ، ان کی صحیح تربیت نہیں ہوتی سماج اور معاشرہ میں ان کو اچھا مقام حاصل نہیں ہوتا ، ولد الزنا کے لقب بد سے ملقب ہوجاتے ہیں۔

نیز زنا کا ایک برا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جس طرح زانی دوسروں کی بہو بیٹیوں کے عصمت دری کرتا ہے اسی طرح زانی کی اولاد اس کے اہل وعیال اور اعزاء کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ پیش آتا ہے، چنانچہ البصائر میں ایک واقعہ ہے۔

’’مدینہ منوہ میں ایک سقہ دیانت میں مشہور تھا، اس کا گذر ایک عورت پر ہوا وہ عورت بھی دیانت میں بہت مشہور تھی عورت نے اس سے پانی مانگا، عورت کا دامن جھکا ہوا تھا، سقہ نے کہا دامن اوپر اٹھالو، پس وہ اس کو اٹھانے کے لئے جھکی تو سقے نے اپنا ہاتھ اس کے سرین پر رکھ دیا، عورت کو بڑا تعجب ہوا کہ ایسے دیندار شخص نے ایسی حرکت کی جس کی دس برس سے کوئی خیانت نہیں سنی گئی تھی، الغرض وہ خاموش ہوگئی ، یہاں تک کہ اس کا شوہر آیا، اس نے شوہر سے کہا کہ آج جو کچھ تم سے وقوع میں آیا ہے مجھ سے بیان کرو۔ شوہر نے کہا کچھ بھی وقوع میں نہیں آیا بجز اس کے کہ میں لکڑیاں چن رہا تھا کہ ایک عربی عورت میرے سامنے آگئی اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے سرین پر رکھ دیا، تب عورت نے کہا لا الہ الا اللہ دستک کے بدلہ دستک اور اگر تم اس سے زیادہ کرتے تو سقہ بھی اس پر زیادتی کرتا (البصائر فی تذکیر العشائر ج ا ص ۸۴۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوجوان لڑکیوں کا کار ڈرائیونگ سیکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۷۴) نوجوان لڑکیوں کا کار ڈرائیونگ سیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نوجوان لڑکیوں کا ڈرائیونگ سیکھنا فی نفسہ مباح ہے مگر سخت ناپسندیدہ ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ بے پردگی اور نامحرم مردوں سے اختلاط اور ان سے سیکھنا نہ پڑتا ہو مگر یہ ناممکن سا ہی ہے کیونکہ ان مراحل کو طے کئے بغیر لائسنس ملنا مشکل ہے، لائسنس کے حصول کے لئے نامحرم مرد سے سیکھنا اس کے پہلو میں بیٹھنا اور اس سے بات چیت کرنے کا موقع یقیناً آئے گا ، بے پردگی گویا لازمی ہے، اور اس کے علاوہ بہت سے مفاسد ہیں، لہذا

عورتوں کو اس سے محفوظ ہی رکھا جائے ،(۱) قرآنی ہدایت تو یہ ہے وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ. تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۲ رکوع نمبر ا سورۂ احزاب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

استاد کی جگہ پر بیٹھنا:

(سوال ۷۵) استاد کی عدم موجودگی میں ان کی جائے نشست پر بیٹھنے میں کوئی قباحت ہے؟ معتبر حوالہ سے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) شاگرد کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ استاد کی جگہ پر بیٹھے چاہے استاد موجود نہ ہوں، ادب واحترام کے خلاف ہے، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے ولا یجلس مکانه ان غاب عنه (ج ۴ ص ۳۲۷ باقی ہے) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

انسانی حقوق:

(سوال ۷۶) آج کل قومی فسادات ہوتے ہیں ایک شخص دوسرے شخص کو بلاقصور ایذا پہنچاتا ہے، موقع ملنے پر مکان دوکان کارخانہ وغیرہ جلا دیتا ہے گا ہے اس کو جان سے بھی مار دیتا ہے، حالانکہ سب ایک انسان کی اولاد ہیں، سب نبی آدم ہیں اس قسم کی حرکتیں کرنا کیسا ہے؟ اس بارے میں اسلام کی کیا تعلیمات ہیں، امید ہے کہ مفصل جواب تحریر فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) تمام انسان ایک ماں باپ یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں، اس اعتبار سے ہر انسان کا دوسرے انسان پر چاہے اس کا تعلق کسی بھی قوم یا مذہب سے ہو یہ حق ہے کہ اس کا احترام کرے اس کی خیر خواہی کا خواہش مند رہے، اپنی طرف سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائے، اس کو اچھی حالت میں دیکھے تو خوشی کا اظہار کرے اس پر تکلیف اور مصیبت آپڑے تو اس کی مدد کرے، اس کے ساتھ بھائی چارگی کا معاملہ کرے یہ انسانیت کا تقاضا ہے، اور انسانیت انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے کسی حال میں بھی خود کو اس جوہر سے محروم کر کے حیوانیت کا روپ اختیار کر لینا انسانیت پر بدنما داغ ہے پھر ایسا شخص انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں رہتا، لہذا محض اس نسبت سے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور ہم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور بھائی کا معاملہ کرنا چاہئے، اسلام نے اس بارے میں بہت واضح ہدایات دی ہیں ہر موقع پر انسانیت کے احترام کا اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی رحم وشفقت کا حکم دیا ہے۔

محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا الناس کلھم بنو ادم وادم من تراب تمام انسان بنی آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہوئے ہیں (رواہ الترمذی وابوداؤد مشکوٰۃ باب المفاجزۃ والعجبیۃ ص ۴۱۸ ترمذی شریف)

---

(۱) لا ترکب مسلمة علی سرج للحدیث هذا لو للتلهی ولو لحاجة غزو أوحج أو مقصد دینی أو دینوی لا بد لها منه فلا بأس به قال فی الشامیه تحت قوله ولو لحاجة عزو الخ ای بشرطه تکون متسرة وان تکون مع زوج أومحرم، درمختار مع الشامی، کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع ج ۶ ص ۴۲۳.

رحمت عالم رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے عن جریر بن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس متفق علیہ حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۱ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق) مذکورہ حدیث میں انسانوں کو ہمدری اور حسن سلوک کا سبق دیا ہے اور ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے سے روکا گیا ہے، اللہ کی مخلوق پر رحم کرنا اور ان سے اچھا سلوک کرنا ایسا عمل ہے کہ اللہ بھی اس پر رحم فرماتے ہیں، حدیث میں ہے۔ عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء، رواہ ابوداؤد والترمذی حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جولوگ انسانوں پر رحم کرتے ہیں خدائے رحمٰن ان پر رحم کرتے ہیں۔ اے لوگو! زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

کرو　مہربانی　تم　اہل　زمین　پر
خدا　مہرباں　ہوگا　عرش　بریں　پر

حدیث میں ہے عن انس وعبد اللّٰہ قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الیٰ عیالہ . یعنی حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اس لئے خدا کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے (مشکوۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۵)

حدث میں ہے عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما اکرم شاب شیخاً من اجل سنہ الا قیض اللّٰہ لہ عند سنہ من یکرمہ رواہ الترمذی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نوجوان کسی بوڑھے شخص کا محض اس کے بڑھاپے کی وجہ سے احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پیرانہ سالی کے وقت ایسے شخص کو پیدا فرمائے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔ (ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲)

یہ ہیں "اسلامی تعلیمات" جس نے انسانیت کو اجاگر کیا ہے اور قوم وملت کے فرق کو مٹا کر محض انسانیت کے ناطے دوسرے شخص کے ساتھ رحم وشفقت اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے، مندرجہ بالا احادیث میں غور کیجئے، سب انسانوں کے ساتھ بھلائی کی تعلیم دی گئی ہے مسلمان ہونے کی تخصیص نہیں۔

گلستان جس میں شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑی قیمتی نصیحتیں اور حکمت کی باتیں بیان فرمائی ہیں اس میں ہے ؎

بنی　آدم　اعضائے　یک　دیگر　ند
کہ　درآفرینش　زیک　جو　ہراند
چو　عضوے　بدرد　آورد　روزگار
دگر　عضو　ہارا　نماند　قرار
تو　کز　محنت　دیگراں　بے　غمی
نشاید　کہ　نا　مت　نہند　آدمی

یعنی آدم کے بیٹے آپس میں اعضاء کے مانند ہیں، کیونکہ ایک جوہر یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے سب کی پیدائش ہے، پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دیگر اعضاء کو بھی کسی طرح قرار (اور چین) نہیں آتا، اے مخاطب اگر تو دوسروں کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو آدمی ہی کہنا زیبا نہیں ہے۔ (گلستان باب اول حکایت ببالین تربت یحیی پیغمبر علیہ السلام الخ)

انسان تو انسان جانوروں پر بھی رحم کرنے سے انسان کو اللہ اجر عظیم عطا فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے

عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال بینما رجل یمشی بطریق اشتد علیه العطش فوجد بئراً فنزل فیها فشرب ثم خرج فاذا کلب یلهث یأ کل الثری من العطش فقال الرجل لقد بلغ هذا الکلب من العطش مثل الذی کان بلغ بی فنزل البئر فملأ خفه ثم امسکه بفیه فسقی الکلب فشکر اللّٰہ فغفر له قالوا یارسول اللّٰہ وان لنا فی البهائم اجراً فقال فی کل ذات کبد رطبة اجر : ۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک شخص راستہ پر چل رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی ایک کنواں دیکھا وہ اس میں اترا اور پانی پی کر کنویں سے نکلا تو ایک کتے کو دیکھا کہ زبان لٹکائے ہوئے ہے شدت پیاس کی وجہ سے مٹی چاٹ رہا ہے، اس نے (اپنے دل میں) کہا پیاس کی وجہ سے اس کتے کی بھی ایسی ہی حالت ہوگئی ہے جیسی میری حالت ہوئی تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھرا پھر موزے کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ نے اس کے عمل کو پسند فرمایا (قدر کی) اور اس کی مغفرت فرمادی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ، کیا جانوروں پر رحم کرنے میں ہم کو اجر ملتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر ذی روح اور جاندار پر رحم کرنے میں اجر ہے (بخاری شریف ص ۸۸۸ ج ۲ باب رحمۃ الناس والبہائم) (نیز بخاری شریف ص ۳۱۸ ج ۱ باب فضل سقی الماء)

جس شخص میں ''انسانیت'' کا قیمتی جوہر ہوتا ہے دنیا میں اس کی قدر ہوتی ہے لوگ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، نیک نامی ہوتی ہے اور انتقال کے بعد بھی اس کا ذکر خیر ہوتا ہے، لہذا ایسی پاکیزہ زندگی گذارنا چاہئے کہ اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے کہ زندگی میں بھی نیک نامی ہو اور انتقال کے بعد بھی لوگ ذکر خیر کریں

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خندہ بودند تو گریاں
آنچناں زی کہ وقت مردن تو
ہمہ گریاں بودند تو خنداں

ترجمہ:۔ تو اس وقت کو یاد رکھ کہ تیری پیدائش کے وقت تمام ہنس رہے تھے (خوش تھے) اور تو رو رہا تھا، تو اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے انتقال کے وقت سب رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسلمانوں کے حقوق اور اس کے مراتب صلہ رحمہ کی اہمیت اور اس سے متعلق چالیس احادیث:

(سوال ۷۷) ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر کیا حق ہے؟ آپس میں کیا سلوک اور کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں، آپ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر کیا حقوق ہیں اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ہدایت فرمائی گئی ہیں اور احادیث مبارک میں بھی مختلف انداز میں یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے، بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وان طآئفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الیٰ امر اللہ فان فآءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ لایحب المقسطین.

ترجمہ:۔ اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلاح کردو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے، تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون.

ترجمہ:۔ مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نسآء من نسآء عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظلمون.

اے ایمان والوں نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے۔ کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے، اور جو ان حرکتوں سے) باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ، واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم.

اے ایمان والوں بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت

کھائے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یآ یھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکر مکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر .(قرآن مجید پارہ نمبر ۲۶ سورۂ حجرات آیت ۹ /۱۰/۱۱/۱۲/۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

احادیث مبارکہ

(۱)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحاسدوا و لا تنا جشوا و لا تبا غضو و لا تدا بروا...... و کونوا عباد اللہ اخوانا المسلم اخو المسلم لا یظلمہ و لا یخذ لہ و لا یحقرہ..... بحسب امرأمن الشران یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و ما لہ و عرضہ (مسلم شریف ص ۳۱۷ ج ۲ کتاب البرو الصلۃ والا دب باب تحریم ظلم المسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آپس میں حسد نہ کرو اور بلا نیت خریداری (دوسرے کو دھوکہ دینے کے لئے) نرخ مت بڑھایا کرو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو کر رہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ذلیل کرے اور نہ اس کو حقیر جانے (اور پھر فرمایا) انسان کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کے لئے مسلمانوں کا سب کچھ حرام ہے اس کا خون بھی مال بھی، آبرو بھی۔

(۲)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقا طعوا و لا تدا بروا و لا تبا غضوا و لا تحا سدوا و کونوا عباد اللہ اخوانا کما امرکم اللہ (مسلم شریف ص ۳۱۶ ج ۲ باب تحریم الظن و التجسس)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ رکھو اور اللہ کے سب بندوں بھائی بھائی بن کر رہو جیسا اللہ نے تم کو حکم دیا۔

(۳)عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایا کم و الظن فان الظن اکذب الحدیث و لا تحسسوا و لا تجسسوا و لا تنا فسوا و لا تحا سدوا و لا تبا غضوا و لا تدا بروا و کونوا عباد اللہ اخوانا (مسلم شریف ص ۳۱۶ ج ۲ باب تحریم الظن و التجسس)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور (دوسروں کے عیوب کی) ٹوہ میں مت لگو نہ جاسوسی کرو نہ تنافس کرو اور آپس میں حسد اور بغض بھی نہ کیا

کرواور نہ ایک دوسرے سے روگردانی کر کے چلواور بندگان خدا آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

(۴)عن ابی هريرة عن النبی صلی اللهعليه وسلم : ومن ستر علی مسلم فی الدنيا ستر اللهعليه فی الدنيا والا خرة و اللهفی عون العبدما كان العبد فی عون اخيه.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جوشخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیاوآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔اور اللہ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

(۵)عن ابی الدر داء قال سمعت رسول اللهصلی اللهعليه وسلم يقول ما من مسلم يردعن عرض اخيه الا كان حقاً علی اللهان يرد عنه نارجهنم يوم القيمة ثم تلا هذه الاية و كان حقاً علينانصر المومنين رواه فی شرح السنة (مشكوٰة ص ۴۲۴ باب الشفقة الرحمة علی الخلق)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جومسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ دورفرمائے گا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی و كان حقاً علينا نصر المؤمنين۔

(۶)عن ابی هريرة قال قال رسول اللهصلی اللهعليه وسلم للمؤمن علی المؤمن ست خصال (۱)يعوده اذا مرض (۲) ويشهده اذا مات و (۳) يجيبه اذا دعاه (۴)ويسلم عليه اذا لقيه (۵)ويشمته اذا عطس (۶) وينصح له اذا غاب او شهد .(مشكوٰة شريف ص ۳۹۷ باب السلام)
(هدايت القرآن ص ۱۰۵ سورهٔ رعد پارہ نمبر ۱۳ دوسری قسط)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) جب بیمار ہوتو اس کی عیادت کرنا (۲) جب انتقال کر جائے تو کفن دفن کے لئے حاضر ہونا (۳) جب دعوت کرے تو قبول کرنا (۴) جب ملاقات ہوتو سلام کرنا (۵) جب اس کو چھینک آئے (اورالحمد اللہ کہے) تو یرحمک اللہ کہہ کر دعادینا (۶) اوراس کی خیرخواہی کرنا خواہ وہ غائب ہو یا حاضر۔

(۷)عن انس قال قال رسول اللهصلی اللهعليه وسلم والذی نفسی بيده لايؤمن عبد حتی يحب لا خيه ما يحب لنفسه .(مشكوٰة شريف ص ۴۲۲)(باب الشفقة والرحمة علی الخلق)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشادفرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مومن کہلانے کے قابل نہیں جب تک کہ اس میں یہ جذبہ پیدا نہ ہوجائے کہ اپنے بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(۸)عن عبد اللهبن عمرو رضی اللهعنه قال قال رسول اللهصلی اللهعليه وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ٗ ويده (بخاری شريف بحواله مشكوة شريف ص ۱۲ كتاب الايمان)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا مسلمان توبس وہی جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء سے) مسلمان محفوظ رہے۔

(۹) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لا حد فافعل ثم قال یا بنی ذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بیٹا اگر تم قدرت رکھتے ہو کہ صبح وشام اس حالت میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی طرف سے کھوٹ (کینہ کپٹ) نہ ہو تو ایسا کرلیا کرو، پھر ارشاد فرمایا یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

دل کی صفائی اور کینہ وکپٹ سے خالی ہونا اتنا اونچا اور عظیم عمل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اہتمام کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی اور اسے اپنی سنت فرمایا اس لئے اس بات کی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ ہر مومن کی طرف سے دل صاف وپاک ہو کینہ کپٹ حسد بغض عداوت بدخواہی نہ ہو۔

مؤمنین کی مثال

(۱۰) عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضواً تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمیٰ، متفق علیه. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقة والرحمة علی الخلق)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سارے مسلمان باہم شفقت و محبت اور رحم کا معاملہ کرنے میں ایک بدن کے مانند ہیں، جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا بدن جاگنے اور بخار چڑھنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

(۱۱) عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون کرجل واحد ان اشتکی عینه اشتکی کله وان اشتکی رأسه اشتکی کله رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام مؤمنین ایک شخص کے مانند ہیں اگر آنکھ دکھے تو سارا بدن دکھتا ہے اور اگر سر دکھے تو سارا بدن دکھے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

مثنوی:۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر ند
کہ در آفرینش زیک جو ہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی آدم کے بیٹے آپس میں اعضاء کے مانند ہیں کیونکہ ایک جوہر یعنی آگ پانی مٹی اور ہوا سے سب کی پیدائش ہے، پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دیگر اعضاء کو بھی کسی طرح قرار اور چین نہیں آتا، اے مخاطب اگر تو دوسروں کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو آدمی ہی کہنا زیبا نہیں ہے۔

(گلستاں، باب اول حکایت بابالین تربت یحییٰ پیغمبر علیہ السلام)

لہذا ایمانی تقاضہ یہ ہے کہ اگر اپنا کوئی مسلمان بھائی کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہے تو دوسرے مسلمان اس کا تعاون کریں اس کے ساتھ ہمدردی وغم خواری کا معاملہ کریں اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کریں، یہی ایمانی تقاضہ اور ایمانی غیرت ہے اور احادیث میں اسی چیز کا ہم سے مطالبہ ہے۔

(۱۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن للمؤمن کالبنیاد یشد بعضہ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کے مانند ہے کہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلیاں دوسری انگلیوں میں داخل کیں (اور تشبیک کر کے سمجھایا)

عمارت کا حال یہ ہے کہ ہر حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اگر ایک حصہ کمزور ہو جائے تو آہستہ آہستہ ساری عمارت کمزور ہو جاتی ہے یا ایک حصہ گر جائے تو پوری عمارت گر جاتی ہے، پس اسی طرح سارے مسلمان مثل ایک دیوار کے ہیں کہ ان میں سے ایک کو تکلیف ہو تو ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کمزوری مجھ ہی کو لاحق ہوئی، پس اس کی اعانت کرے یہاں تک کہ اس کی کمزوری دور ہو کر اس کو قوت حاصل ہو جائے۔

(۱۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم اخوا المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو خود اس پر ظلم کرے اور نہ اسے کسی ظالم کے حوالہ کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پورا کرنے میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں رہتے ہیں۔

(۱۴) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من لا یأمن جارہ بوائقہ، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

(۱۵)عن ابی هريرة رضی اللهعنه قال قال رسول اللهصلی اللهعليه وسلم و اللهلا يؤمن والله لا يؤمن و اللهلا يؤمن قيل من يارسول اللهقال الذی لا يأمن جاره بوائقه، رواه مسلم.(مشکوٰة شريف ص ۴۲۲ باب الشفقة والرحمة علی الخلق)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاواللہ وہ شخص مؤمن نہیں ہے، واللہ وہ شخص مؤمن نہیں ہے، قسم بخداوہ شخص مؤمن نہیں ہے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول کون؟ آپ نے فرمایاوہ شخص جس کے خطرات (شرارتوں) سے اس کے پڑوسی ماموں نہ ہوں۔

(۱۶)عن عبد اللهبن مسعود رضی اللهعنه قال قال رسول اللهصلی اللهعليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر متفق عليه (بخاری ومسلم، مشکوٰة شريف ص ۴۱۱ باب حفظ اللسان والغيبة والشتم)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

(۱۷)عن ابی ايوب الانصاری رضی اللهعنه قال قال رسول اللهصلی اللهعليه وسلم لا يحل للرجل ان يهجر اخاه فوق ثلث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذاوخير هما الذی يبدا بالسلام متفق عليه (بخاری شريف، مسلم شريف مشکوٰة شريف ص ۴۲۷ باب ماينهی من التهاجرو التقاطع)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے کہ دونوں کا آمنا سامنا (ملاقات) ہوتو یہ ادھر کو منہ پھیرے اور وہ ادھر کو منہ پھیرے اور دونوں میں بہتر شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ تین روز سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ کرے یہ مطلقاً نہیں اگر فساق سے بوجہ فسق کے احتراز کرے تو کوئی حرج نہیں یعنی دین کے واسطے دواماً بھی بغض فی اللہ جائز ہے، البتہ دنیاوی معاملات میں کسی سے رنجش رکھنا اس کے تین دن کی حد ہے، اگر احتراز وقار کے واسطے ہو کہ کسی سے تعلق رکھنا شان کے خلاف ہے تو اس میں کبر کا شائبہ ہے۔ (ملفوظات معروف بہ ''کلمۃ الحق''، جلد ہشتم ص ۱۲۷)

(۱۸)عن ابی خراش السلمی انه سمع رسول اللهصلی اللهعليه وسلم يقول من هجر اخاه سنةً فهو كسفك دمه رواه ابو داؤد(مشکوٰة شريف ص ۴۲۸ باب ما ينهیٰ عنه من التهاجر)

حضرت ابوخراش سلمیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے رکھا تو یہ ایسا ہے جیسا اس کا خون کردیا۔

.تفسیر مظہری میں ہے، ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھے گا (یعنی قطع تعلق رکھے گا) وہ اللہ کے سامنے قابیل کے گناہ کا حامل ہو کر جائے گا، سوائے دوزخ میں داخلہ کے اس کو قابیل سے کوئی چیز جدا نہیں کرے گی (یعنی قیامت کے دن وہ قابیل

کا ساتھی ہوگا مگر دوزخ میں وہ قابیل سے الگ ہوگا، کیونکہ قابیل کا عذاب سخت اور طویل ہوگا) (تفسیر مظہری مترجم ص ۴۴۶ ج ۳، سورہ مائدہ پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۹)

ہابیل اور قابیل ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں، قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا یہ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل ہے، ان دونوں کا واقعہ قرآن مجید میں سورہ مائدہ پارہ نمبر ۶ میں بیان کیا گیا ہے، قتل کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن قابیل کو سخت عذاب ہوگا، چنانچہ تفسیر مظہری میں روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے کی گردن پر ہوتا ہے کیونکہ قتل کا دستور سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا ہے، رواہ البخاری وغیرہ.

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمرؓ کا قول لکھا ہے کہ آدم کا قاتل بیٹا (دوسرے) دوزخیوں کے عذاب کا آدھا حصہ صحیح طور پر تقسیم کر کے اپنے لئے لے لے گا (یعنی سارے دوزخیوں کا آدھا عذاب اس پر ہوگا) (تفسیر مظہری ص ۴۴۶ ج ۳)

غور کیجئے کتنی سخت وعید ہے، آج ہم لوگوں کو برسوں گذر جاتے ہیں کہ جن سے اختلاف ہے ان سے ملنے کا نام تک نہیں لیتے اگر کوئی درمیان میں مصالحت کی کوشش کرتا ہے تو اس کو بھی رد کر دیتے ہیں اور ملنے میں عار محسوس کرتے ہیں، حالانکہ اگر قطع تعلق کسی امر شرعی کی وجہ سے نہیں ہے تو تین دن سے زائد مومن بھائی سے قطع تعلق حلال نہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۲ میں بیان ہوا اور ایسے لوگ مغفرت سے بھی محروم رہتے ہیں، حدیث میں ہے:۔

(۱۹) عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یفتح ابواب الجنة یوم الا ثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد لا یشرک باللّٰه الا رجلا کانت بینه وبین اخیه شحناء فیقال انظرو هذین حتیٰ یصطلحا، رواه مسلم. (مشکوٰة شریف ص ۴۲۷، ص ۴۲۸، باب ما ینهیٰ عنه من التها جروا لتقاطع)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو خدا کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو، ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔

(۲۰) عن ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ملعون من ضار مؤمنا او مکر به، رواه الترمذی (مشکوٰة شریف ص ۴۲۸ باب ماینهی عنه من التهاجر)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔

(۲۱) عن واثلة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تظهر الشماتة لاخیک فیر حمه اللّٰه ویبتلیک، رواه الترمذی (مشکوٰة شریف ص ۴۱۴ باب حفظ اللسان والغیبة والشتم)

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی تکلیف پر

خوشی مت ظاہر کرو ممکن ہے خدا پاک اس پر رحم فرمادے اور تجھے اس (تکلیف ومصیبت میں) مبتلا کردے۔

(۲۲)عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوٰۃ قال قلنا بلیٰ ، قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقۃ رواہ ابو دائود والترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸ باب ماینھی عنہ ، من التھاجر والتقاطع واتباع العورات الفصل الثانی)

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزہ صدقہ اور نماز کے درجہ سے بہتر ہے، ہم نے عرض کیا ضرور! ارشاد فرمایا، باہمی تعلقات کی درستگی اور باہمی فساد (دین کو) مونڈنے والا ہے۔

(۲۳)عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصر اخاک ظالماً او مظلوما فقال رجل یا رسول اللہ انصرہ مظلوما فکیف انصرہ ظالماً قال تمنحہ من الظلم فذلک نصرک ایاہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اپنے بھائی کی مدد کر وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کرتا ہوں، ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو ظلم کرنے سے روک دے یہ اس کی مدد ہے۔

(۲۴)قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا (ترمذی شریف ص ۱۴ ج ۲ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔

(۲۵)عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکرم شاب شیخا لسنہ الا قیض اللہ لہ من یکرمہ عند سنہ(ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۳ باب ماجاء فی اجلال الکبیر)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس جوان نے بوڑھے کی اس کی سن (عمر) کی وجہ سے عزت کی تو خدا اس کے بڑھاپے کے وقت ضرور ایسا شخص مقرر کرے گا جو اس کی عزت کرے گا۔

(۲۶)عن علی رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقول ما من مسلم یعود مسلماً غدوۃ الا صلی علیہ سبعون الف مالک حتی یمسی وان عادہ عشیۃ الا صلی علیہ سبعون الف ملک حتی یصبح وکان لہ خریف فی الجنۃ(ترمذی شریف ص ۱۱۶ ج ۱ ابواب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض) (ابو دائود شریف ج ۱ ص ۸۶ کتاب الجنائز باب فی فضل العیادۃ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت (بیمار پرسی) کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کے وقت کسی کی عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اس

کے لئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔

(۲۷)عن ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المسلم اذا عاد اخاہ المسلم لم یزل فی خرفۃ الجنۃ حتیٰ یرجع (رواہ مسلم)(مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۴ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس لوٹنے تک جنت کے چنیدہ میووں میں رہتا ہے (یعنی وہ اس عمل کی وجہ سے جنت اور اس کے پھولوں کا مستحق ہوتا ہے)۔

(۲۸)عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء وعاد اخاہ المسلم محتسبا بوعد من جہنم میسرۃ ستین خریفاً (ای عاما) رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف باب عیادۃ المریض وثواب المریض الفصل الثانی ص ۱۳۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور محض ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرے تو دوزخ سے ساٹھ برس کی مسافت دور کردیا جاتا ہے۔

(۲۹)عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عاد مریضاً او زار اخا لہ فی اللہ ناداہ مناد ان طبت وطاب ممشاک وتبوأت من الجنۃ منزلا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲، ص ۲۳ باب ماجاء فی زیارۃ الاخوان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اپنے بھائی کی زیارت کی محض اللہ کے واسطے تو آسمان سے ایک منادی ندا دیتا ہے تو نے اچھا کام کیا اور تیرا چلنا بہت اچھا ہے اور تو نے اپنے لئے جنت میں مکان بنالیا۔

نمونہ کے طور پر چند احادیث نقل کی گئیں ان کا تعلق عام مسلمانوں کے حقوق سے ہے، قرابت اور رشتہ داری کا معاملہ اس سے اہم ہے، صلہ رحمی یعنی اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا میل محبت سے پیش آنا، بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، خاندان میں میل محبت رزق میں برکت کا سبب ہے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کی بہت تاکید آئی ہے قرآن مجید میں ہے۔

(۱)وات ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربہ کفوراً (قرآن مجید پارہ نمبر ۱۵ سورہ بنی اسرئیل آیت نمبر ۲۵، ۲۶)

اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج و مسافر کو بھی دیتے رہنا، اور (مال) بے موقع مت اڑانا، (کیونکہ) بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

یعنی قرابت والوں کے مالی واخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو محتاج و مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقعہ مت اڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے، یا مباحات میں بے سوچ سمجھے اتنا خرچ کردے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے (فوائد عثمانی از مفسر قرآن علامہ شبیر احمد

عثمانیؒ پ۱۵)

(۲)واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل و ما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً۔ (قرآن مجید پارہ نمبر ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۳۶)

اورتم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرواوراس کے ساتھ کسی چیز کوشریک مت کرو،اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرواوراہل قرابت کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی جوتمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جواپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔

(۳)فات ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ذلک خیر للذین یریدون وجہ اللہ واولئک ھم المفلحون (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۱ سورۂ روم آیت نمبر ۳۸)

پھر قرابت دارکواس کا حق دیا کرواور مسکین اور مسافر کو بھی،یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۴) یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم۔ (قرآن مجید پارہ نمبر ۲ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۱۵)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں آپ فرمادیجئے کہ جو کچھ مال تم کوصرف کرنا ہوسو ماں باپ کا حق ہے،اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اورمحتاجوں کا اور مسافروں کا،اور جو نیک کام کروگے سو اللہ تعالیٰ کواس کی خوب خبر ہے۔(وہ اس پرثواب دیں گے)

(۵)ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔(قرآن مجید پارہ نمبر ۱۴ سورہ نحل آیت نمبر ۸۹)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اورظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کواس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

فوائد عثمانی میں ہے،اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے جوتعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اوران کے ساتھ مروت واحسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے،صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جواقارب اورذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے۔(فوائد عثمانی پ۱۴سورۂ نحل)

احادیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے

(۱)عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... ان صلۃ الرحم محبۃ فی الاھل مثراۃ فی المال منساۃ فی الاثر رواہ الترمذی(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ ،

ترمذی شریف ج۲ ص ۱۹ باب ماجاء فی تعلیم النسب)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا...... رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خاندان میں محبت مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے ۔

(۲)عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ.(متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹ باب البرو الصلۃ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جوشخص روزی میں وسعت اور عمر میں برکت چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی (نیک سلوک) کرے۔

(۳)عن عبدالرحمن بن عوف قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطع بتتہ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۳ باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم)مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البرو الصلۃ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے ۔آپ فرماتے ہیں : کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اللہ ہوں اور میں ہی رحمان ہوں ، میں نے رشتہ پیدا کیا اور اپنے نام سے اس کا نام نکالا پس جس نے اس کو جوڑا میں نے اس سے تعلق جوڑا اور جس نے اس سے قطع کیا میں نے اس سے رحمت کا تعلق ختم کیا۔

(۴)عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ید خل الجنۃ قاطع ، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ)

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(۵)عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تنزل الرحمۃ علیٰ قومہ فیہ قاطع رحم (ای یسا عدونہ ولا ینکرون علیہ) رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البرو الصلۃ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جس قوم میں قطع رحمی کرنے والا ہو (اور قوم اس کا تعاون کرتی ہو ، اس پر نکیر نہ کرتی ہو) اس قوم (جماعت) پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی ۔

(۶) عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ذنب احری ان یعجل اللہ لصاحبہ العقوبۃ فی الدنیا مع ما ید خر لہ فی الا خرۃ من البغی وقطیعۃ الرحم رواہ الترمذی وابو داو د، مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ)

حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ظلم اور قطع رحم سے زیادہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کے مرتکب کو جلد دنیا ہی میں سزا دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی عذاب کا ذخیرہ اس کے لئے رکھا جاتا ہے۔

(۷)روی البیهقی عن عائشة رضی اللہ عنها ...... فقال هذه اللیلة لیلة النصف من شعبان ولله فیها عتقاء من النار بعدد شعر غنم کلب لا ینظر اللہ فیها الی مشرک ولا الی مشاحن ولا الی قاطع رحم ولا الی مسبل ازار والا الی عاق والدیه ولا الی مد من خمر (بحواله الجواهر الزواهر مئر جم ص ۵۸۰ جلد نمبر ۱ بیسیویں بصیرت ماثبت بالسنة ص ۲۰۲ ، فضائل الایام والشهور ص ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے...... (حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل آئے)اور کہا آج شب برأت ہے اوراس رات میں بنوکلب کے بکریوں کے صوف اور بالوں کی مقدار خدا کی رہائی دیئے ہوئے دوزخی چھوٹیں گے البتہ جومشرک ہوگا اور جو کینہ ور ہوگا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور ٹخنہ سے نیچا کپڑ الٹکا ہوا پہنے گا اور جووالدین کا نافرمان ہوگا اور جوشراب خوری کا خوگر ہوگا اس کی طرف نگاہ رحمت نہ فرمائے گا۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ صلہ رحمی کے بدلہ میں صلہ رحمی کرنا، یہ کامل صلہ رحمی نہیں ہے یہ تو "بدلہ" ہے حقیقی اور کامل صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔حدیث میں ہے۔

(۸)عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها ،رواه البخاری (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹) (تفسیر هدایت القرآن ص ۱۰۳ سوره رعد پاره نمبر ۱۳ قسط نمبر ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کامل صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو احسان ے بدلہ میں احسان کرتا ہے، کامل صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے جو اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تب وہ صلہ رحمی کرے۔

(۹)صل من قطعک واحسن الیٰ من اساء الیک وقل الحق ولو علی نفسک (جامع الصغیر للعلامة سیوطیؒ ص ۲۷ ج ۲ حرف الصاد)

جوتم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جوتمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس سے حسن سلوک کرو اور سچ بولو اگر چہ تمہارے خلاف ہو۔

(۱۰)عن ابی هریرة ان رجلاً قال یارسول اللہ ان لی قرابةً اصلهم ویقطعونی واحسن الیهم ویسیئون الی واحلم عنهم ویجهلون علی فقال لئن کنت کما قلت فکا نما تسفهم المل ولا یزال معک من اللہ ظهیر ما دمت علیٰ ذلک رواه مسلم .(مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹ باب البر والصلة)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے رشتہ داروں کا یہ حال ہے کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم کا برتاؤ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت برتتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کو ریت پھنکا رہے ہو اور جب تک تمہارے

یہ حالت رہے گی تمہارے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے ان سے مقابلہ کی لئے فرشتہ مددگار رہے گا۔

(۱۱) عن سعید بن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کبیر الاخوۃ علی صغیرھم حق الوالد علی ولدہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۱، باب البر والصلۃ، آخری حدیث)

حضرت سعید بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر ایسا ہے جیسا کہ باپ کا اپنی اولاد پر حق ہے۔

الحمدللہ چالیس حدیثیں بھی جمع ہو گئیں، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں غور وفکر کیا جائے اور خود بھی عمل کی کوشش کی جائے دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دی جائے، اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وبال الٰہی کے اسباب اور ان کا علاج:

(سوال ۷۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ مسلمان آج کل پریشان ہیں مصائب اور آلام آرہے ہیں، فسادات کا سلسلہ جاری ہے، اس کی صحیح وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ اور اس کا کیا علاج ہے، ہماری رہنمائی فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی صحیح وجہ ہماری بداعتقادی، بداعمالی، گناہوں کی کثرت بزدلی، دنیا کی محبت، قانون اسلام اور سنت رسول اللہ ﷺ سے انحراف اور خود ساختہ رسومات کی پابندی، دینی ودنیوی کمزوری، ظاہر وباطنی کوتاہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پامالی ہوسکتی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (ترجمہ) اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہونچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو درگذر کردیتا ہے (قرآن مجید سورۂ شوریٰ پارہ نمبر ۲۵) دوسری جگہ پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ظھر الفساد فی البر والبحر. بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون.

ترجمہ:۔ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجاویں (قرآن مجید پ ۲۱ سورۂ روم)

بعض گناہوں کے مخصوص اثرات:

ویسے تو عام طور پر ہر گناہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور مصائب وحوادث کا سبب ہے مگر بعض گناہ کے ارتکاب سے بعض مخصوص نتائج برآمد ہوتے ہیں اور ان گناہوں سے بعض مخصوص مصائب نازل ہوتے ہیں۔

جزاء الاعمال میں ہے:

(۳) ناحق فیصلہ کرنے اور عہد شکنی کرنے پر دشمن مسلط کردیا جاتا ہے (۴) ناپ تول میں کمی کرنے سے قحط، تنگی اور حکام کے ظلم میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (۵) خیانت کرنے سے دشمن کا رعب ڈال دیا جاتا ہے (۶) دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کرنے پر بزدلی پیدا ہوتی ہے اور دشمن کے دل سے رعب دور کردیا جاتا ہے (جزاء الاعمال)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خداﷺ نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کفار ایک دوسرے کو ممالک اسلامیہ پر قابض ہونے کے لئے اس طرح مدعو کریں گے جیسے کہ دستر خوان پر کھانے کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا نہیں، بلکہ اس وقت تم کثرت سے ہوگے لیکن بالکل ایسے جیسے پانی کے رو کے سامنے خس و خاشاک اور تمہارا رعب دشمنوں کے دل سے اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں سستی پڑ جائے گی، ایک صحابی نے عرض کیا حضور! سستی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو دوست رکھو گے اور موت سے خوف کرو گے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۹ باب تغیر الناس، ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۴۲)

دشمن کے دل میں رعب پیدا ہونا اللہ کا بڑا انعام ہے، شریعت اور سنتوں پر عمل کرنے روحانی و ظاہری قوت ہے یہ صفت حاصل ہوتی ہے، حدیث میں ہے: من حفظ سنتی اکرمه اللہ باربع خصال المحبة فی قلوب البررة والهيبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدين. یعنی جس نے میری سنت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرے گا (۲) فاجر اور بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا۔ (۳) رزق فراخ کر دے گا (۴) دین میں پختگی نصیب فرمائے گا (شرح شرعۃ الاسلام ص ۸ سید علی زادہ)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر عام عذاب:

قرآن مجید میں ہے واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصةً: اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں (قرآن مجید پارہ نمبر ۹ سورۂ انفال)

تفسیر معارف القرآن میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم و گناہ کو اپنے ماحول میں قائم نہ رہنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم و گناہ دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے اس کو منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دیں گے جس سے نہ گنہگار بچیں گے نہ بے گناہ...... الی قولہ...... امام بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و صدیقہ عائشہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے۔ جب تک کہ ایسی صورت پیدا نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔

اور ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے[۱] کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کر دیں (معارف القرآن ص ۲۱۲ ج ۴)

---

(۱) عن ابی بکر الصديق انه قال يا يها الناس انكم تقرؤن هذه الآية: يا يها الذين امنوا عليكم انفسكم لا يضركم من ضل اذا اهتديتم وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يقول: ان الناس اذا رأوا الظالم فلم ياخذوا على يديه او شك ان يعمهم اللہ بعقاب منه، ابواب الفتن باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم يغير المنكر. ج ۲ ص ۳۹

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن حذیفة رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیو شکن اللہ ان یبعث علیکم عذاباً من عنده ثم لتدعنه ولا یستجاب لکم، رواه الترمذی. حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بھلائی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے اور پھر تم خدا سے دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ ہو (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶ باب الامر بالمعروف فصل نمبر ۲)

فتاوی رحیمیہ میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زلزلہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ زنا، شراب، رقص و سرود (گانا بجانا) لوگوں کا مذاق بن جائیں تو غیرت حق کو بھی جوش آتا ہے، اگر معمولی تنبیہ پر توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ عمارتیں منہدم اور عالی شان تعمیرات خاک کے تودے کردیئے جاتے ہیں (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۴ ج ۱۰)

ہم اپنی زندگی، اپنے گھر اور مسلمانوں کے معاشرہ پر نظر ڈالیں گے تو یہ سب گناہ اور برائیاں ہمیں نظر آئیں گے، نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں، مرد اگر نماز پڑھ لیتے ہیں تو عموماً عورتیں بے نمازی ہیں، شعائر اسلام کی کوئی عظمت نہیں قسمہا قسم کے گناہ ہمارے اندر ہیں، عورتوں میں بے حیائی اور بے پردگی اپنی انتہا پر ہے، یہ سب گناہ اور برائیاں کیا کم تھیں کہ ٹی وی، وی سی آر جیسے حیا اور ایمان سوز معصیت کا ارتکاب فخریہ کیا جارہا ہے، اعاذنا اللہ منها حالانکہ ناچ گانے پر بڑی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فی هذه الامة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمین یا رسول اللہ ومتی ذلک قال اذا ظهرت القیان والمعازف وشربت الخمور یعنی حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب گانے والیوں اور باجوں کا عام رواج ہوجائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی (ترمذی شریف ابواب الفتن باب ماجآء فی اشراط الساعۃ ج ۲ ص ۴۴)

مسند ابن ابی الدنیا میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اخیر زمانہ میں اس امت میں سے ایک قوم بندر اور خنزیر بن جائے گی، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے ہوں گے؟ فرمایا کیوں نہیں حضرات صحابہ نے عرض کیا پھر اس سزا کی کیا وجہ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ باجہ بجانے اور گانے کا پیشہ اختیار کریں گے۔ (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۵ ج ۲)

ہمارے زمانہ کی جو حالت ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے اس کے چند اشعار یاد ہیں جو پیش کئے جارہے ہیں۔

خبر حدیثوں میں جس کی آئی
وہی زمانہ اب آرہا ہے

زمیں بھی تیور بدل رہی ہے
فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں
حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کریں اور کمال سمجھیں
بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
بھائی کا بھائی ہے گارہزن
حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن
بہن کو بھائی ستارہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں
سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے
نماز کس کو پڑھا رہا ہے

اللہ جل شانہٗ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے انحراف واعراض بہت خطرناک اور موجب غضب خداوندی ہے، اگلی امتوں کی نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل کئے قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: **فکلا اخذ نا بذنبه فمنهم من ارسلنا علیه حاصباً ومنهم من اخذنته الصیحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اعرقنا وما کان اللّٰه لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون.** ترجمہ: تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبایا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعض کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے (قرآن مجید، پارہ نمبر ۲۰ سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۰)

اس آیت میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت اور سبق ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی پر ان قوموں کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے ہماری حفاظت فرمائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے اطاعت گذار بندے بن جائیں اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔

مسلمان ان حالات میں کیا کریں:

(۱) تمام مصائب اور پریشانیوں اور ہر قسم کے حوادث اور آفات کا اصلی علاج یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع کیا جائے، صدق دل سے اپنے پچھلے گناہوں سے استغفار اور آئندہ ان سے پرہیز کرنے کا پختہ ارادہ

کریں اور اللہ تعالیٰ ہی سے رفع مصائب کی دعا کریں، پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام کریں، ہر شخص اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے گھر میں کوئی فرد بھی بے نمازی نہ رہے، مرد مساجد میں نماز باجماعت کا اہتمام کریں، اور عورتیں گھروں میں پورے اہتمام سے نماز ادا کریں، بچوں کو بھی نماز کی تاکید کی جائے، ارشاد خداوندی ہے۔ یآیھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصبرین. اے ایمان والوں مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (قرآن مجید، سورۂ بقرہ، پارہ نمبر۲)

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

انتم فی غفلۃ کیلۃ عن الحق سبحانہ تعالیٰ علیکم بالیقظۃ لہ علیکم بالزوم المساجد وکثرۃ الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لو نزل من السماء نار لما نجا منھا الا اھل المساجد اذا توانیتم فی الصلوٰۃ انقطعت صلاتکم بالحق عزو جل ولھذآ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرب ما یکون العبد من ربہ اذا کان ساجداً.(الفتح الربانی ص ۱۸، مجلس نمبر ۲)

ترجمہ:۔ تم حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے پوری غفلت میں ہو، اس کے لئے بیدار ہوجانے کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور مسجدوں سے تعلق قائم کرنے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر بکثرت درود بھیجنے کو ضروری خیال کرو، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر آسمان سے آگ نازل ہو تو اس سے کوئی نجات نہ پاوے بجز مسجد والوں کے، جب تم کاہل بن جاؤ گے نماز کے بارے میں تو تمہارے تعلقات حق تعالیٰ سے منقطع ہوجائیں گے اور اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ قرب بندہ کو اپنے رب سے اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو۔

لہٰذا اس بات کی کوشش کی جائے کہ اپنے گھر، پڑوس، محلّہ اور پوری بستی میں سو فیصد لوگ نمازوں کا اہتمام کریں۔

(۲) استغفار اور گناہوں سے توبہ کا خصوصی اہتمام ہو، استغفار کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا **وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون** . ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں (قرآن مجید پ ۹ سورۂ انفال)

درس قرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ جب کافر کی استغفار دنیا میں نزول عذاب سے مانع ہوسکتی ہے تو مسلمان کی استغفار و توبہ اولیٰ نزول عذاب سے مانع ہونی چاہیئے ترمذی شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری امت کے لئے دو امانیں (امن کی چیزیں) اتاری ہیں، ایک میرا وجود دوسرا استغفار جب میں ان میں سے اٹھ جاؤں گا تو استغفار ان کے لئے قیامت تک چھوڑ جاؤں گا، یعنی قیامت تک استغفار لوگوں کو عذاب سے بچاتا رہے گا، ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا اے خدا تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا، ایک مطلب **وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون** کا یہ بیان کیا ہے

کہ مکہ میں بعض ایسے ضعفاً مسلمین بھی تھے جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکتے تھے اس لئے مجبوراً مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے ان کی خاطر سے اور ان کی استغفار سے اہل مکہ پر عام عذاب نازل نہیں کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ جس بستی میں لوگ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوں اللہ تعالیٰ اس بستی پر عام عذاب نازل نہیں فرماتے۔ (درس قرآن ص ۵۰۷، ص ۵۰۸ جلد چہارم سورۂ انفال)

(۳) جن کو اللہ نے صاحب مال بنایا ہے وہ اپنے مال کی پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنے کا اہتمام کریں اور اس کے علاوہ صدقہ خیرات کرنا بھی حوادث ومصائب کا بہترین علاج ہے اللہ جل شانہ نے جو مال عطا فرمایا ہے اسے اللہ کی نعمت سمجھیں، گناہوں اور فضول کاموں میں خرچ کرنے سے بہت ہی احتراز کریں، غرباء کی امداد اور دینی کاموں میں دل کھول کر خرچ کریں، عموماً مسلمان فضول خرچی میں مبتلا ہیں حالانکہ فضول خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین.

ترجمہ:۔ بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں۔ (قرآن مجید پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل)

(۴) گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت، اللہ کا ذکر، گریہ وزاری کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام درود شریف کی کثرت کا اہتمام کیا جائے مسنون دعائیں یاد کی جائیں، انفرادی طور پر بھی دعاؤں کا اہتمام کریں اور اجتماعی طور پر بھی، گھروں میں عورتوں بچوں کو جمع کر کے دعائیں کی جائیں، آیت کریمہ **لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین** کثرت سے ورد رکھیں۔

(۵) گناہوں سے بچنے کا بہت ہی اہتمام کریں، اپنے گھروں سے ناچ گانے (ٹی وی اور وی سی آر) بالکل ختم کئے جائیں زنا اور اسباب زنا سے اجتناب کریں، عورتیں بے پردگی بالکل ختم کریں، شراب اور جتنی نشہ آور چیزیں ہیں ان سے احتراز کریں، اپنے محلہ اور اپنی بستی میں سے ان خرافات کو ختم کرنے کی انتھک کوشش کی جائے، مزید کچھ گناہوں کی نشاندہی کی جاتی ہے ان سے بھی بچنے کی سعی کی جائے۔ یتیموں کا مال کھانا جیسے بہت سی عورتیں شوہر کے انتقال کے بعد تمام مال وجائداد پر قبضہ کر کے چھوٹے بچوں کا حصہ اڑا دیتی ہیں، لڑکیوں کو میراث کا حصہ نہ دینا، ظلم کرنا، غیبت کرنا، وعدہ کر کے پورا نہ کرنا، جھوٹ بولنا خصوصاً جھوٹی قسم کھانا، امانت میں خیانت کرنا، خدا کا کوئی فرض مثلاً نماز، روزہ زکوٰۃ حج چھوڑ دینا چوری کرنا، سود لینا سود دینا، سود لکھنا، سود پر گواہ بننا، قدرت ہونے کے باوجود نصیحت نہ کرنا، تہمت اور بہتان لگانا تکبر کرنا، فخر کرنا، جوا کھیلنا (لاٹری کی ٹکٹ خریدنا بھی جوے میں شامل ہے) رشوت لینا دینی پیشواؤں کی توہین کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۶) اپنی اولاد کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے، اسلامی عقائد، دینی فرائض، اور اسلامی اخلاق سے ان کو واقف کیا جائے، اور اس کو اپنا ایسا اسلامی واخلاقی فریضہ سمجھیں جیسا کہ بچوں کی خوراک پوشاک اور بیماری کے علاج کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں، بچوں کی دینی تعلیمی تربیت سے غفلت بڑے خطرناک نتائج کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمایا **یآ یھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً.** اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۸ سورۂ تحریم) اور حدیث میں

ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته؟ تم میں سے ہرایک اپنے ماتحتوں کے بارے میں سرپرست اور ذمہ دار ہے اور ہرایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، لہذا ہربستی، ہرمحلّہ اور ہرگھر میں بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے۔

(۷) آپس کے نزاعات اور جھگڑوں کوختم کر کے اتحاد واتفاق پیدا کیا جائے، آپسی نزاع سے بڑے بڑے دینی ودنیوی نقصانات پیدا ہوتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے **واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین:**

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (قرآن مجید پارہ نمبر۱۰ سورۂ انفال آیت نمبر ۴۶) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا.**

ترجمہ:۔ اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو (قران مجید، سورۂ آل عمران پارہ نمبر ۱)

(۸) اپنے تمام معاملات علماء کرام سے حل کروائیں اور علماء کرام جو ہدایت دیں اس کے مطابق عمل کریں، حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا حضرتم عند العلماء ولم تقبلوا ما یقولون لکم کان حضر کم عندھم حجة علیکم، یکون علیم اثم ذلک کما لقیتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ولم تقبلوا منه .(الفتح الربانی ص ۱۴۱، ص ۲ م۴ ۵)

ترجمہ:۔ جب تم علماء کے پاس جاؤ اور وہ تم سے جو کہیں تم اسے قبول نہ کرو تو تمہارا ان کے پاس حاضر ہونا تم پر حجت بنے گا، اس کا گناہ تم پر ایسا ہوگا جیسا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ کا کہنا نہ مانتے۔

علماء سے رابطہ نہ رکھنے اور ان کی ہدایت پر عمل نہ کرنے کے سلسلہ میں حدیث میں بہت سخت وعید آئی ہے، حدیث ملاحظہ ہو، **سیأتی زمان علی امتی یفرون من العلماء والفقھاء فیبتلیھم اللہ تعالیٰ بثلث بلیات اولھا یرفع البرکة من کسبھم والثانیة یسلط اللہ تعالیٰ علیھم سلطاناً ظالماً والثالث یخرجون من الدنیا بغیر ایمان (کذا فی مکاشفة الاسرار).**

(ترجمہ): حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ علماء اور فقہاء سے بھاگیں گے پس اللہ تعالیٰ ان کو تین بلاؤں میں مبتلا کرے گا (۱) ان کے کسب (کمائی) سے برکت اٹھ جائے گی (۲) اللہ تعالیٰ ان پر ظالم بادشاہ مسلط کردے گا (۳) ایسے لوگ دنیا سے بے ایمان جائیں گے۔ (درۃ الناصحین ص ۲۹، ص ۳۰ ج ۱)

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی، اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال ودولت پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں دینداری اور تقویٰ کے مال داری کو دیکھا جائے گا) تو حق تعالیٰ شانہ ان پر چار قسم کے عذاب

مسلط فرمادیں گے (۲) قحط سالی ہوجائے گی (۲) بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے (۳) حکام خیانت کرنے لگیں گے (۴) دشمنوں کے پے در پے حملے ہوں گے (حاکم) آج کل ان عذابوں میں کون سا عذاب نہیں ہے جو امت پر مسلط نہیں لیکن وہ اپنی خوشی سے ان کے اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کیا؟ (الاعتدال نمبر۱۵۳)

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ دل سے علماء کی عزت کریں، ان کی صحبت سے فیض حاصل کریں، ان کی شان میں کوئی کلمہ بے ادبی اور گستاخی کا نہ کہیں اور اگر کسی سے گستاخی اور بے ادبی ہوگئی ہو تو اپنے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے استغفار کرے، ایک زمانہ سے اس معاملہ میں بڑی کوتاہی اور علماء سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے، امام خطابی رحمہ اللہ اپنے زمانہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

وقد قال ابو سليمان الخطابى دع الراغبين فى صحبتك والتعلم منك فليس لك منهم صديق ولا رفيق اخوان العلانية واعداء السر اذا لقوك مد حوك واذا غبت عنهم اغتا بوك من اتاك منهم كان عليك رقيباً ،واذا خرج من عندك كان عليك خطيباً فلا تغتر باجتما عهم لديك وتملقهم بين يديك فما غرضهم ان يتخذوك سلماً الىٰ اوطارهم حمارا فى حاجاتهم وان قصرت فى غرض من اغراضهم يكون اشداعدائك ويعدون ترددهم اليك .... عليك او يرونه واجباً لديك ويعرضون عليك ان تبدل لهم غرضك ودينك وتكون لهم تابعاً خسيساً بعد ان كنت متبرعاً رئيساً. (مجالس الابرار ص ۵۰۸ مجلس نمبر ۸۷)

ترجمہ:۔ اور ابوسلیمان خطابی نے کہا ہے کہ تیری صحبت اور تیری شاگردی کی رغبت کرنے والوں کو چھوڑ دے کیونکہ ان میں تیرا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ رفیق ہے، ظاہر کے بھائی ہیں باطن کے دشمن ہیں جب تم سے ملتے ہیں تعریف کرتے ہیں اور جب تم ان سے جدا ہوجاتے ہو تو غیبت کرتے ہیں، جو کوئی ان میں سے تمہارے پاس آتا ہے وہ تمہارا نگہبان ہوتا ہے اور جب تمہارے پاس سے چلا جاتا ہے تو تمہاری بدگوئی کرتا ہے، لہذا اپنے پاس ان کے جمع ہونے اور تمہارے سامنے خوشامد کرنے سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ ان کی غرض علم نہیں ہے بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ تم کو اپنی حاجات کا زینہ اور اپنے مقاصد کا گدھا بنالیں اور اگر تم نے ان کی کسی غرض میں ذرا کوتاہی کی تو پھر وہ تمہارے بڑے سخت دشمن ہیں اور تمہارے پاس اپنی آمد ورفت کو تم پر احسان سمجھتے ہیں اور اس کو تمہارے اوپر ایک واجب حق سمجھتے ہیں، اور خواہش کرتے ہیں کہ تم اپنی آبرو اور اپنا دین ان کے لئے کھودو اور ان کا ادنیٰ فرمانبردار بن جاؤ اس کے بعد کہ تم واقع میں حاکم اور سردار تھے۔

لہذا علماء کی عظمت کو سمجھیں اور ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور اکتساب فیض کی نیت سے حاضر ہوا کریں اور کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس سے ان کو تکلیف پہنچے اور ان کو ستانے اور بدنام کرنے کا تو دل میں خیال بھی نہ لائیں، یہ بہت خطرناک ہے، حدیث قدسی میں ہے **من اذى لى ولياً فقد اذنته بالحرب** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جو میرے کسی مقبول بندے کو ستائے گا میں نے اس کے لئے اعلان جنگ کردیا۔

(۹) بھائی چارگی کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں، انسانیت کے حقوق واحترام کی بنیاد پر اس کو فروغ دیا جائے، اور دوسری قوموں کے ساتھ اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے اور ہر ایسے کام سے بچنے کی کوشش کی جائے جس

سے فتنہ پیدا ہو، جھگڑوں سے دور رہنے کی سعی کی جائے ، اگر کوئی تمہارے ساتھ ناحق جھگڑا کرے تو اول اسے سمجھاؤ اگر وہ نہ مانے اور مقابلہ پر تل جائے اور بادل ناخواستہ اس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی پڑے تو پھر بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں، جرأت مندانہ مقابلہ کریں مگر ان اصول کی پابندی کی جائے۔

(۱) بوڑھوں کو نہ ماریں (جب کہ وہ مقابلہ نہ کریں)

(۲) عورتوں کو نہ ماریں (جب کہ وہ مقابلہ پر نہ آئیں)

(۳) بچوں کو نہ ماریں۔

(۴) ان کی عبادت گاہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

(۵) ان کا مثلہ نہ کیا جائے (یعنی ناک کان نہ کاٹیں)

(۶) پھلدار درخت نہ کاٹا جائے۔

(۷) کسی جاندار کو آگ میں نہ جلائیں۔

(۸) کھیتی برباد نہ کی جائے۔

(۹) جانوروں، گائے، بیل، بھینس بکریوں وغیرہ کو تباہ نہ کیا جائے۔

(۱۰) برادران وطن کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرنے کی کوشش کرتے رہیں، توحید ورسالت کی حقیقت سمجھائیں اور اس بات کی فکر کریں کہ وہ بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور ابدی عذاب سے نجات پائیں ان کا بھی ہم پر حق ہے حضور اکرم ﷺ کی بعثت دنیائے کے تمام انسانوں کے لئے ہے، لہٰذا اس کی بھی فکر کریں۔

"تلک عشرة کاملة"

اللہ تعالیٰ امت کے لئے خیر کے فیصلے فرمائے ، امت میں اتحاد و اتفاق اور رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمائے ، اور ہر قسم کے شر وفساد سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

قرآن وحدیث کی روشنی میں رشتے داروں سے صلہ رحمی کی برکت وفضیلت اور قطع رحمی کی مذمت اور وعید شدید:

(سوال ۹۷) رشتے داروں اور عزیزوں کے ساتھ تعلقات کیسے رکھنے چاہئیں قرآن وحدیث میں اس کے متعلق کیا ہدایات ہیں تفصیل سے ان کو تحریر فرمائیں، آج کل عموماً رشتے داروں میں تعلقات اچھے نہیں ہیں، معمولی معمولی باتوں پر تعلقات توڑ دیئے جاتے ہیں ہفتوں نہیں برسوں تک سلام کلام تک بند رکھتے ہیں، کیا شرعاً بات چیت اور سلام کلام بند رکھنا جائز ہے رشتے داروں کی آپسی نا اتفاقی کی وجہ سے آج گھر گھر فتنہ ہے، گھروں کا چین و سکون ختم ہو گیا ہے، ہر ایک دوسرے کی غلطی نکالتا ہے کوئی چھوٹا بن کر پہل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا (الا ماشاء اللہ) امید ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس اہم مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈال کر امت کی رہنمائی فرمائیں

نگے، اللہ دارین میں آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، وھو الموفق۔ قرآن وحدیث میں صلہ رحمی یعنی رشتے داروں کی حقوق کی ادائیگی اوران کے ساتھ اچھا معاملہ اور حسن سلوک کی از حد تاکید اوراس کے بے حد فضائل اوراس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور قطع رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا نہ کرنے اوران کے ساتھ برا معاملہ اور بدسلوکی کرنے پر بہت سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

رشتے داروں سے صلہ رحمی ایسا مبارک اور مقدس عمل ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت اور فراخی اور عمر میں اضافہ اور برکت عطا فرماتے ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا، انسان کبھی اپنے مال سے اہل قرابت کی مدد کرتا ہے اور کبھی اپنا کچھ وقت ان کے کاموں میں لگاتا ہے تو اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور مال میں وسعت اور عمر میں برکت اور اضافہ بالکل قرین قیاس ہے یہ صلہ رحمی کا دنیوی فائدہ ہے، آخرت کا اجر وثواب علیحدہ ہے۔

اس کے برعکس جب کوئی شخص رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتا ہے اوران کے حقوق ادا نہیں کرتا جس کی وجہ سے خاندانی جھگڑے اور الجھنیں کھڑی ہوتی ہیں اوراس کے نتیجہ میں دلی پریشانی اور اندرونی گھٹن پیدا ہوتی ہے جس کا اثر کاروبار، صحت بلکہ ہر چیز پر پڑتا ہے، اور وہ ہر وقت پریشان حال رہتا ہے زندگی بے لطف ہوجاتی ہے نہ کاروبار میں برکت معلوم ہوتی ہے اور نہ دلی سکون رہتا ہے، قطع رحمی کا یہ دنیوی نقصان ہے اور آخرت میں جو عذاب اور سزا ہے وہ الگ ہے، اللہ پاک قطع رحمی سے محفوظ رکھے۔

جن رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا ہے قرآن وحدیث میں ان کے لئے عموماً دو لفظ (۱) ذوی الارحام (۲) ذوی القربیٰ استعمال کئے گئے ہیں۔ ذوی الارحام یا ذوی القربیٰ میں وہ تمام رشتے دار داخل ہیں جن سے نسبی رشتہ ہو چاہے وہ رشتہ والد کی طرف سے ہو یا والدہ کی طرف سے اور چاہے وہ رستہ کتنا ہی دور کا ہو...... والد کی طرف سے رشتہ داری ہو جیسے دادا، دادی، پردادا، پردادی، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، اوران دونوں کی اولاد کا سلسلہ، بہن، بھانجا، بھانجی، اوران دونوں کا سلسلۂ اولاد، چچا اوران کی اولاد در اولاد، پھوپھی اوران کی اولاد، آخر تک والدہ کی طرف سے رشتہ داری ہو جیسے نانا، نانی، پرنانا، پرنانی، خالہ، ماموں اوران دونوں کی پوری نسل وغیرہ، اسی طرح بیوی کے رشتہ دار جیسے بیوی کے ماں باپ، بھائی بہن اوران کی اولاد در اولاد کے ساتھ بھی حسن سلوک اور صلہ رحمی کا معاملہ کرنا چاہئے، حسن سلوک کے لئے والدین سب سے مقدم ہیں۔

الحاصل اقارب اجانب کے مقابلہ میں ہیں جن سے کسی طرح کا بھی رشتہ ہو وہ اقارب ہیں ورنہ اجانب۔

تفسیر روح المعانی میں ہے: والمراد بالرحم الاقارب ویقع علیٰ کل من یجمع بینک وبینہ نسب وان بعد، ویطلق علی الاقارب من جھة النساء (تفسیر روح المعانی ص ۱۵۴ جز نمبر ۴، سورۂ نساء)

نیز روح المعانی میں ہے۔ وقال الراغب، الرحم: رحم المرأة ای بیت منبت ولدھا ووعاؤہ ومنہ استعیر الرحم للقرابة لکونھم خارجین من رحم واحدہ...... وقد صرح ابن الاثیر بان ذا الرحم یقع علی کل من یجمع بینک وبینہ نسب...... والمراد بھم مایقا بل الاجانب وید خل فیھم

دصول والفروع والحواشی من قبل الا ب او من قبل الا م وحرمة قطع کل لا شک فیھا...... والایۃظاھرۃ فی حرمة قطع الرحم.(تفسیر روح المعانی ص ۷۰ جز نمبر ۲۶ سورۂ محمد ،آیت وتقطعوا ارحامکم)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صلہ رحمی کرنے کو بیان فرمایا ہے چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱)واتقو اللہ الذی تساء لون به والا رحام (سورۂ نساء آیت نمبر ۱ ، پارہ نمبر ۴)

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبر دار رہو قرابت والوں سے۔

یہ آیت صلح رحمی کے بارے میں بہت ہی واضح ہے اور بہت بلیغ اور محکم انداز میں صلہ رحمی کا حکم کیا گیا ہے......مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فوائد عثمانی میں تحریر فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بعد)......تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحم اور بدسلوکی سے بچو، بنی نوع تمام افراد انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آچکا تھا اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب واتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بدسلوکی سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا کیونکہ ان کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ حدیث قدسی:(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلته ومن قطعھا قطعته (مشکوٰۃ باب البر والصلة الفصل الثانی ص ۴۲۰)

اور حدیث (۲) خلق اللہ الخلق فلما فرغ منه قامت الرحمٰن فاخذت بحقوی الرحم فقال مه قالت ھذا مقام العائذ منک من القطیعة فقال الا ترضین انْ اصل من وصلک واقطع من قطعک قالت بلیٰ یارب قال (ایضاً الفصل الاول) فذلک اور حدیث الرحم (۳) شجنة من الرحمن فقال اللہ من وصلک وصلته ومن قطعک قطعته ایضاً .اور حدیث الرحم (۴) معلقه بالعرش تقول من وصلنی وصله اللہ ومن قطعنی قطعه (مشکوٰۃ باب البر واصلة الفصل الا ول ص ۴۲۰)

---

(۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور میں نے لفظ رحم کو اپنے نام (رحمٰن) سے مشتق کیا ہے (نکالا ہے) پس جو شخص اس کو ملائے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) میں اس کو (اپنی رحمت سے) ملاؤں گا اور جو شخص اسے کاٹے (قطع رحمی کرے گا) میں اس کو اپنی (رحمت سے) کاٹوں گا۔

(۲) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان صورتوں کے ساتھ اپنے علم ازلی میں مقدر کردیا جن پر وہ پیدا ہوں گی) اور جب ان سے فارغ ہوا تو رحم یعنی رشتہ ناطہ کھڑا ہوا اور پروردگار کی کمر تھام لی، پروردگار نے فرمایا "بس" کہہ کیا چاہتا ہے؟ رحم نے عرض کیا یہ کاٹے جانے کے خوف سے تیری پناہ چاہنے والے کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے (یعنی میں تیرے روبرو کھڑا ہوں اور تیرے دامن عزت وعظمت کی طرف دست سوال دراز کئے ہوئے ہوں تجھ سے اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص مجھ کو کاٹ دے اور میرے دامن کو جھوڑنے کے بجائے اس کو تار تار کردے) پروردگار عالم نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو شخص رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعہ) تجھ کو قائم وبرقرار رکھے اس کو میں بھی (اپنے احسان وانعام اور اجر وبخشش کے ذریعہ) قائم وبرقرار رکھوں اور جو شخص (رشتہ داری اور تعلق کے حقوق کی پامالی کے ذریعہ) تجھ کو منقطع کردے میں بھی (اپنے احسان وانعام کا تعلق اس سے منقطع کرلوں؟ رحم نے عرض کیا پروردگار بے شک میں اس پر راضی ہوں، اللہ رب العزت نے فرمایا اچھا تو یہ وعدہ تیرے لئے ثابت وبرقرار ہے ایسا ہی ہوگا (مظاہر حق جدید)

(۱) رحم (کا لفظ) رحمٰن (کے لفظ) سے نکلا ہے، اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا جو شخص تجھ کو جوڑے گا تیرے حق کو ملحوظ رکھے گا) میں بھی اس کو (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑوں گا اور جو شخص تجھ کو کاٹے گا (تیرے حق کا لحاظ نہیں کرے گا) میں بھی اس کو (اپنی رحمت سے) جدا کردوں گا۔

(۲) ترجمہ: رحم یعنی رشتہ ناطہ عرش سے لٹکا ہوا ہے اور (بطریق دعا یا خبر کے کہتا ہے) جو شخص مجھ کو ملائے گا اس کو اللہ (اپنی رحمت سے) جوڑیں گے اور جو شخص مجھ کو توڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے جدا کردے گا۔

اللہ اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاص مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں الخ (فوائد عثمانی یعنی تفسیر عثمانی اول سورۃ نساء)

تفسیر معارف القرآن میں ہے: والارحام: یعنی قرابت کے تعلقات خواہ باپ کی طرف سے ہوں خواہ ماں کی طرف سے ان کی نگہداشت اور ادائیگی میں کوتاہی کرنے سے بچو۔

صلہ رحمی کے معنی اور اس کے فضائل:

لفظ ارحام جمع ہے رحم کی، رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں ولادت سے پہلے ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے، چونکہ ذریعۂ قرابت یہ رحم ہی ہے اس لئے اس سلسلہ کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور رشتہ داری کی بنیاد پر جو فطری طور پر تعلقات پیدا ہوگئے ان کی طرف سے بے توجہی و بے التفاتی برتنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احادیث شریفہ میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل رحمه (مشکوٰۃ، ص ۴۱۹ باب البر والصلة الفصل الاول)

یعنی جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو بڑے اہم فائدے معلوم ہوگئے کہ آخرت کا ثواب تو ہے ہی دنیا میں بھی صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ رزق کی تنگی دور ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے یہ تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

یا ایها الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۸ (باب فضل الصدقة الفصل الثانی)

لوگو ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو، اللہ کی رضا جوئی کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کیا کرو، اور ایسے وقت میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو جب کہ عام لوگ نیند کے مزے میں ہوں، یاد رکھو ان امور پر عمل کر کے تم حفاظت اور سلامتی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

ایک اور حدیث میں ذکر ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا تھا، جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لو اعطیتها اخوالک کان اعظم اجرک (مشکوۃ، ص ۱۷۱ (باب فضل الصدقه الفصل الاول ص ۱۷۱)

اگر تم اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

اسلام میں غلام باندی آزاد کرنے کی بہت ترغیب ہے اور اسے بہترین کار ثواب قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود صلہ رحمی کا مرتبہ بہر حال اس سے اعلیٰ ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

الصدقة على المسكين صدقة وهى على ذى الرحم ثنتان صدقة وصلة (مشكوٰة ص ۱۷۱ (ايضاً الفصل الثانى)

یعنی کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہی ہے اوراپنے کسی عزیز قریب کی مدد کرنا دوامروں پر مشتمل ہے ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی۔

صرف مصرف کے تبدیل کرنے سے دوطرح کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں قطع رحمی کے حق میں جو شدید وعیدیں روایات حدیث میں مذکور ہیں، اس کا اندازہ دو حدیثوں سے بخوبی ہوسکتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) لا يدخل الجنة قاطع (باب البر والصلة الفصل الاول مشكوٰة شريف ص ۴۱۹)

''جوآدمی حقوق قرابت کی رعایت نہیں کرتا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''

(۲) لا تنزل الرحمة علىٰ قوم فيه قاطع رحم (مشكوٰة شريف ص ۴۲۰)

''اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترے گی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔''

اخیر میں پھر دلوں میں اداءحقوق کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔

ان الله كان عليكم رقيباً: یعنی اللہ تعالیٰ تم پر نگراں ہے جو تمہاری دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے اگر رسمی طور پر شرما شرمی، بے دلی سے کوئی کام کر بھی دیا مگر دل میں جذبہ ایثار وخدمت نہ ہو تو قابل قبول نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگراں ہے، قرآن کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ قانون کو محض دنیا کی حکومتوں کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا بلکہ تربیت وشفقت کے انداز میں بیان کرتا ہے، قانون کے بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔ (معارف القرآن ص ۲۸۰، ص ۲۸۱ ص ۲۸۲ جلد دوم، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

تفسیر ماجدی میں ہے:۔ واتقوا الله الذى تسآء لون به والارحام۔ الارحام رحم کی جمع ہے اور اس کا اطلاق بڑا وسیع ہے، سارے عزیز واقارب، اہل خاندان اس کے اندر آجاتے ہیں۔

الرحم اسم لكافة الاقارب من غير فرق بين المرحم وغيره (قرطبى) من المجاز الرحم القرابة وبينهما رحم اى قرابة قريبة (تاج)

الارحام:۔ کا عطف، آیت میں خوب غور کرلیا جائے، اللہ پر ہے، یہ ہے قرابت یا رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں، درحقیقت امت کے نظام اجتماعی کا سنگ بنیاد ہی شریعت نے قرابت یا رحم کو قرار دیا ہے، عزیزوں، قریبوں، خاندان اور برادری والوں کے ساتھ حسن سلوک اسلام میں کوئی دوسرے درجہ کی چیز نہیں اول درجہ کی اہمیت رکھنے والی ہے۔

وفى عطف الارحام على اسم الله دلالة على عظم ذنب قطع الرحم (بحر) وقد نبه سبحانه تعالىٰ اذا قرن الارحام باسمه الكريم علىٰ ان صها بمكان منه (بيضاوى) فيه تعظيم لحق الرحم و تاكيد للمنع عن قطعها (جصاص).

اوراسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے: **الرحم معلقة بالعرش تقول الا من وصلنی وصله اللّٰہ ومن قطعنی قطعه الله** (رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹے۔)

فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور قطع کرنا جرم ہے **اتفقت الملة علی ان صلة الرحم واجبة وان قطعیتها محرمة** (قرطبی) **ان اللّٰہ کان علیکم رقیباً**، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگراں ہے، ص ۲۲۶ (تمہارے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے ہی معاملات میں (اللہ تعالیٰ نگراں ہے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج افراد امت کی خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۳، ص ۴، جلد دوم، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ)

(۲) دوسری آیت: **واعبدوا اللّٰه ولا تشرکوا به شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللّٰہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً** (سورۂ نسآء آیت ص ۳۶ پارہ نمبر ۵)

ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ آیت مبارکہ بھی بیان حقوق میں بڑی جامع ہے، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حق بیان فرمایا پھر ماں باپ کا پھر درجہ بدرجہ سب رشتہ داروں اور حاجت مندوں کا۔

تفسیر ماجدی میں ہے ص ۵۲ "خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ حسن سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں، غرض معاشرہ کے ہر طبقہ کے ساتھ ہو رہی ہے پھر اس حکم کا عطف توحید الٰہی پر! دنیا کی کسی آسمانی کتاب میں اس بے نظیر تعلیم کی نظیر ملے گی؟ اور اس کے ساتھ محققین کی یہ تصریح بھی ملالی جائے کہ "اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔ (تھانوی) (تفسیر ماجدی ص ۵۶)

معارف القرآن میں ہے۔ "حقوق کی تفصیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت اور توحید کا مضمون اس طرح ارشاد فرمایا گیا۔ **واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا به شیئاً**۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ۔ الی قولہ۔ اس کے بعد تمام رشتہ داروں اور تعلق والوں میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کا بیان فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے متصل والدین کے حقوق کو بیان فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ حقوق اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات و انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات و انعامات انسان پر اس کے والدین کے ہیں، کیونکہ عالم اسباب میں وہی اس کے وجود کا سبب ہیں اور آفرینش سے لے کر اس کے جوان

ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں ان سب میں بظاہر اسباب ماں باپ ہی اس کے وجود اور پھر اس کے بقاء وارتقاء کے ضامن ہیں اسی لئے قرآن کریم میں دوسرے مواقع میں بھی ماں باپ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے متصل بیان فرمایا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

ان اشکر لی ولو الدیک.

یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ واذا اخذ نا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا.

ان دونوں آیتوں میں والدین کے معاملہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو یا ان کی خدمت کرو، بلکہ لفظ احسان لایا گیا جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت کے نفقہ میں اپنا مال خرچ کریں اور یہ بھی داخل ہے کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق جسمانی خدمات انجام دیں، یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو، کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو، ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی کوئی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو، بلکہ ان کو آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کے لئے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں، یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی ہو جب بھی اولاد کے لئے بدسلوکی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے دس وصیتیں فرمائی تھیں، ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے، یا آگ میں جلا دیا جائے، دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو (مسند احمد)

رسول کریم ﷺ کے ارشادات میں جس طرح والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکیدات وارد ہیں اسی طرح اس کے بے انتہاء فضائل اور درجات ثواب بھی مذکور ہیں۔

بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق اور عمر میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے، یعنی اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لڑکا اپنے والدین کا مطیع وفرمانبردار ہو جب وہ اپنے والدین کو عزت ومحبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر میں اس کو حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔

بیہقی ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں لیکن جو شخص ماں باپ کی نافرمانی اور دل آزاری کرے اس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

(آیت میں والدین کی بعد عام ذوی القربیٰ یعنی تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے.....الخ (معارف القرآن ص ۴۰۹ وص ۴۱۰، ص ۴۱۱ ج ۲)

(۳) لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین وآتی المال علیٰ حبہ ذوی والقربیٰ والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب ج واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضرآء و حین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون .(قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷ پارہ نمبر ۲)

ترجمہ:۔ کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو، لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ جو (سچے) متقی (کہے) جاسکتے ہیں۔

تفسیر ماجدی میں ہے: ذوی القربیٰ الخ مصارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے، آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آ گیا ہے، مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہئے یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہے، چچا کے پاس موٹریں ہوں اور بھتیجے کو یکہ کے پیسے بھی میسر نہ ہوں، ہر زردار کو سب سے پہلے خبر گیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبوں کی کرنا چاہئے اس کے بعد نمبر محلّہ کے بستی کے، شہر کے یتیم بچوں بچیوں کا آتا ہے جن کا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ نمبر امت کے عام مفلسوں محتاجوں اور پھر ان مسافرون راہ گیروں کا آتا ہے جو زاد راہ سے محروم ہیں، اور اس لئے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہ جاتے ہیں، یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی ان کے ٹھیرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں، اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے تو امت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟ (تفسیر ماجدی ص ۳۰۶ ج ۱ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷ ص ۱۲۱)

(۴) یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم (سورہ بقرہ آیت ص ۲۱۵ پ ۲)

ترجمہ:۔ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں، آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا، اور جو سا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے)

فوائد عثمانی میں ہے۔ بعض اصحاب جو مالدار تھے انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ مال میں سے

کیا خرچ کریں؟ اور کس پر خرچ کریں، اس پر یہ حکم ہوا کہ قلیل خواہ کثیر جو کچھ خدا کے لئے خرچ کرو وہ والدین اور اقارب اور یتیم اور محتاج اور مسافروں کے لئے ہے، یعنی حصول ثواب کے لئے خرچ کرنا چاہو تو جتنا چاہو کرو اس کی کوئی تعیین وتحدید نہیں، البتہ یہ ضرور ہے جو مواقع ہم نے بتلائے ان میں صرف کرو۔ (فوائد عثمانی)

(۵) ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون. (سورۂ نحل آیت نمبر ۹۰ پارہ نمبر ۲۴ رکوع ۱۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی بزائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

فوائد عثمانی میں ہے: قرآن کو تبیاناً لکل شیی فرمایا تھا، یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر وشر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے، گویا کوئی عقیدہ، خلق نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً ونہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت ''تبیاناً لکل شیئ'' کا ثبوت دینے کے لئے کافی تھی، شاید اسی لئے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں درج کر کے امت کے لئے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا نمبر۱ عدل نمبر۲ احسان نمبر۳ ایتاء ذی القربیٰ۔

عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں، افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو، جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے، مقام عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل وعفو اور تلطف وترحم کی خو اختیار کرے، فرض ادا کرنے کے بعد تطوع وتبرع کی طرف قدم بڑھائے، انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے، ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا ''ا لا حسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' (صحیح بخاری) **ھل جزاء الا حسان الا الا حسان** (رحمٰن، رکوع نمبر۳) یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل وانصاف یا بالفاظ دیگر انصاف ومروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش وبیگانہ اور دوست ودشمن سے متعلق تھیں لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زیادہ ہے، جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے، صلہ رحمی ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب وذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے، گویا احسان کے بعد ذوی القربیٰ کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرما دیا کہ عدل وانصاف تو سب کے لئے یکساں ہے لیکن مروت واحسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت واہتمام کے قابل ہیں فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے

قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کون سی فطری خوبی بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو (فوائد عثمانی)

تفسیر معارف القرآن ادریسی میں ہے۔ "اور سوم یہ کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے خویش و اقارب کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا کیونکہ اقارب کا حق اجانب سے زائد ہے، عدل و انصاف تو دوست و دشمن سب کے لئے برابر اور یکساں ہے، اور احسان و مروت میں بسا اوقات خصوصیت اور رعایت بھی ملحوظ ہوتی ہے، یہ صلہ رحمی اگر چہ عدل میں یا احسان میں داخل ہے لیکن صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ایک مستقل نیکی اور بھلائی ہے اور عظیم احسان ہے اس خصوصیت کے ساتھ وایتاء ذی القربیٰ کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ قرآن اور حدیث صلہ رحمی سے بھرے پڑے ہیں حدیث میں ہے کہ لفظ رحم بمعنی قرابت اللہ کے نام پاک رحمٰن سے مشتق ہے جو رحم (قرابت) کو وصل کرے یعنی ملاوے اللہ اس کو ملاوے اور جو رحم (قرابت) کو قطع کرے اللہ اس کو اپنی رحمت سے منقطع کرے یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں قریبی حاجتمند رشتہ دار کا نان نفقہ واجب ہو جاتا ہے، اور بعض صلہ رحمی مستحب ہے جیسے رشتہ دار کو ہدیہ اور تحفہ دینا تا کہ باہمی محبت اور الفت قائم رہے۔ بہر حال صلہ رحمی احسان کا فرد اکمل ہے، اس لئے خاص طور پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا، کیونکہ قرابت داروں کو روپیہ پیسہ سے مدد کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا عظیم عبادت ہے جس میں یہ تین صفتیں عدل اور احسان اور صلہ رحمی جمع ہو گئیں اس کی قوت عقلیہ اور ملکیہ مکمل اور مہذب ہو گئی۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷، سورۂ نحل، از شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

(۶) واذا اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللّٰہ وبالوالدین احساناً وذی القربیٰ والیتمی والمسکین وقولوا للناس حسناً واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم الا قلیلاً منکم وانتم معرضون. (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۸۳ پارہ نمبر ۱ رکوع نمبر ۹)

ترجمہ:۔ اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ، پھر تم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

تفسیر معارف القرآن میں ہے: مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ احکام اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں، جن میں توحید، والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور تمام انسانوں کے ساتھ گفتگو میں نرمی و خوش خلقی کرنا اور نماز اور زکوٰۃ سب داخل ہیں۔ (معارف القرآن ص ۲۵۳ ج ۱، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، معارف القرآن ادریسی میں ہے: فوائد:

(فائدہ اولیٰ):

والدین کی تربیت: تربیت خداوندی کا ایک نمونہ ہے، والدین عالم اسباب میں اس کے وجود کے ایک

ظاہری سبب ہیں، ماں باپ اولاد کے ساتھ جو کچھ احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور عوض کے لئے نہیں۔ اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی وقت ملول نہیں ہوتے اولاد کے لئے جو کمال ممکن ہو والدین دل و جان سے اس کی آرزو کرتے ہیں، اولاد کی ترقی اور عروج پر کبھی حسد نہیں کرتے ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو ترقی اور عروج پر دیکھنے کے خواہش منداور آرزومند رہتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیم والدین کا حکم دیا اور انہیں وجوہ کی بنا پر والدین کی تعظیم تمام شریعتوں میں واجب رہی اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے وبالوالدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے، والدین خواہ کافر و فاجر ہوں یا منافق و فاسق ہوں، اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے آذر کی دعوت وتلقین میں ہمیشہ تلطف اور نرمی کو ملحوظ رکھا جیسا کہ سورۂ مریم میں مفصل قصہ مذکور ہے اور قرآن وحدیث میں جابجا کافر ومشرک ماں باپ کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔

فائدہ دوم:

محتاج تو یتیم اور مسکین دونوں ہی ہیں، مگر یتیم کمسن ہونے کی وجہ سے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے یتیم کو مسکین پر مقدم فرمایا۔

فائدہ سوم:

مالی سلوک اور احسان زیادہ تر اقارب کے ساتھ ہوتا ہے، مالی احسان ہر ایک کے ساتھ ممکن نہیں اس لئے وقولوا للناس حسناً میں اجانب کے ساتھ قولی احسان کا ذکر فرمایا اس لئے کہ تواضع اور حسن خلق کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ ممکن ہے۔

فائدہ چہارم:

دعوت اور تذکیر یعنی وعظ اور نصیحت کے موقع پر نرمی اور ملاطفت معہود ہے، **کما قال تعالیٰ: وقولا له' قولا لینا لعله' یتذکر او یخشیٰ ، وقال تعالیٰ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وقال تعالیٰ فبما رحمة من اللہ لنت لهم . وقال تعالیٰ ادفع بالتی هی احسن**، غرض یہ کہ وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور مناظرہ میں تلطف اور لین مناسب ہے جیسا کہ ان آیات سے صاف ظاہر ہے، البتہ جہاد اور قتال میں غلظت اور شدت مناسب ہے، **کما قال تعالیٰ یآیها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم** (کیونکہ جہاد اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے والوں سے کیا جاتا ہے) جہاد اور نصیحت کے فرق کو خوب سمجھ لو۔

فائدہ پنجم:

دربیان فرق مداراۃ ومداہنت: بہت سے لوگ مداراۃ اور مداہنت میں فرق نہیں سمجھتے، حالانکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اپنی دنیوی اور جسمانی راحت اور منفعت کو دوسرے کی دنیوی راحت اور منفعت کے خیال سے

چھوڑ دینا اس کا نام مداراۃ ہے اور کسی دنیوی لحاظ کے خاطر اپنے دین کو چھوڑ دینا اور اس میں سستی کرنا اس کا نام مداہنت ہے، مدارۃ شریعت میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور مداہنیت قبیح اور مذموم ہے، کما قال تعالیٰ ودّوا لو تدھن فید ھنون.

خلاصہ یہ کہ یہ دین میں سستی اور نرمی کا نام مداہنت ہے اور دنیوی امور میں نرمی اور سستی کا نام مدارات ہے۔(معارف القرآن ص ۶۹ ص ۷۰ ج ۱، مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

تفسیر ماجدی میں ہے: قولو اللناس حسناً یعنی عام طور پر لوگوں سے حسن گفتار کو قائم رکھو۔

ای قولوا للناس مقالۃ حسنۃ(بحر) قولوا لھم القول الطیب (بحر عن ابی العالیہ (بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ ترین فریضۂ انسانیت ہے اس لئے یہ حکم عام ہے یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہئے، چاہے وہ نیک و بد فاسق و صالح، کیسا ہی انسان ہو بس احتیاط اتنی رہے کہ اس خوش خلقی و خندہ روئی سے کہیں مخاطب کی بدعت یا بد مذہبی کی تائید نہ پیدا ہو جائے۔

وھذا کلہ حض علی مکارم الا خلاق فینبغی للانسان ان یکون قولہ للناس لینا ووجھہ منبسطاً طلقاً مع البرو الفاجر والسنی والمبتدع من غیر مداھنۃ ومن غیران یتکلم معہ بکلام یظن انہ یرضیٰ مذھبہ (قرطبی)

وبالوالدین احساناً: والدین کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کیا جائے ،ان سے بہ ادب پیش آیا جائے، ان کے احکام کی تعمیل کی جائے اور ان کی وفات کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور ان کے دوستوں سے بہ حسن سلوک پیش آیا جائے۔

الا حسان الی الوالدین معاشرتھما بالمعروف والتواضع لھما وامتثال امرھما والدعاء لھما بعد مما تھما وصلۃ اھل ودھما (قرطبی)

حکیم توحید کے معاً بعد بندوں کے ساتھ ان احکام سلوک و حسن معاشرت کو لے آنا اس کی دلیل ہے کہ خدا کے ہاں حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔(تفسیر ماجدی ص ۱۵۰ جلد اول)

(۷) وات ذالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراً ○ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین ○ وکان الشیطن لربہ کفوراً.(سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۶، ۲۷ پارہ نمبر ۱۵ رکوع نمبر ۳)

ترجمہ:۔ اور قرابت دار کو اس کا حق (مال و غیر مال) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بے شک بے مواقع اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے)۔(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

معارف القرآن میں ہے: اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ ہر رشتہ دار کا حق ادا کیا جائے جو کم سے کم ان کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ سلوک ہے، اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کی مالی امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے، اس آیت سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتہ دار، عزیزوں کا بھی حق ہے وہ کیا اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں مگر عام صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس میں داخل ہونا

واضح ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی فرمان کے تحت جو رشتہ دار ذی رحم محرم ہو اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے گذارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں، اسی طرح جو رشتہ دار ذی رحم اپاہج یا اندھا ہو اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے اس کا گذارہ ہو سکے تو ان کی جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے، اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گذارہ نفقہ دیا جائے گا۔

سورۂ بقرہ کی آیت وعلی الوارث مثل ذلک سے بھی یہ حکم ثابت ہے۔

اس آیت میں اہل قرابت و مسکین و مسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والے کو ان پر احسان جتانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ ان کا حق اس کے ذمہ فرض ہے، دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا ہے۔ (معارف القرآن ص ۷۵۴ ج ۵ (مکتبہ مطفاتیہ دیوبند) مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

(۸) فات ذالقربیٰ حقه والمسکینُ وابن السبیل ط ذلک خیر للذین یریدون وجه الله واولئک هم المفلحون O (سوۂ روم آیت نمبر ۳۸ ع نمبر ۷ پ ۲۱)

ترجمہ:۔ پھر قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

معارف القرآن میں ہے: آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کو اور بقول حسن بصریؒ ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو، اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے، اول ذی القربیٰ، دوسرے مساکین تیسرے مسافر، کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دو اور ان پر خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل وانصاف ہے کوئی احسان وانعام نہیں ہے۔

اور ذوی القربیٰ سے مراد ظاہر ہے کہ عام رشتہ دار ہیں، خواہ ذو رحم محرم ہوں یا دوسرے (**کما هو قول الجمهور من المفسرین**) اور حق سے مراد بھی عام ہے خواہ حقوق واجبہ ہوں جیسے ماں، باپ، اولاد اور دوسرے ذوی الارحام کے حقوق یا محض تبرع واحسان ہو رشتہ داروں کے ساتھ بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے، یہاں تک کہ امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذوی الارحام رشتہ دار محتاج ہوں وہ ان کو چھوڑ کر دوسروں پر صدقہ کرے تو اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، اور ذوی القربیٰ کا حق صرف مالی امداد ہی نہیں ان کی خبر گیری، جسمانی خدمت اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم زبانی ہمدردی اور تسلی وغیرہ جیسا کہ حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ کا حق اس شخص کے لئے جس کو مالی وسعت حاصل یہ ہے کہ مال سے ان کی امداد کرے اور جس کو یہ وسعت حاصل نہ ہو اس کے لئے جسمانی خدمت اور زبانی ہمدردی ہے (قرطبی) (معارف القرآن ج ۶ ص ۷۳۷، مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۹) واذا حضر القسمة اولوا القربیٰ والیتمیٰ والمسکین فارزقوهم وقولو الهم قولاً

معروفا O (سورہ نساء آیت نمبر ۷ پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۳)

ترجمہ: اور جب (وارثوں میں ترکہ کے) تقسیم ہونے کے وقت آموجود ہوں رشتہ دار (دور کے) اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو بھی اس (ترکہ) میں سے (جس قدر بالغوں کا ہے اس میں) سے کچھ دے دو اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو (حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

فوائد عثمانی میں ہے: یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے اور اگر مال میراث میں سے کھلائے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے، اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں، ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامیٰ اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔ (فوائد عثمانی)

(۱۰) **فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم.** (سورۂ محمد آیت نمبر ۲۲، رکوع نمبر ۷ پ ۲۶)

ترجمہ: سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع قرابت کر دو۔ (ترجمہ از حضرت تھانویؒ)

تفسیر معارف القرآن میں ہے، لفظ تولّٰی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اعراض دوسرے کسی قوم وجماعت پر اقتدار حکومت، اس آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنی لئے ہیں...... ابوحیان نے بحر محیط میں اسی کو ترجیح دی ہے اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ سے روگردانی کی جن میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے جس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع ارحام ہے جیسا کہ جاہلیت کے ہر کام میں اس کا مشاہدہ ہوتا تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر چڑھائی اور قتل وغارت کرتا تھا اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں زندہ درگور کر دیتے تھے، اسلام نے ان تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا۔ الیٰ قولہ۔ اور روح المعانی قرطبی وغیرہ میں اس جگہ تولی کے معنی حکومت اور امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو، یعنی اس حالت میں تمہیں ملک وقوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قرابتوں کو توڑ ڈالو گے۔

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

اور لفظ ارحام رحم کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے، چونکہ عام رشتوں، قرابتوں کی

بنیاد وہیں سے چلتی ہے اس لئے محاورات میں رحم بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال کیا جاتا ہے، تفسیر روح المعانی میں اس جگہ اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ ذوی الارحام اور ارحام کا لفظ کن کن قرابتوں پر حاوی ہے، اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ اور دوسرے دو اصحاب سے اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کریں گے اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قطع کردیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ اقوال وافعال اور مال کے خرچ کرنے میں احسان کا سلوک کرنے کا تاکیدی حکم ہے، حدیث مذکور میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس آیت قرآن کا حوالہ بھی دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں اس کے علاوہ ظلم اور قطعہ رحمی کے برابر نہیں (رواہ ابوداؤد والترمذی، ابن کثیر) اور حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ قرابت کے حق کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے جب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، صحیح بخاری میں ہے **لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها** یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے (ابن کثیر) (معارف القرآن ص ۴۱، ص ۴۲، ج ۸۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۱۱) ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوآ اولی القربیٰ والمسکین والمھجرین فی سبیل اللہ والیعفوا ولیصفحوا ط الا تحبون ان یغفر اللہلکم ط و اللہغفور رحیم .(قرآن مجید، سورہ نور آیت نمبر ۲۲ پ نمبر ۱۸، رکوع نمبر ۹)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے (سوتم بھی اپنے قصور واروں کو معاف کردو) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں (سوتم کو بھی تخلق باخلاق الٰہیہ چاہئے)

فوائد عثمانی میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہوگئے، ان میں ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں، قصہ ''افک'' سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے، جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہوچکی تو حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا، شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی یہ صورت پیش آئی ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں، ان کا ظرف بہت بڑا، ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں بڑی جوانمردی تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے

والوں کی اعانت سے دستکش ہوجانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو، اس کا کفارہ ادا کردو، تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگذر کرو ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگذر کرے گا، کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگذر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خو اختیار کرنی چاہئے، گویا اس میں تخلیق باخلاق اللہ کی تعلیم ہوئی، احادیث میں ہے کہ جب ابوبکرؓ نے سنا "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم" (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کردے) تو فوراً بول اٹھے "بلیٰ یا ربنا انا نحب" بے شک اے پروردگار ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی، (فوائد عثمانی، سورۂ نور آیت نمبر ۲۲ پارہ نمبر ۱۸)

یہ ہیں مکارم اخلاق، جن کی تعلیم امت کو دی گئی ہے، یہاں تک بطور نمونہ کچھ آیات بیان کی گئی۔

احادیث مبارک میں بھی مختلف پیرایوں سے صلہ رحمی کی اہمیت اور اس پر اجر و ثواب اور قطع رحمی کی مذمت اور اس پر شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... ان صلة الرحم محبة فی الاھل مثراة فی المال منسأة فی الاثر، رواہ الترمذی. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (رشتہ داروں سے اچھا سلوک (صلہ رحمی) کرنا خاندان میں محبت، مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے۔ (ترمذی شریف ص ج ۲ ص ۱۹ باب ماجاء فی تعلیم النسب)

(۲) عن انس رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یبسط لہ رزقہ وینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ. متفق علیہ. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹ باب البرو والصلة الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص روزی میں وسعت اور فراخی چاہتا ہو اور اس کی یہ خواہش ہو کہ دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو اور اس میں برکت ہو) تو اسے چاہئے کہ رشتے داروں سے صلہ رحمی کرے۔

رشتے داروں سے صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے طاعات کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور زندگی کی قیمتی لمحات ایسے کاموں میں گذرتے ہیں جو آخرت میں نفع بخش ہوں بیکار کاموں میں وقت ضائع کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے اس کے انتقال کے بعد لوگ اس کا ذکر خیر کرتے ہیں اور اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

احدھما ان الزیادۃ بالبرکة فی العمر بسبب التوفیق فی الطاعات وعمارۃ اوقاتہ بما ینفعہ فی الاخرۃ وصیانتھا عن الضیاع وغیر ذلک. الی قولہ. ایضاً وثالثھا ان المراد بقاء ذکرہ الجمیل بعدہ فکانہ لم یمت (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۱۶۵ ملتانی)

معارف الحدیث میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مد ظلہم العالی مذکور حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں جا بجا یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی ساتھ حسن سلوک ومبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے...... صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ورحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متأثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح وطمانینت اور خوشدلی کے ساتھ گذرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔ (معارف الحدیث ص ۶۴ ص ۶۵، جلد نمبر ۶)

(۳) عن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم یقول قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی فمن وصلها وصلته (ای الیٰ رحمتی او محل کرامتی) ومن قطعها بتته : (ترمذی شریف ص ۱۳، جلدنمبر ۲)(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البرو الصلة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عوفؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں، میں نے رشتہ پیدا کیا اور اپنے نام سے ان کا نام نکالا پس جو اس کو جوڑے گا اس کو میں اپنی (رحمت سے) جوڑوں گا، اور جو اسے کاٹے گا میں اس کو (اپنی رحمت خاصہ سے) الگ کروں گا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: **ولا خلاف ان صلة الرحم واجبة فی الجملة وقطيعتها معصية كبيرة وللصلة درجات بعضها ارفع من بعض وادناها ترک المها جرة وصلتها بالكلام ولو بالسلام.**

فی الجملہ صلہ رحمی واجب ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، صلہ رحمی کے درجات ہیں، بعض، بعض سے ارفع ہیں۔ صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بات چیت بند نہ کرے (کسی وجہ سے بات چیت بند ہو جائے تو) صلہ رحمی یہ ہے کہ آپس میں بات چیت شروع کر دے، اگر چہ سلام ہی سے ہو۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۹۶ ج ۹)

(۴)عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تنزل الرحمة علیٰ قوم فیه قاطع رحم ،رواه البیهقی فی شعب الا یمان .(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ ،باب البر و الصلة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس قوم میں قطع رحمی کرنے والا ہو اس قوم (جماعت) پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: قال التور پشتی یحتمل انه اراد بالقوم الذین یساعدونه علی قطیعة الرحم ولا ینکرون علیه ویحتمل ان یراد بالرحمة المطر ای یحبس عنهم المطر بشؤم القاطع.

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: مراد وہ قوم ہے جو قطع رحمی کرنے والے کی مدد کرتی ہو اور قطع رحمی کرنے کے باوجود اس پر نکیر نہ کرتی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ رحمت سے بارش مراد ہو، قطع رحمی کرنے والے کی وجہ سے بارش روک دی جاتی ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۲ ج ۹)

غور کیجئے! کتنی سخت وعید ہے قاطع رحم کو جو گناہ ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے، جو لوگ اس پر اس کی مدد کرتے ہیں وہ بھی رحمت خداوندی سے محروم ہو جاتے ہیں، اعاذنا اللہ۔

(۵)عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ید خل الجنة قاطع ، متفق علیه .(مشکوٰۃ شریف ایضاً ص ۴۱۹)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(۶)عن عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ید خل الجنة منان ولا عاق ولا مد من خمر (ای شاربها من غیر توبة ایضاً رواه النسائی والدارمی) (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، احسان جتلانے والا والدین یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کرنے والا اور شراب پینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

قال التور پشتی محمل هذا انه لا ید خل مع الفائزین او لا ید خل حتی یعاقب بما اجترحه من الا ثم بکل واحد من الا عمال الثلا ثة قلت لا بد من تقیید ه بالمشیئة لقوله تعالیٰ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء بشفاعة او بغیر ها.

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ یہ شخص فائزین (کامیاب ہونے والوں جن کو ابتداء ہی سے جنت میں داخل ہونا نصیب ہوگا) کے ساتھ داخل نہ ہوگا یا اپنے اس عمل بد کی سزا بھگتے بغیر جنت میں داخلہ نصیب نہ ہوگا، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا کسی کی شفاعت سے معاف فرمادیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۲ ج ۹)

(۷)عن ابن بکرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ذنب احری ان یعجل اللہ لصاحبہ العقوبۃ فی الدنیا مع مایدخر فی الا خرۃ من البغی وقطیعۃ الرحم رواہ الترمذی (مشکوۃ شریف ص ۴۲۰ ایضاً

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ظلم اور قطع رحمی سے زیادہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس گناہ کرنے والے کو جلد دنیا میں سزا دی جاتی ہو۔اس عذاب کے ساتھ جو اس کے لئے اخرت میں بطور ذخیرہ رکھا گیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

ف:۔ یعنی یہ دو گناہ ظلم اور قطع رحمی ایسی ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہوگا وہ تو ہوگا ہی آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی سزا بہت جلد ملتی ہے،ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہر گناہ کی جب چاہے مغفرت فرمادیتے ہیں مگر والدین کی قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے پہلے دے دیتے ہیں (مشکوۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ ہر گناہ کی سزا اللہ جل شانہٗ آخرت پر مؤخر فرمادیتے ہیں،لیکن والدین کی نافرمانی کی سزا کو بہت جلد دنیا میں دے دیتے ہیں (جامع الصغیر) بہت سی احادیث میں یہ بھی مضمون ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن رحم (قرابت) کو زبان عطا فرمادیں گے وہ عرش معلی کو پکڑ کر درخواست کرتا رہے گا کہ یا اللہ جس نے مجھے ملایا تو اس کو ملاء اور جس نے مجھے قطع کیا تو اس کو قطع کر۔بہت سی احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ رحم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالا گیا ہے جو اس کو ملائے گا رحمٰن اس کو ملائے گا جو اس کو قطع کرے گا رحمٰن اسے قطع کرے گا،ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو،ایک حدیث میں ہے کہ ہر پنجشنبہ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال پیش ہوتے ہیں،قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا (درمنشور)۔

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ قطع رحمی اس قدر بدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دور کردیتا ہے،اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اس سے بہت جلد توبہ کرے اور صلہ رحمی کا اہتمام کرے،حضور کا ارشاد ہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں ہے کہ جس کا بدلہ بہت جلد ملتا ہو،اور قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے۔جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں جلدی نہ مل جاتا ہو (تنبیہ الغافلین) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع میں تشریف فرماتھے،فرمانے لگے میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو تو وہ چلا جائے ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لئے بند ہوجاتے ہیں (ترغیب) یعنی اس کی دعا آسمان پر نہیں جاتی،اس سے پہلے ہی دروازہ بند کردیا جاتا ہے،اور جب اس کے ساتھ ہماری دعا ہوگی تو وہ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے رہ جائے گا،ان کے علاوہ بہت سی روایات سے یہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور دنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والا دنیا میں بھی ایسے مصائب میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے،اور اپنی حماقت اور جہالت سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ اتنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے،اس کی تلافی نہ کرے،اس کا بدل نہ کرے،اتنے اس آفت اور

عذاب سے جس میں مبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی، چاہے لاکھ تدبیریں کرے، اور اگر کسی دنیوی آفت میں مبتلا ہوجائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بددینی میں خدا نہ کرے مبتلا ہوجائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کرے، حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے محفوظ فرمائے آمین۔ (فضائل صدقات ص ۲۱۸، ص ۲۱۹ حصہ اول، تیسری فصل، حدیث نمبر ۱۰)

(۸) روی البیھقی عن عائشة...... فقال هذه الليلة ليلة النصف من شعبان ولله فيها عتقاء من النار بعد دشعر غنم كلب لا ينظر الله فيها الىٰ مشرك ولا الىٰ مشاحن ولا الى قاطع رحم ولا الىٰ مسبل ازا ولا الىٰ عاق والديه ولا الىٰ مد من خمر. (بحواله الجواهر الزواهر . مترجم ص ۵۸۰ جلد نمبر ۱ بیسویں بصیرت ماثبت بالسنة ص ۲۰۳ ،فضائل الايام والشهور ص ۷۵)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے...... (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میرے پاس حضرت جبرائیلؑ آئے) اور کہا آج شب برات ہے اور آج رات میں بنوکلب کی بکریوں کے اون اور بالوں کے برابر اللہ تعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے دوزخی چھوٹیں گے، البتہ جو مشرک ہوگا اور جو کینہ ور ہوگا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور ٹخنہ سے نیچے لٹکا ہوا کپڑا پہنے گا اور جو والدین کا نافرمان ہوگا، اور جو شخص شراب خوری کا عادی ہوگا اللہ تعالیٰ (آج مبارک رات میں بھی) ان کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا)

قطع رحمی کرنے والوں سے صلہ رحمی کرنا

(۹) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس الواصل بالمكافى ولكن الواصل الذى اذا قطعت رحمه وصلها. رواه البخارى (باب البر والصلة الفصل الاول مشكوٰة شريف ص ۴۱۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کامل صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلہ دینے والا ہو (یعنی احسان کے بدلہ میں احسان کرتا ہو) کامل صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے جب اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔

(۱۰) صل من قطعک واحسن الی من اساء اليک وقل الحق وان كان علىٰ نفسک (جامع الصغير للعلامة) (سيوطیؒ ص ۳۷ ج ۲ حرف الصاد)

ترجمہ: جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو اور سچی بات کہو اگر چہ تمہارے خلاف ہو۔

(۱۱) عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رجلاً قال یا رسول الله، ان لی قرابة اصلهم...... ويقطعونى واحسن اليهم ويسيئون الى واحلم عنهم يجهلون على فقال لئن.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا، یارسول اللہ! میرے قرابت دار ہیں میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں، میں

ان سے حسن سلوک کرتا ہوں۔

(۱۲) کنت کما قلت فکانما تسفهم الملّ ولا یزال معک من اللّٰہ ظهیر مادمت علیٰ ذلک رواہ مسلم ،(باب البر والصلة الفصل الاول مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹)

ترجمہ: وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم (اور بردباری) کا برتاؤ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت برتتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کو ریت پھنکار رہے ہو اور جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا ایک مددگار (فرشتہ) رہے گا۔

درمختار میں ہے:

(۱۳) وصلة الرحم واجبة ولو) کانت (بسلام وتحیة وهدیة) ومعاونة ومجالسة ومکالمة ومعاونة ومجالسة ومکالمة وتلطف واحسان ویزور هم غباً لیزید حباً بل یزور اقرباءہ کل جمعة او شهر ولا یرد حاجتهم لا نه من القطیعة فی الحدیث ان اللّٰہ یصل من وصل رحمه ویقطع من قطعها وفی الحدیث صلة الرحم تزید فی العمر و تمامه فی الدر ر (درمختار)

ترجمہ: اور صلہ رحمی واجب ہے اگر چہ صلہ رحمی سلام کرنے اور دعا دینے اور ہدیہ پیش کرنے اور مدد کرنے اور ان کے ساتھ ہمنشینی اور باہم بات چیت کرنے اور مہربانی کرنے اور احسان کرنے کے ساتھ ہو اور رشتہ داروں سے ایک دن چھوڑ کر ملاقات کرے (یہ نہ ہو سکے تو) ہر جمعہ یا ہر مہینہ میں ملاقات کرے تا کہ محبت زیادہ ہو اور ان کی حاجت کو نہ روکے اس لئے کہ حاجت روائی نہ کرنا قطع رحمی میں داخل ہے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو (اپنی رحمت خاصہ سے) جوڑتا ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے، اور جو قطع رحمی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت خاصہ سے الگ کر دیتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی کرنا عمر کو زیادہ کرتا ہے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے، شامی میں ہے۔

(قوله وصلة الرحم واجبة) نقل القرطبی فی تفسیرہ اتفاق الامة علی وجوب صلتها وحرمة قطعها للادلة القطعیةمن الکتاب والسنة علی ذلک قال فی تبیین المحارم واختلفوا فی الرحم التی یجب صلتها قال قوم هی قرابة کل ذی رحم محرم وقال آخرون کل قریب محرما کان او غیرہ اھ والثانی ظاهر اطلاق المتن قال النووی وفی شرح مسلم وهو الصواب واستدل علیه بالاحادیث نعم تفاوت درجاتها ففی الوالدین اشد من المحارم وفیم اشد من بقیة المحارم وفی الا حادیث اشارة الیٰ ذلک کمابینه' فی تبیین المحارم (قوله ولو کانت بسلام الخ) قال فی تبیین المحارم وان کان غائبا یصلهم بالمکتوب فان قدر علی المسیر الیهم کان أفضل وان کان له والدان لا یکفی المکتوب ان اراد امجیئه وکذا ان احتاجا الیٰ خدمته (قوله ویزورهم غبا)...... لکن فی شرح الشرعة هو ان تزوریوماً وتدع یوما ولما کان فیه نوع عسر عدل الیٰ ما هو اسهل من الغب فقال بل یزور اقرباءہ فی کل جمعة او شهر علی ماورد فی بعض الروایات.

(قوله وصلة الرحم واجبة) امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں صلہ رحمی کے وجوب اور قطع رحمی کے حرام

ہونے پر امت کا اجماعت نقل کیا ہے اس باب میں کتاب وسنت کی ادلۂ قطعیہ کی بنیاد پر، تبیین المحارم میں فرمایا ہے، جن قرابت داروں سے صلہ رحمی واجب ہے ان کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ایسے رشتے دار مراد ہیں جو ذی رحم محرم ہوں اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے قریبی رشتہ دار مراد ہے محرم ہو یا نہ ہو، دوسرا قول متون کے مطابق ہے، علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا ہے یہی صواب ہے اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے، ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ صلہ رحمی کی درجات ہیں چنانچہ تمام رشتہ داروں کی بہ نسبت صلہ رحمی اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ تاکیدی حکم والدین کے ساتھ ہے اور احادیث میں اس طرف اشارہ بھی ہے **(قوله ولو كانت بسلام)** تبیین المحارم میں ہے اگر رشتہ دار غائب ہوں (یعنی کسی اور جگہ رہتے ہوں) تو خط لکھ کر صلہ رحمی کرے، اور اگر ان کے پاس جا سکتا ہو تو جانا افضل ہے اگر کسی کے والدین ہوں اور ان کی خواہش ملاقات کی ہو تو خط لکھنا کافی نہیں ہوگا، اور اسی طرح اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی خدمت کرے، **(قولہ ویزور هم غبا)**...... شرح شرعہ میں ہے کہ ایک دن کے ناغہ سے ملاقات کریں اس میں اگر دشواری ہو تو ہر ہفتہ میں یا ہر مہینہ میں اپنے اقرباء کی ملاقات کرے جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ (درمختار ورد المحتار المعروف بہ شامی ص ۳۶۲ و ص ۳۶۳ ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ (فصل فی البیع)

غایۃ الاوطار میں ہے: صلہ رحمی میں دس فضیلتیں ہیں (۱) خوشنودی حق تعالیٰ کی (۲) ادخال سرور (۳) فرشتوں کا خوش کرنا (۴) نیک نامی (۵) شیطان کو غمگین کرنا (۶) عمر کا زیادہ ہونا (۷) رزق میں برکت ہونا (۸) سرور اموات (مردوں کی روح خوش ہوتی ہے) (۹) محبت زیادہ ہونا (۱۰) ثواب زیادہ ہونا، موت کے بعد اس واسطے کہ جب اس کا احسان یاد کریں و دعاء خیر کریں گے، زیادت عمر کی تاویل میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک زیادہ حقیقی مراد ہے اور بعضوں نے کہا کہ بعد موت کے اس کا ثواب لکھا جاتا ہے تو گویا وہ زندہ ہے اور بعضوں نے کہا کہ لوح محفوظ میں طول عمر، صلح رحمی پر معلق ہے، کذا فی الطحطاوی، بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ رحم یعنی قرابت عرش سے متعلق ہے کہتی ہے جو مجھ سے جوڑے اللہ اس سے جوڑے گا اور جو مجھ سے توڑے اللہ اس سے توڑے گا اور بخاری میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کو اپنے رزق کی کشادگی اور اپنی موت کی تاخیر خوش معلوم ہو وہ اپنی برادری سے احسان کرے اور ترمذی میں روایت ہے کہ اپنے انساب کو سیکھو تا کہ اپنے (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی کرو اس واسطے کہ صلہ رحمی سے قرابت والوں سے محبت ہوتی ہے اور مال میں برکت اور موت میں تاخیر ہوتی ہے اور نسائی میں سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ محتاج کی خیرات میں (یعنی کسی محتاج اور ضرورت مند کی امداد کرنے میں فقط ایک ثواب ہے خیرات (یعنی صدقہ) کا اور قرابت والے کو دینے میں دو ثواب ہیں ایک خیرات کا اور دوسرا صلہ رحمی کا کذا فی تیسر الوصل۔ (غایۃ الاوطار، ترجمہ درمختار ص ۲۳۸ ج ۴، کتاب الحظر والاباحۃ)

غور کیجئے! قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کی کس قدر اہمیت بیان فرمائی گئی ہے اور کس کس پیرایہ سے اس کی ترغیب ہے، درمختار وشامی کے جزئیات بھی قابل عمل ہیں اگر مسلمان ان تعلیمات پر عمل کریں تو ان کے گھر جنت کا نمونہ بن جائیں اور ان کی زندگی پر سکون اور خوشگوار ہو جائے، درحقیقت صلہ رحمی میں بڑے منافع ہیں اگر رشتہ داروں

میں آپس میں تعلقات اچھے ہوں ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہوں تو دلوں میں الفت ومحبت اور ایک دوسرے کی ہمدردی، غم خواری پیدا ہوتی ہے، ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور ہاتھ بٹانے کا موقع ملتا ہے اور بڑے بڑے مشکل کام اور اہم امور آسانی سے پورے ہوجاتے ہیں، اور قطع رحمی اور تعلقات کی کشیدگی کی وجہ سے پریشانیاں بے چینی اور بے اطمینانی کی صورت ہے وہ ختم ہوسکتی ہے، مسلمانوں کو ایسی پاکیزہ تعلیم کی قدر کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھ کر دل وجان سے عمل کرنا چاہئے کہ آخرت کا اجر وثواب بھی ملتا ہے اور دنیوی زندگی میں بھی سکون حاصل ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اگر کبھی خدانخواستہ آپس میں رنجش ہوجائے تو جلد از جلد اسے ختم کرکے تعلقات استوار کرلینا چاہئے اور آپس میں بات چیت، صلہ رحمی اور حسن سلوک شروع کردینا چاہے، یہی اسلامی تعلیم ہے اور اسی میں ہماری کامیابی اور نجات ہے، اس کے برعکس رنجش قائم رکھنا اور تین دن سے زیادہ بات چیت اور سلام کلام بند رکھنا بالکل ناجائز اور حرام ہے اور خود کو رحمت خداوندی اور مغفرت الٰہی سے محروم کرنا ہے، احادیث میں بات چیت بند کردینے سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حدیث میں ہے۔

(۱۲) عن ابی ایوب الانصاری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یحل للرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام متفق علیہ (بخاری ، مسلم ، مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۷ باب ماینھی عنہ من التھا جروا لتقاطع)

ترجمہ: حضرت ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے (یعنی بات چیت بند کردے) کہ دونوں کا آمنا سامنا (ملاقات) ہوتو ایک ادھر کو منہ پھیرے اور دوسرا ادھر کو منہ پھیرے اور دونوں میں بہترین شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: یہ جو حدیث میں ہے کہ تین روز سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ کرے یہ مطلقاً نہیں اگر فساق سے بوجہ فسق کے احتراز کرے تو کوئی حرج نہیں یعنی دین کے واسطے دواما بھی بغض فی اللہ جائز ہے، البتہ دنیاوی معاملات میں کسی سے رنجش رکھنا اس کے لئے تین دن کی حد ہے، اگر احتراز وقار کے واسطے ہو کہ کسی سے تعلق رکھنا شان کے خلاف ہے تو اس میں کبر کا شائبہ ہے۔

(ملفوظات معروف بہ ''کلمۃ الحق'' جلد ہشتم ص ۱۲۷)

(۱۳) عن ابی خراش السلمی انہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من ھجر اخاہ سنۃ فھو کسفک دمہ رواہ ابو دائود (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸ باب ما ینھی عنہ من التھا جر)

ترجمہ: حضرت ابوخراش سلمیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے رکھا، (بات چیت بند اور تعلقات توڑے رکھے، تو اس نے گویا اپنے بھائی کا خون کردیا۔)

غور کیجئے! اپنی قبر اور آخرت کی فکر کیجئے، ایک سال تک بات چیت بند رکھنے اور تعلقات منقطع کرنے پر کتنی

سخت وعید ہے، اتنی سخت وعیدوں کے بعد بھی ہم اس پر عمل نہ کریں تو ہمارے گھروں میں کہاں سے چین وسکون آئے گا، اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(۱۴) عن ابی هريرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يفتح ابواب الجنة يوم الاثنين ويوم الخميس فيغفر لكل عبد لا يشرك بالله شيئاً الا كانت بينه وبين اخيه شحناء فيقال انظروا هذين حتیٰ يصطلحا رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۷، ص ۴۲۸ باب ما ينهى عنه من التهاجر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو، ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو، یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں۔

کون سا مسلمان ہوگا جو اپنے گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا خواہش مند نہ ہو، یقیناً ہر مسلمان کی یہی خواہش ہوتی ہے خود بھی دعا کرتا رہتا ہے اور دوسروں سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہے کہ اللہ پاک ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں، ہمارے مغفرت فرمادیں، اب حدیث بالا کو عبرت کی نگاہ سے پڑھئے! بات چیت بند کرنے اور دل میں اپنے بھائی کی طرف سے کینہ رکھنے کی بنیاد پر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے بلکہ مبارک اور بڑی راتوں میں بھی اس کی مغفرت نہیں ہوتی (حدیث نمبر ۸ ملاحظہ کیجئے) اتنی سخت وعیدوں کے باوجود ہم بات چیت سلام کلام شروع کرنے اور صلہ رحمی کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو ہم سے زیادہ بدنصیب اور سخت دل کون ہوگا، ایسی وعیدوں کو سن کر ہمارے دل نرم ہونے چاہئے اور اپنی قبر اور آخرت کی فکر پیدا ہونی چاہئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بات چیت کی ابتدا کریں گے تو ہماری ناک نیچی ہوجائے گی، ہماری ناک کٹ جائے گی، بھائیو! آپ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے ابتدا کر کے دیکھو نہ ناک نیچی ہوگی، نہ ناک کٹے گی بلکہ اللہ تعالیٰ مزید عزت اور سربلندی عطا فرمائے گا، انشاء اللہ، حدیث میں ہے من تواضع لله رفعه الله جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں، اس پر یقین کر کے رضاء الٰہی کے لئے آگے بڑھئے انشاء اللہ بہترین نتائج سامنے آئیں گے، اگر آپ قصوروار ہیں، حق ادا کر دینا بہت آسان ہے آخرت کا معاملہ بہت سخت ہے، اور اگر آپ بے قصور ہیں تب بھی اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے نفس کو مار کر سلام میں پہل کیجئے، انشاء اللہ دنیا اور آخرت بن جائے گی۔

کسی نے خوب کہا ہے

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

کسی اور نے بھی خوب کہا ہے

سالہا تو سنگ باشی دل خراش
آزمودہ یک زمانہ خاک باش

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ برنگ

یعنی:۔تو برسہا برس تک دل خراش پتھر بنا رہا،کم از کم آزمانے کے لئے اب تھوڑی دیر کے لئے مٹی ہو جا (یعنی تواضع اختیار کر اور اپنا تکبر اور سنگ دلی چھوڑ دے)موسم بہار میں پتھر سرسبز شاداب کیسے ہوسکتا ہے(سرسبزی اور شادابی کے لئے تو مٹی کی ضرورت ہے لہذا تو بھی)مٹی بن جا،تاکہ اس پر رنگ برنگ کے پھول کھلیں۔

لہذا اگر کسی پر ظلم کیا ہو یا کسی کا کوئی مالی حق دبا رکھا ہو تو اولین فرصت میں معافی مانگ لینا چاہئے اور حق ادا کردینا چاہئے اور دنیا ہی میں معاملہ صاف کرلینا چاہئے اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مظلوم کی بددعا رد نہیں فرماتے ،حدیث میں ہے۔

(۱۵)عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک ودعوۃ المظلوم فانما یسأل اللہ تعالیٰ حقہ، وان اللہ لا یمنع ذا حق حقہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵ باب الظلم)

ترجمہ:حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:مظلوم کی بددعا سے بچو وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

(۱۶)عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا ترد دعوتھم الصائم حین یفطر والامام العادل ودعوۃ المظلوم یرفعھا اللہ فوق الغمام ویفتح لھا ابواب السماء ویقول الرب وعزتی لا نصرنک ولو بعد حین.(ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹۹ ابواب الدعوات) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵ کتاب الدعوات)

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی ایک روزہ دار کی افطار کے وقت دوسرے عادل بادشاہ کی دعا،تیسرے مظلوم کی جس کو حق تعالیٰ شانہ بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری ضرور مدد کروں گا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہو جائے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

یعنی:۔مظلوم کی آہ سے ڈرتا رہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد(بددعا) کرتا ہے تو حق تعالیٰ کے دربار سے قبولیت اس کے استقبال کے لئے آتی ہے(یعنی اس کی بددعا رد نہیں ہوتی)

یہ ہے مظلوم کی بددعا کا مقام دربار الٰہی میں،لہذا مظلوم کی بددعا کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے ظلم وستم سے باز آ کر اس کی بددعا سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

الغرض آپس میں صلح رحمی اور اچھے تعلقات رکھنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور بڑے

اجر وثواب کا حق دار ہوتا ہے اور باہمی فساد اور قطع تعلقات سے دنیا اور آخرت خراب ہو جاتی ہے، اجر وثواب اور دین برباد ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے۔

(۱۷) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبر کم بافضل من درجة الصیام والصدقة والصلوٰة قال ، قلنا بلی ، قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین هی الحالقة (ای المزیلة للخیرات) روہ ابو داؤد والترمذی (مشکوٰة شریف باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات الفصل الثانی ص ۴۲۸).

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز کے درجہ سے بہتر ہے ہم نے عرض کیا ضرور! ارشاد فرمایا باہمی تعلقات کی درستگی اور باہمی فساد (ثواب اور نیکیوں کو) مونڈنے والا ہے۔

مذکورہ حدیث سے اصلاح ذات البین کا درجہ اور اس کی فضیلت معلوم ہوئی اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپس کی تعلقات کی درستگی کس قدر ضروری ہے اور فساد ذات البین (باہمی فساد) کس قدر نقصان دہ ہے کہ اس میں صرف دنیا کی بربادی نہیں آخرت کی بربادی بھی ہے، اعمال کے اجر وثواب کو ختم کر دیتی ہے۔

اصلاح ذات البین کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ٗ ان کنتم مؤمنین .(سورة الانفال آیت نمبر ۱ پارہ نمبر ۹)

ترجمہ: تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو (کہ آپس میں حسد اور بغض نہ رہے) اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر الدر المنثور میں ہے۔

واخرج ابن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابن مردویة والبیهقی فی شعب الایمان عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم قال هذا تخریج من اللہ علی المؤمنین ان یتقوا اللہ وان یصلحوا ذات بینهم الخ .(الدر المنثور ص ۱۶۱ ج۳)

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے اور بخاری نے الادب المفرد میں اور ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں اللہ تعالیٰ کے قول " فاتقو اللہ واصلحوا ذات بینکم " کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا " اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مکلف بنایا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

لوگوں کے باہمی اتفاق واتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوف خدا ہے:

اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ٗ

ان کنتم مؤمنین ط جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کو درست رکھو۔ الیٰ قولہ۔ اب ان کے دلوں کی اصلاح اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی تدبیر بتلائی گئی ہے جس کا مرکزی نقطہ تقویٰ اور خوف خدا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جب تقویٰ اور خوف خدا غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اڑ جاتے ہیں (الیٰ قولہ) اسی لئے اس آیت میں تقویٰ کی تدبیر بتلا کر فرمایا: اصلحوا ذات بینکم یعنی بذریعۂ تقوی آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو، اس کی مزید تشریح اس طرح فرمائی۔ واطیعوا اللہ ورسولہ ' ان کنتم مؤمنین . یعنی اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ یعنی ایمان کا تقاضا ہے اطاعت اور اطاعت کا نتیجہ ہے تقویٰ اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو ان کے آپس کی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمنی کی جگہ دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہو جائے گی؟ (معارف القرآن ص ۱۷۶، ص ۱۷۷ جلد نمبر ۴)

ایک حدیث میں اصلاح ذات البین کی فضیلت اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔

(۱۸) افضل الصدقة اصلاح ذات البین .

ترجمہ: افضل صدقہ آپس میں صلح کرا دینا ہے۔

(کتاب الشہاب فی الحکم والامثال والآداب مع ترجمہ جوامع الکلم لسید الامم ص ۱۴۵ حدیث نمبر ۹۷۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وصایا میں ہے: ''اس کے بعد اپنی سب اولاد کو مخاطب کیا، چست بن کر عبادت پر کمر بستہ رہو، اسلام ہی پر مرنا، سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا، آپس میں ملاپ رکھنا، حضور ﷺ نے فرمایا ہے آپس کا ملاپ نماز روزے سے بھی افضل ہے، رشتہ داروں کا خیال رکھنا، یتیموں، پڑوسیوں کی مدد کرنا الخ۔ (بحوالہ ''وصایا'' وصیت نامے) ص ۲۵ مرتب افتخار فریدی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اس موضوع پر ایک وعظ ہے۔ جس کا نام ''اصلاح ذات البین'' ہے پورا وعظ قابل مطالعہ ہے اس میں سے کچھ اقتباس ملاحظہ فرمائیے اما بعد '' فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایا کم وفساد ذات البین فانها هی الحالقة لا اقول انها تحلق الشعر ولکن تحلق الدین . یہ ایک حدیث ہے۔ یعنی ارشاد ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا جس میں آپ نے آپس کی خرابی ونا اتفاقی وفساد کے ضرر پر مطلع فرمایا ہے۔ الیٰ قولہ۔ حدیث میں فرماتے ہیں '' ایا کم وفساد ذات البین '' یعنی باہم تعلقات کے بگاڑنے سے بچو...... ایسا اختلاف جو فساد میں داخل ہو وہ مراد ہوگا، اس کے بعد ارشاد فرمایا '' هی الحالقة '' فساد باہمی سے بچو اس لئے کہ وہ مونڈنے والی چیز ہے لا اقول تحلق الشعر بل تحلق الدین میں یہ نہیں کہتا ہو کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے یعنی باہمی فساد سے دین برباد ہو جاتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ دین کا ضرر ایسا ضرر ہے جس سے دنیا کی راحت بھی برباد ہو جاتی ہے، پس فساد سے اول دین کا ضرر ہوتا ہے اور دین کے ضرر سے دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے، اور فساد سے دنیا کا برباد ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے مقدمات ودلائل کی ضرورت نہیں بلکہ مشاہدہ ہی کافی ہے۔ چنانچہ پہلا اثر فساد کا یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت پیدا ہو جاتی ہے ہر

شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے پھر عداوت میں ہر قسم کے ضرر کا احتمال ہوتا ہے گو دشمن ضعیف ہی ہو۔ بقول سعدیؒ

دانی کہ چہ گفت زال بارستم گرد
دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

یعنی: دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے، اس سے ہوشیار رہنا چاہئے ...... الیٰ قولہ۔ سو عداوت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اس کی فکر میں رہتا ہے اور یہ اس کی بس دق سی لگ جاتی ہے اور ہر شخص کا حال مدقوق سا ہو جاتا ہے، دونوں کے دل کو گھن لگ جاتی ہے پھر آگے عداوت کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے یہ اس کو، وہ اسے مالی اور جانی نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اور یہ اس کو یہ اس کی آبرو اتارنا چاہتا ہے وہ اس کی، یہاں تک کہ جائز ناجائز کا بھی خیال

نہیں رہتا، اب اگر کسی سے کہو کہ بھائی یہ طریقہ انتقام کا ناجائز ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم جائز و ناجائز ہی میں رہے تو دوسرا اچھی طرح سے کسر نکال لے گا جب دوسرے کو دین کی پروا نہیں تو ہم کیسے پروا کریں، اب دنیا کے ساتھ دین بھی برباد ہونے لگا۔ الیٰ قولہ۔ شیطان اسی لئے اس شخص سے بہت خوش ہوتا ہے جو میاں بی بی میں لڑائی کرادے، حدیث میں آتا ہے کہ شیطان شام کو دریا پر اپنا تخت بچھاتا ہے اس وقت سارے شطونگڑے اپنی اپنی کارروائی آ کر بیان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی نماز قضا کرادی ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی سے زنا کرادیا شیطان سب سے کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا (کیونکہ ان گناہوں کا کفارہ ایک توبہ استغفار سے ہوسکتا ہے) پھر ایک کہتا ہے کہ میں نے میاں بی بی میں لڑائی کرادی پھر وہاں سے ٹلا نہیں یہاں تک کہ شوہر نے بی بی کو طلاق ہی دے دی شیطان اس کو گلے سے لگا لیتا ہے اور بہت شاباشی دیتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا۔ اس میں راز یہ ہے کہ اگر دوسروں میں عداوت ہو تو اس کا اثر دور تک نہیں پہنچتا، اور میاں بی بی میں لڑائی اور طلاق ہو جائے تو دونوں کے خاندان میں جنگ ہو جاتی ہے، دو کی عداوت سے سو ۱۰۰ میں عداوت قائم ہو جاتی ہے، شیطان کو اتنی فرصت کہاں جو سو ۱۰۰ آدمیوں میں الگ الگ عداوت پیدا کرے، بس وہ دو میاں بی بی میں عداوت کرا دیتا ہے اس سے خود بخود دور تک سلسلہ پہنچ جاتا ہے۔ (التبلیغ کا وعظ نمبر ۱۱۲ مسمی بہ اصلاح ذات البین)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی فضائل رمضان میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۱۹) عن عبادة بن الصامت قال خرج النبی صلی الله علیه وسلم لیخبرنا بلیلة القدر فتلاحیٰ رجلان من المسلمین فقال خرجت لا خبر کم بلیلة القدر فتلاحیٰ فلان وفلان فرفعت وعسیٰ ان یکون خیراً لکم فالتمسوها فی التاسعة وا لسابعة والخامسة. (مشکوٰۃ عن البخاری)

ترجمہ: حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لئے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرمادیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی خبر کردوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو، لہذا اب اس رات کو نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

ف:۔اس حدیث میں تین مضمون قابل غور ہیں، امر اول جو سب سے اہم ہے وہ جھگڑا ہے، جو اس قدر سخت بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے شب قدر کی تعین اٹھالی گئی، اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا ضرور، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے، اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہوجاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہوجاتا ہے، دنیا دار دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر جب کہ بہت سے لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہروقت آپس کی لڑائی میں مبتلا رہتے ہیں، اول حضور ﷺ کے ارشاد غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لئے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی، فصل اول میں روزہ کے آداب میں گذر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے، لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پروا کرتے ہیں نہ اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال، خود اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے **ولا تنازعوا فتفشلوا الآیۃ** اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (بیان القرآن) آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچارہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہورہے ہیں، اور پھر دنیا کی ذلت بدیہی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھٹاؤ رکھے اگر اس حالت میں مرگیا تو سیدھا جہنم میں جاوے گا، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کے دن اللہ کی حضوری میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اور اللہ جل شانہٗ کی رحمت سے نیک اعمال کی بدولت مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کی مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے کہ شب برأت میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی ایک کافر دوسرا وہ جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں۔ یہ جگہ ان روایات کے احاطہ کی نہیں ہے مگر چند روایات اس لئے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عوام کا ذکر نہیں خواص میں اور ان لوگوں میں جو شرفاء کہلاتے ہیں، دیندار سمجھے جاتے ہیں ان کی مجالس، ان کے مجامع ان کی تقریبات اس کمینہ حرکت سے لبریز ہیں، **فالی اللہ المشتکی و اللہ المستعان** لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے، اگر کسی شخص کے فسق کی وجہ سے یا کسی دینوی امر کی حمایت کی وجہ سے ترک تعلق کرے تو جائز ہے، حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا تو ان کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً حدیث پر اعتراض تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مرتے دم تک ان سے نہیں بولے، اور بھی اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں،

لیکن اللہ تعالیٰ شانہ دانا وبینا ہیں قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں اس سے خوب واقف ہیں کہ کون سا ترک تعلق دین کے خاطر ہے اور کون سا اپنی وجاہت اور کسر شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے، ویسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے۔ (فضائل رمضان ص ۴۲، ص ۴۴، فصل ثانی، شب قدر کے بیان میں، حدیث نمبر ۵)

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے " **الاعتدال فی مراتب الرجال**." معروف بہ "اسلامی سیاست" میں بھی اس کے متعلق بہت مفید مضمون تحریر فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی یہاں نقل کر دیا جائے، اللہ پاک ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، ملاحظہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اس کی عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں (چھپ کر) کوئی عیب کرتا ہے تب بھی اس کو فضیحت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا اے وہ لوگو جن کی زبان پر اسلام ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، تم مسلمانوں کو نہ ستاؤ اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہو، جو شخص مسلمان کے عیب کے درپے ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری فرماتے ہیں اور جس کے عیب کو اللہ جل شانہ کھولنا چاہیں اس کو گھر کے اندر کئے ہوئے کام پر بھی رسوا کر دیتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور دیکھ کر فرمایا کہ تو کتنا بابرکت اور باعظمت گھر ہے لیکن اللہ کے نزدیک مسلمان کا احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے بھائی کی کسی تکلیف پر اظہار مسرت وخوشی نہ کر، (اگر ایسا کرے گا) تو حق تعالیٰ شانہ اس پر رحم فرما کر تجھے اس مصیبت میں مبتلا کر دیں گے (ترغیب)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو خوش اخلاق ہوں، اپنے بازوؤں کو نرم کرنے والے ہوں (یعنی ذرا ذرا سی بات پر اکڑنے اور آستینیں سوتنے والے نہ ہوں) الفت کرنے والے ہوں اور دوسروں کے درمیان تعلقات پیدا کرنے والے ہوں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میرے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلخوری کرنے والے ہوں، دوستوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوں اور جو لوگ بری ہوں ان کے لئے عیب جوئی کرنے والے ہوں۔ (ترغیب)

حضور کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے کسی ایسے عیب سے رسوا کرے جو تجھ میں ہے تو تو اس کے جواب میں بھی ایسے عیب سے اس کو رسوا نہ کر جو اس میں ہے تجھے اس کا اجر ملے گا اور اس کے کہنے پر وبال اس پر رہے گا۔ (ترغیب)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپس میں قطع تعلقات نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کرے (ترغیب)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اور ہر اس شخص کے لئے مغفرت کی جاتی ہے جو شرک نہ کرتا ہو، البتہ جن دو شخصوں میں کینہ اور عداوت ہو ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ابھی رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینے والا اپنی ہلاکت کا سامان کرنے والا ہے۔ (ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جہنم میں مقید فرما کر کہیں گے کہ اپنے کہے ہوئے کو سچا کر (ترغیب)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغل خوری کرنے والے ہوں، دوستوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کے لئے عیوب تلاش کرنے والے ہوں جو ان سے بری ہیں۔ (ترغیب)

حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھا اور اس میں اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کے خون اور آبروئیں اور مال تم پر ہمیشہ کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج اس محترم شہر محترم مہینہ اور محترم دن میں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جان و مال اور آبرو حرام ہے، ایک حدیث میں ہے کہ بڑے سے بڑے سود کے حکم میں ہے مسلمان کی آبروریزی کرنا اس مضمون میں کئی حدیثیں مختلف الفاظ سے ذکر کی گئی ہیں جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے مگر ہم لوگوں کے یہاں مسلمان کی آبروریزی اس قدر سہل ہے کہ معمولی سی بات پر بلکہ محض گمان اور احتمال پر اس کی آبروریزی میں ذرا بھی باک نہیں ہے، اللہ کی نزدیک مسلمان کی آبرو اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کو بدترین سود فرمایا ہے اور بہت ہی کثرت سے یہ مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بدترین سود کسی مسلمان کو دوسرے پر گالیوں کے ساتھ بڑھانا ہے (جامع) یعنی ایک کے وقار کو گالیاں دے کر گرایا جائے تاکہ دوسری کے وقار کو بڑھایا جائے، آج انصاف اور غور سے دیکھا جائے کہ جتنی جماعتیں بھی ہم لوگوں میں قائم ہیں سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر جماعت کے کتنے افراد ایسے ہیں جو دوسری جماعت کے اکابر کو خواہ وہ علماء ہوں یا لیڈر صرف اس لئے برا بھلا کہتے ہیں کہ ان کا وقار گرایا جائے اور اپنی جماعت کا وقار بڑھایا جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شخص اس کو برا بھی سمجھتا ہے اور برا کہتا بھی ہے دوسروں کی اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں منھ ڈال کر نہیں دیکھتا اپنی جماعت کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتا یہ کوئی نہیں سوچتا ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے یبصر احدکم القذی فی عین اخیہ ینسی الجذع فی عینہ (جامع) تم میں بعض آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، اس بات کو خوب غور سے سن لو، یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کی آبروریزی اللہ کے نزدیک سخت ہے اور بہت ہی سخت وعیدیں اس بارے میں آئی ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان کی آبرو میں بغیر حق

کے زبان درازی بدترین سود ہے (جامع) بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے وہاں جائز ہے اور جہاں جائز نہیں وہ بغیر حق کے ہے، ایک حدیث میں ہے کہ سود کا کمتر درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور بدترین سود مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے بہتر دروازے ہیں جن میں سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسا اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبروریزی میں زبان درازی ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر دروازے ہیں جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبرو ہے یعنی اس کی آبروریزی کرنا، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی آبروریزی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایک گالی کے بدلہ میں دو گالیاں دنیا میں کبیرہ گناہوں میں سے ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ جب میری امت ایک دوسرے کو آپس میں گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گرجائے گی۔ (رسالہ تبلیغ)

نبی اکرم ﷺ کا تو اس بارے میں اہتمام یہاں تک ہے کہ جماعت کے بڑوں سے معمولی لغزشوں کو نظر انداز کرنے کا بھی حکم ہے، چنانچہ ارشاد ہے **اقیلوا ذوی الھیئات عثراتھم الا الحدود** (جامع) ذی وجاہت لوگوں سے حدود کے سوا ان کی لغزشوں سے درگذر کیا کرو، یعنی اگر کوئی حد یعنی زنا چوری وغیرہ کا شرعی ثبوت ان پر ہو جائے تو دوسری بات ہے کہ ان چیزوں کے ثبوت کے بعد تو کسی کی بھی رعایت نہیں ہے، ان کے علاوہ ان کی معمولی لغزشوں سے درگذر کیا کرو، اور حدود کے بارے میں بھی جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس وقت تک کسی کو محض بدگمانی یا ذاتی مخالفت پر متہم کرنا جائز نہیں، سورۂ نور میں قرآن کا زنا کے بارے میں صاف فیصلہ ہے کہ اگر یہ لوگ چار عینی شاہد نہ لاویں تو یہ خود (شرعی قواعد میں) جھوٹے ہیں، لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ جس سے مخالفت ہو اس کے متعلق جیسا چاہے گندہ سے گندہ کارٹون طبع کرالو، جس قدر شرمناک مضمون چاہو اس کے متعلق لکھوالو، زانی اور شرابی کہہ دینا تو ایک معمولی سی بات ہے، شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو تہمت لگانے والوں کے اسی اسی کوڑے حد قذف (تہمت) لگاؤ، لیکن ہمارے یہاں الزام لگانے کے واسطے کسی شرعی شہادت کی ضرورت نہیں، حالانکہ کسی سچے الزام کے قائم کرنے کے واسطے بھی ایسے عادل گواہوں کی ضرورت ہے جن کی عدالت کا حال محقق ہو چہ جائیکہ خود ہی اپنی طرف سے افتراء کرلیا جائے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان بھی کبھی آدمی کی صورت میں ظاہر ہوکر جھوٹی بات کہہ دیتا ہے، مجمع اس کو سنتا ہے اور پھر وہ مجمع متفرق ہوکر اس کو کہنے لگتا ہے کہ میں نے خود ایک آدمی سے ایسا سنا ہے، میں اس کا نام تو جانتا نہیں صورت پہچانتا ہوں (مشکوٰۃ بروایت مسلم)

اس لئے محض کسی جلسہ میں کسی مجمع میں کسی نامعروف آدمی سے کوئی بات سن کر اس کا یقین کرلینا بھی زیادتی ہے تاوقتیکہ شرعی قواعد سے ثابت نہ ہو البتہ ایسے شخص کے متعلق احتیاط کرنا انتظاماً اس سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کردینا یہ امر آخر ہے، مگر اس پر حکم لگانا امر آخر ہے، اس کو غور سے سمجھ لینا چاہئے کہ کسی شخص سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کردینا یہ انتظاماً سیاسۃً احتیاطاً بھی ہوسکتا ہے مگر اس پر کسی الزام کو قائم کردینا یہ شرعی ثبوت ہی کا محتاج ہے، اور یہ فرضی الزامات عموماً انفرادی اور جماعتی حسد سے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے کا بڑھتا ہوا دیکھنا گوارہ نہیں ہوتا، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کینہ اور حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتے ہیں جیسے کہ آگ ایندھن کو کھالیتی ہے (جامع) حالانکہ یہ لوگ جو

محض بدگمانیوں سے دوسروں کے ذمہ الزام تراشتے ہیں اگر نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو غور سے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ ان الزامات سے اپنا بھی نقصان کرتے ہیں کہ جس قسم کا معاملہ یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں ویسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے **کما تدین تدان** . (مقاصد حسنہ) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ بھلائی اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور دیان (بدلہ دینے والی ذات یعنی حق تعالیٰ شانہٗ) کے لئے موت نہیں (وہ حی وقیوم ہے ہر شخص کے ہر فعل کو دیکھتا ہے) جیسے چاہو عمل کر لو جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے، ایک حدیث میں تورات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بدلہ پاؤ گے اور جس پیالہ سے دوسرے کو پلاؤ گے اسی پیالہ سے پیو گے (مقاصد حسنہ) ایک حدیث میں انجیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے اور جس ترازو سے تول کر دو گے اس ترازو سے تول کر تم کو دیا جائے گا (جامع الصغیر)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برادری کرتا ہے جس وقت اس کی اہانت کی جارہی ہو اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ ایسے وقت میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا، اور جو کسی مسلمان کی مدد ایسے وقت میں کرے گا جب کہ اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی اہانت کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ اس کو مدد کی ضرورت ہو (مشکوٰۃ)

حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں، ان کا ایک طویل قصہ حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے جس کے اخیر میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، یہ تمام چیزوں کے لئے زینت ہے (اور حقیقت میں جو شخص ہر امر میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر وہ کسی عیب یا مصیبت میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا) انہوں نے عرض کیا، کوئی اور بات بھی بتا دیجئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کی کثرت رکھا کرو کہ یہ آسمانوں میں تمہارے ذکر تذکرے کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے انوار کی کثرت کا سبب ہے انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اکثر چپ رہا کرو کہ یہ شیطان کے دفعیہ کا سبب ہے (کہ زبان کی بدولت وہ بہت سے ہلاکت کے مواقع میں پھنسا دیتا ہے) اور چپ رہنا دینی کاموں کے اہتمام میں معین ہے (کہ جس شخص کو فضول گوئی کا مرض ہوتا ہے بہت سے دینی کاموں سے محروم رہتا ہے) انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے احتراز کیا کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی رونق زائل ہو جاتی ہے، انہوں نے اور زیادتی چاہی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو چاہے کڑوی ہی معلوم ہو، انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروانہ کرو اور پھر اضافہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔ (مشکوٰۃ)

یہ اخیر کلام میرا اس جگہ مقصود ہے کہ ہم لوگ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی فکر میں رہتے ہیں اگر ہمیں اپنے عیوب پر نظر کا چسکہ پڑ جائے تو نہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ملے نہ ان کو پھیلانے کی ہمت پڑے کہ ہر وقت اپنے عیوب کا فکر دامنگیر رہے

مرا . پیر دانائے مرشد . شہاب
دو اندر . ز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں . مباش

(وصیت نامہ حضرت رائے پوری)

(الاعتدال فی مراتب الرجال معروف بہ اسلامی سیاست ص ۱۲۷ تا ص ۱۳۵)

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''ان چیزوں کا اجر (یعنی بڑوں، چھوٹوں کے حقوق کی رعایت کا اجر جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے) ارکان سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے، ارکان کی رکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہوسکتی ہے نیز اصلاح ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق وکریم اور رؤف ورحیم ہے لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو لہذا ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ نہایت اہم ہے۔'' (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۸، ملفوظ نمبر ۱۵۱، مرتب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم)

خلاصہ یہ ہے کہ آپس میں میل محبت سے رہنا اور اپنے دل کو حسد اور بغض اور کینہ سے پاک صاف رکھنا بہت ضروری ہے۔ حدیث میں ہے۔

(۲۰) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا کما امرکم اللہ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۶ باب تحریم الظن والنجش)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو، اور اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن کر رہو جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم فرمایا ہے۔

(۲۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لا حد فافعل ثم قال یا بنی ذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹا! اگر تم اس سے بات پر قدرت رکھتے ہو کہ تم اس حالت میں صبح وشام کرو کہ تمہارے دلوں میں کسی کی طرف سے کھوٹ (کینہ، کپٹ) نہ ہو تو تم ایسا ضرور کرو، پھر ارشاد فرمایا یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

دل کو بغض اور کینہ سے صاف رکھنا اتنا اونچا اور بڑا عمل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اہتمام کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی اور اسے اپنی سنت فرمایا، حدیث پاک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر مومن کی طرف سے دل صاف رکھنا چاہے جب ہر مومن کی طرف سے دل صاف رکھنے کا حکم ہے تو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دل صاف رکھنا کتنا ضروری ہوگا اس کا خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے یہ جواب مرتب ہوا، حق تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی ان زریں تعلیمات اور ہدایات پر عمل کرنے اور جملہ اہل ایمان کو آپس میں صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

اولاد کی تربیت کی خاطر ماں باپ سے علیحدہ رہنا:

(سوال ۸۰) شوہر بیوی دیندار ہیں اور ان کی ایک چھوٹی بچی ہے جو چار ماہ کی ہے اور ان کے گھر میں شوہر کے والدین ہیں لیکن وہ دیندار نہیں ہیں اور ان کے یہاں ٹی وی بھی ہے، شوہر کام پر جاتے ہیں اور بیوی جب تعلیم و اجتماع میں جاتی ہے تو بچی کو گھر میں سلا کر جاتی ہے لیکن جب وہ تعلیم یا اجتماع سے واپس لوٹتی ہے تو بچی کو ٹی وی کے پاس پاتی ہے یعنی اس کے ساس سسر بچی کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور سامنے ٹی وی چلتا رہتا ہے (صبح سے لے کر رات تک ٹی وی چلتا رہتا ہے) تو بچی کی نگاہ اس ٹی وی پر رہتی ہے، بیوی شوہر سے کہتی ہے کہ ہم الگ ہو کر رہیں گے تاکہ ٹی وی سے بچ جائیں، لیکن شوہر کو اپنے والدین کے پاس ہی رہنا ہے حالانکہ ان کے شوہر بھی دیندار ہیں تو اب کیا کیا جائے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اولاد ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت ہے ان کی صحیح تربیت اور بچپن ہی سے ان کو علم و ادب سے روشناس کرانا والدین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم (جدید ترتیب میں کتاب العلم والعلماء میں دیکھ لیا جائے۔ (ص ۱۴۶ تا ۱۵۲ از مرتب)

اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں گھر کے ماحول کو بڑا اثر ہوتا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا

فلا تلم الا ولا دفیھا علی الرقص

جب گھر کے بڑے لوگ ڈھول تاشہ بجاتے ہوں تو اس گھر میں اولاد کے ناچنے اور گانے بجانے پر ملامت مت کرو، ٹی وی، وی سی آر، خرابی میں ڈھول تاشوں سے کہیں بڑھ کر ہے، ٹی وی پر گانے بجانے کے علاوہ بے حیائی کے فحش مناظر بھی سامنے آتے ہیں اور بچوں کی اخلاقی حالت پر اس سے بہت برا اثر پڑتا ہے اور بچوں کے صاف اور کھلے ذہن پر اس کا اثر یقیناً پڑے گا۔

صورت مسئولہ میں بچی شیر خوار اور بہت چھوٹی ہے، بظاہر اس پر اثر ہونا نظر نہیں آتا مگر اس کے کان سے گانے کی آواز اس کے دل و دماغ پر پہنچتی ہے اس کا اثر یقیناً ہوگا، بچہ کی ولادت کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان

اور بائیں کان میں اقامت دی جاتی ہے، یہ ہدایت بیکار نہیں ہو سکتی یقیناً بچہ کے دل و دماغ پر اس کا اثر ہوتا ہوگا تب ہی شریعت نے یہ ہدایت دی ہے، لہذ جب پیدا ہوتے ہی اس کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی توحید رسالت اور نماز اور دائمی فلاح کے دعوت دی گئی، اب گانے بجانے کی آواز پہنچانا کسی حال میں پسندیدہ نہیں ہو سکتا اور اس کا بھی اس بچی پر اثر ہوگا، لہذا سوال میں جو بات درج ہے اگر وہ صحیح ہے تو شوہر کو چاہیئے کہ گھر کا ماحول سدھارنے کی پوری کوشش کرے، اور بچی کو ابھی سے اس بے حیائی سے دور رکھنے کا انتظام کرے، اگر شوہر کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور بیوی اس بنیاد پر الگ رہنے کا مطالبہ کرے تو اس کا مطالبہ شرعاً ناجائز نہیں ہے، شوہر کو اس طرف توجہ دینا چاہئے، اور فی زمانا میل محبت سے الگ رہنے ہی میں بہتری ہے، گھریلو جھگڑوں سے بھی حفاظت رہتی ہے اور آپس میں تعلق قائم رہتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ۔

عورتوں کو لے کر تبلیغی جماعت میں جانا:

(سوال ۸۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر تبلیغی جماعت میں جا سکتا ہوں۔ عورتوں کو جماعت میں لے جانا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! عورتوں کو جماعت میں لے جانا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے، اور **واثمهما اکبر من نفعهما** کا مصداق ہے، عورتیں غیر محتاط ہوتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ والدین کے ساتھ سلام و کلام اور ان کے لئے دعائے مغفرت:

(سوال ۸۲) میں اور میری اہلیہ تین سال قبل شیعہ تھے، الحمد للہ تائب ہو کر داخل اسلام ہوئے، میری اہلیہ کے والدین وغیرہ کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا، ان کو مسنون طریقہ کے مطابق سلام کرنا، ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ میرے خسر صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ "پہلے زمانہ میں اللہ میاں تھے اور اب سیدنا ہیں جن کو سجدہ کرنا کار ثواب ہے، ہمیں بھی اس عقیدے کے منوانے پر اصرار کرتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) شیعوں میں مختلف فرقے ہیں، بعض کے عقائد حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں۔ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے۔ جو لوگ حضرت علیؓ کو معاذ اللہ خدا سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک مانتے ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی لانے میں غلطی کی، حضرت علیؓ کے بجائے محمد مصطفےؐ کو پہنچائی ہے، اور جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر **(معاذ اللہ خاکم بدهن)** زنا کی تہمت لگاتے ہیں، اور جو لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں وغیرہ ذلک کفریہ عقیدہ رکھنے والوں کو فقہائے کرام نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ **نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنها او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الا لوهیة فی علی رضی اللہ عنه او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن** (شامی ص ۴۰۶ ج ۳ باب المرتد مطلب مهم فی حکم سب الشیخین) (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۶۴ ج ۲) (احکام المرتدین موجب االکفر انواع منهاما یتعلق بانبیاء الخ) (از فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۵ ج ۳) (جدید

ترتیب میں کتاب النکاح میں دیکھ لیا جائے۔ ازمرتب)۔

ان کے علاوہ اور بھی کفریہ عقائد ہیں مثلاً (۱) تحریف قرآن کا قائل ہونا (۲) حضور اکرم کی وفات کے بعد چار شخصوں کے سوا سارے صحابہ تمام مہاجرین وانصار (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے یعنی کفر کی طرف پلٹ گئے تھے اور اس ارتداد میں سب سے زیادہ اور بھرپور حصہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے لیا تھا اور اسی کفر وارتداد کی حالت میں ان کی وفات ہوئی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی (ص ۱۰۴) (۳) امام معصوم اور مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اس پر وحی باطنی آتی ہے، اس کو حلال وحرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے، وہ تمام کمالات وشرائط وصفات میں انبیاء کا ہم پلہ ہوتا ہے اس میں اور پیغمبر میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ امامت کا مرتبہ پیغمبری سے بھی بالاتر ہے (از ماہنامہ الفرقان خصوصی اشاعت ''خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ'' اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۸ء۔

سوال میں آپ نے ان کے مقتدا کے متعلق ان کا جو عقیدہ تحریر کیا ہے اس کے کفر اور شرک ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ اس لئے اس قسم کے عقائد کے حامل شیعوں کو مسنون طریقہ کے مطابق سلام کرنا، مسنون طریقہ کے مطابق ان کے سلام کا جواب دینا، ان کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے ہاں ان کے لئے ہدایت کی دعا کرنا بالکل جائز ہے باقی والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنا یہ الگ مسئلہ ہے، حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ والدین کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی جائے، حدیث میں ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر قالت قدمت علی امی وھی مشرکۃ فی عھد قریش فقلت یا رسولَ اللہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ افا صلھا قال نعم صلیھا، متفق علیہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ جو مشرکہ تھیں قریش کے ساتھ صلح کے زمانہ میں (یعنی صلح حدیبیہ کے بعد) میرے پاس آئیں، میں نے اللہ کے رسول سے عرض کیا میری والدہ آئی ہیں اور مجھ سے مال کی امید رکھتی ہے، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو (بخاری ومسلم، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۸، ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خواتین کے لئے دلچسپ معلوماتی اور مستند اسلامی کتب

کتاب	زبان	مصنف
تحفہ زوجین		حضرت تھانویؒ
بہشتی زیور	اردو انگریزی	″ ″ ″
اصلاح خواتین		″ ″ ″
اسلامی شادی		″ ″ ″
پردہ اور حقوق زوجین		″ ″ ″
اسلام کا نظام عفت و عصمت	″ ″	مفتی ظفیر الدین
حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح		حضرت تھانویؒ
خواتین کے لئے شرعی احکام	″ ″	اہلیہ ظریف تھانوی
سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات	″ ″	سید سلیمان ندوی
چھ گناہ گار عورتیں	″ ″	مفتی عبد الرؤف صاحب
خواتین کا حج	″ ″	″ ″ ″
خواتین کا طریقہ نماز	″ ″	″ ″ ″
ازواج مطہرات		ڈاکٹر حقانی میاں
ازواج الانبیاء		احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام		عبد العزیز شناوی
پیارے نبیؐ کی پیاری صاحبزادیاں		ڈاکٹر حقانی میاں
نیک بیبیاں		حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین		احمد خلیل جمعہ
دور نبوت کی برگزیدہ خواتین		″ ″ ″
دور تابعین کی نامور خواتین		″ ″
تحفہ خواتین	″ ″	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری
مسلم خواتین کے لئے بیس سبق	″ ″	″ ″ ″
زبان کی حفاظت		″ ″ ″
شرعی پردہ		″ ″
میاں بیوی کے حقوق	″ ″	مفتی عبد الغنی صاحب
مسلمان بیوی		مولانا ادریس صاحب
خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق		حکیم طارق محمود
خواتین اسلام کا مثالی کردار		نذیر محمد مکتبی
خواتین کی دلچسپ معلومات و نصائح		قاسم عاشور
امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں خواتین کی ذمہ داریاں		نذیر محمد مکتبی
قصص الانبیاء	مستند ترین	امام ابن کثیرؒ
اعمال قرآنی	عملیات و وظائف	مولانا اشرف علی تھانویؒ
آئینہ عملیات	″ ″	صوفی عزیز الرحمٰن
اسلامی وظائف	قرآن و حدیث سے ماخوذ وظائف کا مجموعہ	

فہرست کتب مفت طلب فرمائیں!!

ملنے کا پتہ: دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۲۶۳۱۸۶۱ - ۲۲۱۳۷۶۸